يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ

اشاعت نمبر ۸

سلسلہ تراجم نمبر ۴

کتاب الوسیلہ

تالیف

شیخ الاسلام تقی الدین حضرت امام ابن تیمیہ الحرانی رضی اللہ عنہ

مترجمہ

مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ایڈیٹر "الجامعہ" (کلکتہ)

پبلشر

الہلال بک ایجنسی

نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور

سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق سنہ ۱۹۲۵ء

مطبوعہ کریمی پریس کوتوالی [illegible]

قیمت [illegible]

تعداد ایکہزار

۴۶ فتح

سلسلۂ تراجم

ایجنسی کے پیش نظر اُن اعلیٰ، نادر اور بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم ہیں جن کا مطالعہ صلاحِ عقائدِ اسلام اور اخذ و فہم حقیقت اسلامیہ کیلئے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے، اِس سلسلہ میں جس امام احسن، جس مومن کامل، جس مجاہد حق اور جس یکتا رمقاماتِ علم و عمل شخصیت کی اہم تصانیف کے تراجم کی تکمیل ایجنسی ہذا کی مساعی کا مرکز و محور ہے وہ شیخ المصلحین، ملاذ المجدّدین، سند الکاملین، امام العارفین، وارث الانبیاء، قدوۃ الاولیاء حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابی العباس احمد بن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود مبارک ہے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنیکی ضرورت نہیں کہ امام ممدوح کی بلند منصب اور اخوت منزلت کی حقیقت کیا ہے؟ اسلئے کہ اُنکی تصانیف اردو کے لباس میں عامۃ الناس کے سامنے آجائینگی تو حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائیگی۔ لیکن جن حضرات کو اس بارے میں تفصیلی بحث دیکھنے کی خواہش ہو وہ حضرت مولٰنا ابو الکلام آزاد کے "تذکرہ" میں شرح مقام "عزیمت و دعوۃ" (یہ حصہ علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی چھپ گیا ہے) اور چودھری غلام رسول مہر بی۔ اے چیف ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور کی "سیرتِ ابن تیمیہ" کو ملاحظہ فرمائیں، اس لئے کہ ان کا ایک بہت بڑا حصہ امام ممدوح کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم امام ممدوح کی تصانیف کے اردو تراجم عام فہم اور سلیس عبارت میں شائع کر رہے ہیں تاکہ وہ کم سے کم قیمت میں عام حضرات تک پہنچ سکیں اور وہ اُن کے مطالعہ سے مستفید ہوں اور حضرت امام کے نیازمندوں کا حلقہ وسیع ہو۔ اسی ضمن میں امام ممدوح کے تلمیذ رشید حافظ ابن [illegible] اور [illegible] ارباب علم صف کے بعض دوسرے بزرگوں کی تصانیف کے تراجم شائع کرنا اور انھیں عام رواج دینا اس ایجنسی کا دوسرا مقصد ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل تراجم زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو چکے ہیں:

(۱) اسوۂ حسنہ، (۲) اصحاب صُفّہ، (۳) العروۃ الوثقیٰ، (۴) کتاب الوسیلہ۔

علاوہ ازیں بہت سی کتب کے تراجم پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور بہت سی کتابوں کے تراجم زیرِ غور ہیں جن کے نام شائع ہونے سے پہلے درج کرنا مناسب نہیں۔ جو صاحب اِس مبارک سلسلہ کی کوئی کتاب شائع کرنا چاہیں وہ پہلے ہمیں ضرور اطلاع دیدیں ورنہ ہمارے نقصان کے تمامتر وہ ذمہ دار ہونگے۔

المشتہر

مینجر الہلال بک ایجنسی لاہور

کتاب "الوسیلہ" عرصہ سے تیار تھی، مگر اسکی اشاعت میں غیر متوقع تاخیر محض اس خیال کی بنا پر ہوئی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی سوانح حیات کے چند اوراق بھی مقدمہ کے طور پر اسکے ساتھ شامل کر دئے جائیں جو شائقین کو حضرت امام کی عالی مقام مجددیت، بلند پایہ منصب امامت، عدیم النظیر مقام عزیمت و دعوت اور اُولو العزم شخصیت کے روشناس کرانے میں مشعلِ راہ کا کام دے اور آپکے نیازمندوں کا حلقہ وسیع ہو۔

اگرچہ اس پُرمحن اور پُرخطر منزل میں ہماری بے بضاعتی کی چند در چند مجبوریاں اور معذوریاں حائل تھیں، لیکن اُس جلّ وعلیٰ کی کرمفرمائیوں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ عین وقت پر دستگیری کی: میرے مکرّم و محترم دوست و بزرگ بھائی جناب چوہدری غلام رسول صاحب مہر (پھولپوری) بی اے چیف ایڈیٹر زمیندار لاہور نے اس خدمت کا ذمہ اُٹھا لیا۔ انکا جسقدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے کہ باوجود اپنی کم فرصتی اور نزاکتِ وقت کے صرف گزارشات و معروضات ہی کو شرفِ قبولیت بخشا، بلکہ بیحد نوازا اور مرہونِ احسان فرمایا۔ "مہر" صاحب کے پیش نظر چونکہ مقدمہ تھا نہایت اختصار اور اجمال سے کام لیا مگر تحریر و تسوید کا سلسلہ ختم ہوا تو "سیرۃ ابن تیمیہ" ایک مقدمہ کی تنگنائے میں سما سکنے کے قابل نظر نہ آئی اسلئے علیحدہ اور مستقل رسالہ کی صورت میں چھاپ دی ہے۔

۲۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء

محمد عبد العزیز خاں
مالک الہلال بک ایجنسی لاہور

فہرستِ مضامین کتاب "الوسیلہ"

(از مترجم)

شیخ الاسلام، علم کا ایک ایسا بحرِ زخار ہیں جس کے کناروں کا پتہ نہیں لگتا۔ وہ مجتہدِ مطلق، بلکہ خود مختار شہنشاہ ہیں اور علم کی وسیع مملکت میں جس طرح چاہتے ہیں حکمرانی کرتے ہیں۔ متقدمین میں کم اور متاخرین میں ایک بھی اُن جیسا صاحب علم پیدا نہیں ہوا۔ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہیں، سید الانبیاء کے معجزوں میں ایک بڑا معجزہ ہیں، پہاڑ کی چوٹی پر روشن مینار ہیں، تاریک سمندر میں جہاز کیلئے ہدایت کا ستارہ ہیں، اُمتِ محمدیہ کا فخر ہیں۔ گمراہوں کے لئے تازیانہ ہیں، مبتدعین پر شمشیر برہنہ ہیں، اہلِ جمود پر برق و صاعقہ ہیں۔ ظالم بادشاہ جس طرح قید خانہ کی اندھیری کوٹھڑیوں میں بند کر کے اِس آفتاب کی روشنی پھیلنے سے روک نہ سکے، اُسی طرح موت کا بے پناہ ہاتھ بھی قبر میں چھپا کر اُس کی نور افشانی بند نہ کر سکا۔ ابن تیمیہؒ زندہ ہیں، کیونکہ اُن کی زر و جواہر سے لبریز کتابیں زندہ اور طلبگاروں کیلئے آبِ حیات کا چشمہ جاری کئے ہوئے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو اِس دورِ جہل و ظلمت، شرک و بدعت میں اِس کوہِ نور سے روشنی حاصل کریں اور مبارک ہیں وہ جن کے دل اِن علوم و معارف کے فہم و نشر کیلئے کُھل جائیں!

کتاب "الوسیلہ" محض لفظ "وسیلہ" کی بحث نہیں بلکہ ایک جامع کتاب ہے، توحید کی پُرجوش دعوت ہے، شرک کے سر پر مُہلک ضرب ہے، بدعت و جمود

کے گلے پر چھری ہے۔ اہلِ حق کو اس سے تقویت ہوگی، اہلِ باطل کو شکست ہوگی، مبتدعین اہلِ جمود منہ چھپاتے پھرینگے۔ اس کُندن کے سامنے انکا کھوٹا سونا رواج نہ پاسکے گا، یہ ہیرا جس کانچ پر رکھا جائیگا ریزہ ریزہ کر دیگا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (۱۵ : ۹)۔

اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ مسلمان، اسلام کے اصل الاصول "توحید" سے کس قدر دُور اور بدعت، نہیں، بلکہ خود شرک سے کسقدر نزدیک ہوگئے ہیں۔ حضرت انسؓ بنی امیہ کے زمانہ میں رویا کرتے تھے کہ عہدِ اوّل کا دین باقی نہیں رہا! اگر وہ ہمارے اس زمانہ کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ کیا وہ ہمیں "مشرک" قرار نہ دیتے اور ہم انھیں کوئی بُرا نام نہ دیتے کیونکہ اسوقت اور اُس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظِ اسلام ہے یا چند ظاہری و رسمی عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔ کتاب اللہ جیسی آسمان سے اُتری تھی ابتک بے غل وغش قائم ہے، سنّتِ رسول اللہ بھی مدون و محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، مگر کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں، طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں، یا گنڈوں تعویذوں میں مستعمل ہیں۔ مسلمان اپنی عملی زندگی میں اُنسے بالکل آزاد ہیں اور باوجود ادعائے اتباع اُن سے مخالف چل رہے ہیں۔ اجمیر کا عرس دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے: یہ وہی مسلمان ہیں جو حاملِ قرآن اور علمبردارِ توحید تھے؟ اودھ کے ایک ہندو رہنما نے اجمیر کی کیفیت دیکھکر کہا تھا:

"ابتک مجھے شک تھا کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہوسکتا ہے مگر آج یقین ہوگیا کیونکہ ہمارے اور مسلمانوں کے مذہب میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف ناموں کا ہے، حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے" (!!) اور یہ اُسنے سچ کہا کیونکہ اسوقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں اگر کچھ فرق ہے تو ناموں اور طریقوں ہی کا ہے ورنہ حقیقۃً تقریباً ایک ہے۔ ہندو بتوں کے سامنے جھکتے ہیں تو مسلمان قبروں کے سامنے، ہندو رام و کرشن کی پرستش

کرتے ہیں تو مسلمان جیلانی و اجمیری کی! یہ کہنا کہ ہم پرستش نہیں کرتے، اُنھیں خدا نہیں سمجھتے، محض بے معنی ہے کیونکہ ہندو بھی بجز اللہ واحد کے کسی کی بھی خدا سمجھ کر پرستش نہیں کرتے، اور نہ مشرکین عرب کرتے تھے جیسا کہ اس کتاب میں مفصّل مذکور ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم اپنی پرستش کو "پرستش و عبادت" نہیں کہتے کچھ اور نام دیتے ہو، مگر ناموں کے اختلاف سے حقیقت تو بدل نہیں سکتی۔

حسّاس آدمی کیلئے مسلمان مشرکوں کے حالات و خیالات معلوم کرنا ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ اِس فرقہ میں عقل و نقل دونو کا کال ہے۔ ایک طرف تسلیم کرتے ہیں کہ خدا عَلّامُ الغیوب ہے، سمیع و بصیر ہے، آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرّہ بھی اُس سے اوجھل نہیں اور نہ بغیر اُسکی مرضی کے حرکت کر سکتا ہے، وہ ہم سے دُور نہیں نزدیک ہے اور اتنا نزدیک کہ اُس سے زیادہ نزدیکی ممکن نہیں، پھر وہ رحمٰن و رحیم ہے، غفور و غفّار ہے، سخی ہے، بیحساب دیتا ہے، جبّار بادشاہ نہیں کہ کسی کو اپنے در پر آنے نہ دے، ہر وقت اُسکا دروازہ کھلا ہے، ہر وقت اُسکا ہاتھ پھیلا ہے، ہر وقت اُسکا لنگر جاری ہے۔ یہ سب اور اس سے زیادہ مانتے ہیں، مگر...... "مگر" کے آگے عقل و دانش کی موت ہے، انسانیت و انسانی شرافت کا ماتم ہے! مگر کے بعد یہ ہے کہ قبروں کے سامنے جُھکنا ضروری ہے! مُردوں سے منّتیں ماننا لازمی ہے، سفارش و شفاعت کے بغیر اُس دربار میں رسائی ناممکن ہے، یہ قبر "غوث اعظم" کی ہے جو مر جانے کے بعد بھی "غوث" ہیں اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی روحوں کا تھیلا چھین سکتے ہیں! یہ "محبوب سبحانی" ہیں "عاشق جانثار" کو ضد کر کے مجبور کر دیتے ہیں! یہ "غریب نواز" ہیں اور مرنے پر بھی مٹھیاں بھر بھر کے دیتے ہیں......!!! چنانچہ انسانیت و اسلام کے یہ مدعی جوق جوق قبروں پر جاتے ہیں، ماتھے گھستے ہیں، ناک رگڑتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی شریف النفس اور خوددار انسان کسی مخلوق کے سامنے نہیں کر سکتا۔ انسان کے پاس سب سے بڑی دولت

اُسکی اپنی "انسانیت" ہے، یہ جاتے ہیں اور اس متاعِ عزیز کو چونہ اور اینٹ کے چبوتروں پر بڑی بے دردی سے قربان کر آتے ہیں!

اگر کہا جاتا ہے دیکھو کیا کرتے ہو، شریعت نے منع کیا ہے، شرک ٹھیرایا ہے، جہنم سزا بتائی ہے۔ تو جواب میں اعراض و انکار ہے، تاویل و تحریف ہے، شریعت و حقیقت کی بحث ہے، ظاہر و باطن کی حجت ہے، وہابی و حنفی کا فرق ہے، قرآن کی آیت اور محمد رسول اللہ کی حدیث کے مقابلہ میں حسن بصری، شبلی، جیلانی، چشتی کے ملفوظات ہیں۔ حالانکہ اِنمیں سے کسی نے بھی کوئی شرک جائز نہیں کہا، مگر کس سے کہا جائے؟

کان ہوں تو سنیں، آنکھیں ہوں تو دیکھیں، دل ہوں تو سمجھیں: لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ! (۹ : ۱۲)

یہ صرف عوام ہی کا حال نہیں کہ جہالت کی وجہ سے معذور کہے جائیں، اُن لوگوں کا بھی ہے جو اپنے تئیں مُنہ پھاڑ پھاڑ کے "علماءِ امت" "وارثِ علومِ نبوت" اور "انبیاءِ بنی اسرائیل" کا مشابہ بتاتے ہیں، ایک طرف اسفارِ شریعت کے حامل اور دوسری طرف "حقیقۃ و طریقۃ" کے رازداں ہونے کے مدعی ہیں۔ دراصل یہی لوگ امتِ محمدیہ کیلئے اصلی فتنہ اور تمام تباہیوں اور بربادیوں کے اصلی سبب ہیں۔ یہ علماءِ سُو اس امت کے "فقیھی" و "فریسی" و "صدوقی" ہیں، "ہاروت و ماروت" ہیں، "رؤس الشیاطین" ہیں۔ انھیں نے شریعت کی تحریف کی ہے، انھیں نے کتاب و سنت کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا ہے، انھیں نے شریعت و بدعت کی تاریکی پھیلائی ہے، انھیں نے اسلام کا نام لیکر اسلام کو مسلمانوں کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ تیرہ سو برس کی پوری تاریخ ہمارے سامنے کھلی رکھی ہے، وہ کون مصیبت ہے، جو انکے ہاتھوں نہیں آئی، وہ کون گمراہی ہے جسکا جھنڈا انھوں نے اپنے کاندھوں پر نہیں اُٹھایا؟

حضرت عبداللہ بن المبارک کہہ گئے ہیں:۔ وھل بدّل الدین الا الملوک واحبار سوء ورھبانھا!

الفاظ سخت ضرور ہیں اور شاید قابلِ مواخذہ بھی ہیں، مگر دل و جگر میں جو گھاؤ پڑے ہیں تو

زیادہ ماتم پر مجبور کرتے ہیں۔ کون انسان ہے جو تیس کروڑ انسانوں کی یہ بے دردانہ تباہی دیکھے اور خاموش رہے؟ کون مسلمان ہے جو اُمّتِ مرحومہ پر یہ قزّاقانہ تاخت اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چُپ رہے؟ کیا اسکے بعد بھی انسان دیوانہ نہ ہو جائیگا کہ دن کو رات بتایا جاتا ہے، آفتاب کو سیاہ ٹیکا کہا جاتا ہے، حق کو باطل اور باطل کو حق ٹھیرایا جاتا ہے؟ کون مسلمان ہے جسکے دل میں ذرا بھی نورِ ایمان ہو اور شریعت کو ضلالت، سنّت کو بدعت، ایمان کو کفر، توحید کو شرک اور شرک کو توحید ہوتے دیکھے اور جوش سے اُبل نہ پڑے؟ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ "کتاب و سنّت کا فہم ناممکن ہے لہٰذا اس سے دُور رہو اشخاص کی تقلید واجب ہے لہٰذا بے چون وچرا ہمارے پیچھے چلے چلو، قبریں اونچی کرو، قبّے بناؤ، اولیاء سے منّتیں مانو، خدا تک مخلوق کو وسیلہ بناؤ، جو چاہو کرو بخشے جاؤگے کیونکہ شفیع المذنبین کی امّت ہو۔۔۔" یہی دین ہے، یہی شریعت ہے، یہی سنّت ہے! کیا ہم یہ سب سُنیں اور خاموش بیٹھے رہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مصلحینِ امّت اُٹھیں اور علماءِ سُو کے اِس شرذمۂ مشئومہ کے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیں تاکہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اِن بڑی بڑی پگڑیوں کے نیچے شیطان کو سجدہ کرنیوالے سر ہیں اور اِن لمبی گھنی ڈاڑھیوں کی اوٹ میں کفر و ریا کی سیاہی چھپی ہوئی ہے؟

کیا مسلمان اپنے "عالموں" اور "رہنماؤں" کے اسلام و اصلاح کا حال سُننا چاہتے ہیں؟ اچھا ایک مستقل کتاب کا انتظار کریں، یہاں اس مختصر دیباچہ میں گنجائش نہیں۔ تاہم عبرت کے ساتھ یہ واقعہ نوٹ کرلیں کہ اُنکے ایک "مستند عالم" نے جو "صوفی" اور شاید "پیر" بھی ہیں تحریکِ خلافت کے دوران میں تجویز کی تھی کہ علماء و مشائخ کا ایک وفد مرتّب ہوکر "اجمیر شریف" جائے اور خواجہ صاحب کو امّت کی ایک ایک مصیبت سُنا کر فریاد کرے۔! صرف تجویز ہی نہیں بلکہ سُنا ہے عملاً یہ مولوی صاحب اپنے ہم مشربوں کے ساتھ شدِّ رحال کرکے گئے اور مزار پر خوب روئے پیٹے۔ مگر افسوس وہاں سے کوئی جواب

نہ ملا اور بے مراد لوٹے چلے آئے! کیا یہی وہ توحید ہے جسکی بنیاد دین قرآن نے قائم کی تھیں جسکی حفاظت کے "علماء دین" مدعی ہیں اور جسکے اتباع و تمسک پر مسلمانوں کو ناز ہے؟ اگر خواجہ صاحب امتِ محمدیہ کو اس کے مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں تو رام و کرشن کی خدائی پر مسلمان کیوں منہ بناتے ہیں؟ اس اجمیری وفد کی تحریک پرائیویٹ نہ تھی، اخبارات کے کالموں میں علانیہ کی گئی تھی، مگر کسی عالم نے بھی اعلان کرنے والے کی زبان نہ پکڑی کہ یہ شرک ہے، بلکہ بہت سے مولویوں نے تو اس کی تحریرًا تائید کی جیساکہ اخبارات کے پرانے فائل گواہ ہیں۔ کیا یہی وہ حفاظتِ دین ہے جس کا بیڑا ہمارے علماء اٹھائے ہیں؟

افسوس! کاش ضلالت و بدعت کی حمایت علماء کے اسی گروہ میں محدود نہ ہوتی جسے بدعتی کہا جاتا ہے اور اس گروہ میں منتقل نہ ہوتی جو اصلاح و تجدد کا مدعی ہے۔ میں یہ المناک واقعہ انتہائی رنج و اندوہ کے ساتھ تاریخ کے حوالہ اور مسلمانوں کے گوش گزار کرتا ہوں کہ ابھی چند دن کی بات ہے کہ اس جماعت کے ایک تعلیمی مرکز کے شیخ اعظم اور دوسرے مشائخ نے تعزیہ داری جیسی صریح بدعت بلکہ شرک کے خلاف فتویٰ دینے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ موجودہ حالات میں ایسا فتوے "خلاف مصلحت" ہے!

کیا یہی طریقہ شریعت کی حفاظت کا ہے؟ کیا یہی نیابتِ انبیاء ہے جس کا فرض ہمارے علماء اس خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان آنکھیں کھولیں، اپنے مذہبی پیشواؤں کی حقیقت معلوم کریں

اور دین کی حفاظت اور شرک و بدعت کے ازالہ کے لئے خود آگے بڑھیں؟ اسلام میں نہ پاپائیت ہے نہ روحانی پیشوائیت۔ وقت آگیا ہے کہ یہ خودساختہ پیشوائیت ڈھا دی جائے تاکہ اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ کے دین سے براہِ راست ہو جائے۔

کتاب "الوسیلہ" اس مقصد میں معین ہوگی۔ اور مسلمانوں کو بتائے گی کہ اسلام کے اصل الاصول "توحید" سے اُن کے "علماء" نے انھیں کس قدر دُور ڈال دیا ہے۔

عبدالرزاق ملیح آبادی
از کلکتہ

ابن تیمیہ رحمہ اللہ

(مطبوعہ کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم)

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (۶:۱۰)

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا، أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا۔ (۱۵:۶)

تمہید

الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات

اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ

وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

اللہ نے اپنے رسول ؐ کو ہدایت و دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ اُسے تمام دینوں پر

غالب کردے، وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (۲۸ : ۴۸ ؛ ۲۶ : ۱۲) قیامت کے قریب بشیر و نذیر،

داعی الی اللہ اور سراجاً منیرا بناکر بھیجا، اسکے ذریعہ گمراہی کی جگہ ہدایت قائم کی، کورچشمی

دور کی، کجی اور خمی کو استقامت و رشد سے بدل دیا، اندھی آنکھیں بینا کیں، بہرے

کان شنوا کیے، بند دل کھول دئے۔ پھر خود رسول ؐ نے پیغامِ الٰہی ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا،

امانت پوری پوری ادا کردی، امت کو نصیحت کی، اللہ کی راہ میں مجاہدہ کیا، اور اپنے

رب کی عبادت پر جھکے رہے یہانتک کہ داعی اجل آگیا (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما)،

حق و باطل میں تفریق کی، ہدایت و ضلالت میں تمیز کی، راستی و ناراستی میں جدائی کی،

جنتیوں اور دوزخیوں کے راستے الگ کئے، اولیاء اللہ اور اعداء اللہ میں شناخت پیدا

کردی۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسول ؐ نے حلال کہا ہے اور حرام

وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسول ؐ نے حرام بتایا ہے، اور دینِ حق وہی ہے جو اللہ

اور اُسکے رسول ؐ نے قائم کردیا ہے۔ خدا نے آپ کو جن و انس دونوں کی رہبری کیلئے

مبعوث کیا ہے، اسلئے سب پر فرض ہے کہ آپ پر، آپکی شریعت پر ایمان لائیں اور ظاہر وباطن میں آپ کی پیروی کریں - آپ پر ایمان اور آپکی اتباع، یہی اولیاء اللہ کا راستہ ہے اور یہی وہ "وسیلہ" ہے جسکے چاہنے کا حکم خدا نے اپنے بندوں کو اس آیت میں دیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ "الْوَسِيلَةَ"- (۶ : ۱۰)	اے وہ جو ایمان لائے، خدا سے ڈرو اور اُسی کی طرف وسیلہ ڈھونڈو -

پس وسیلہ صرف اُسی خوش نصیب کیلئے ہے جو محمدؐ پر ایمان لاتا، اُس کی اتباع کرتا اور اِس ایمان و اتباع کو خدا کے ہاں نجات کا "وسیلہ" بناتا ہے -

اسی ایمان و اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا ہر شخص پر ہر حال میں، ظاہر میں باطن میں، فرض ہے، اسکی فرضیت جیسی رسول اللہ صلعم کی زندگی میں تھی ویسی ہی آپ کے وصال کے بعد اب بھی ہے اور ہمیشہ رہیگی - قیامِ حجت کے بعد مخلوق میں کوئی بھی اس سے مستثنیٰ و مستغنی نہیں عام اس سے کہ کیسے ہی حالات میں ہو اور کتنے ہی عذر رکھتا ہو - یہی ایک راستہ ہے جس سے رحمتِ الٰہی، کرامتِ خداوندی، اور نجاتِ اُخروی کی دولت مل سکتی ہے، اسکے سوا عذاب رسوائی سے بچنے کا اَور کوئی طریقہ نہیں -

پھر محمد صلعم شفیع الخلائق ہیں، صاحبِ مقامِ محمود ہیں کہ جسپر تمام اوّلین و آخرین رشک کرینگے، شفیعوں میں کوئی اِس درجہ کا نہیں، دربارِ خداوندی میں کوئی اِس رتبہ کا نہیں - موسیٰؑ کے متعلق خدا نے فرمایا : وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا (۲۲ : ۶) (خدا کے نزدیک معزز ہیں) - اور مسیحؑ کے بارے میں فرمایا : وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۳ : ۱۳) (دنیا و آخرت میں معزز) - مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز ملا ہے، انبیاء و مرسلینؑ میں سے کسی کو بھی نہیں ملا - لیکن آپکی شفاعت سے صرف وہی لوگ نفع اٹھائینگے جن کے حق میں آپ شفاعت و دعا فرمائینگے - پس جس خوش قسمت کو یہ سعادت میسر آجائیگی وہ

آپکی شفاعت و دعا کو خدا تک اُسی طرح وسیلہ بنائیگا جس طرح اِس دنیا میں آپکے اصحاب رض
آپکی دعا و شفاعت کو وسیلہ ٹھیرایا کرتے تھے ۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تسلیما ۔

صحابہ رض کے عرف میں لفظِ "توسّل" اسی معنی میں استعمال ہوتا تھا ۔ پھر آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ صرف حالتِ ایمان ہی میں مفید ہوسکتا ہے، کفار و منافقین کیلئے شفاعت نہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ آپکو اپنے چچا، باپ اور دوسرے کفار نیز منافقین کیلئے استغفار کرنیسے منع کردیا گیا ۔ قرآن میں ہے :

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (۱۳:۲۸)	ان کیلئے چاہے استغفار کرو یا نہ کرو، خدا انہیں ہرگز نہ بخشیگا ۔

لیکن جس طرح تمام مومن ایمان میں مساوی درجہ نہیں رکھتے اسی طرح تمام کفار کا درجہ بھی برابر نہیں، کسی کا کفر زیادہ ہوتا ہے کسی کا کم ۔ پس جسکا کفر آپکی امداد و اعانت کی وجہ سے ہلکا ہوگیا اُسکے لئے شفاعت ضرور مفید ہے، مگر صرف تخفیفِ عذاب میں نہ کلیۃً معافی میں، جیسا کہ صحیح مسلم میں عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ، کیا ابوطالب کو آپکی شفاعت کچھ فائدہ پہنچائیگی وہ تو آپکی حمایت اور آپسے محبت کرتے تھے؟ فرمایا: "نعم ہو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار" (ہاں وہ تھوڑی تھوڑی آگ میں ہونگے اور اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے آخری درجہ میں ہوتے) دوسری روایت میں ہے : ابوطالب آپکی حمایت کرتے، مدد کرتے اور آپ کیلئے کڑھتے تھے، کیا اِس سے انھیں کچھ فائدہ پہنچا؟ فرمایا : نعم، وجدتہ فی غمرات من نار فاخرجتہ الی ضحضاح" (ہاں، میں نے انھیں دوزخ کی گہرائیوں میں پایا اور تھوڑی تھوڑی آگ میں نکال کے کردیا)، نیز مسلم میں ابوسعید رض کی روایت ہے کہ ایکمرتبہ رسول اللہ کی مجلس میں آپکے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا، فرمایا : "لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیمۃ فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیہ یغلی منہا دماغہ" (شاید قیامت میں انھیں میری شفاعت

وہ کام دیے اور تھوڑی تھوڑی آگ میں کر دئے جائیں جو اُنکے ٹخنوں تک پہنچے اور اس سے ان کا دماغ کھولیگا) اور فرمایا: "ان اھون اھل النار عذابا ابو طالب وھو منتعل بنعلین من نار یغلی منھما دماغہ" (اہلِ جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہوگا، وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہونگے جنسے ان کا دماغ کھولیگا) اسی طرح آپ کی دعا بھی ایسے کفار کے حق میں مفید ہے مثلاً یہ دعا کہ دنیا میں ان پر عذاب جلد نہ اُتارا جائے جیسا کہ آپ نے ایک نبیؑ کی حکایت میں فرمایا کہ اُسکی قوم نے اُسے مارا مگر اس نے یہی کہا: "اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون" (اے خدا، میری قوم کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں سمجھتے)۔ روایت ہے کہ خود آپ نے بھی دعا کی تھی: "اغفر لھم ولا تعجل علیھم العذاب فی الدنیا"[1] (انھیں معاف کر اور دنیا میں ان پر عذاب میں جلدی نہ کر) قرآن میں ہے:

حاشیہ: کفار کیلئے دعا

لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (۱۴:۱۴)	اگر خدا لوگوں کو انکے گناہوں پر پکڑتا تو روئے زمین پر کوئی ذی روح بھی نہ چھوڑتا، لیکن وہ انھیں ایک معین زمانہ تک چھوڑے رہتا ہے۔

نیز بعض کفار کی ہدایت و روزی کیلئے بھی آپکی دعا مقبول ہوسکتی ہے جیسا کہ ابو ہریرہؓ کی ماں کیلئے دعا کی اور وہ ایمان لے آئیں، اور جیسا کہ قبیلۂ دوس کیلئے دعا کی کہ: "اللّٰھم اھد دوسا واءت بھم" (الٰہی، دوس کو ہدایت دے اور اُنھیں لے آ) چنانچہ ایسا ہی ہوگیا اور جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ بعض مشرکین نے قحط سالی کی شکایت اور دعا کیلئے درخواست کی، آپنے دعا کی اور پانی برس گیا۔

حاشیہ: شفاعت کیلئے ایمان و عمل ضروری ہے

بالاتفاق تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ نبی صلعم کا درجہ خدا کی درگاہ میں سب سے بڑا ہے، کسی مخلوق کا پایہ آپکے پایہ سے اونچا نہیں اور نہ کسی کی شفاعت آپکی شفاعت سے بڑھکر ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء کی دعا و شفاعت، ان پر ایمان و اطاعت کی

---

[1] بخاری وغیرہ میں ہے کہ نبی صلعم نے یہ دعا جنگ اُحد میں کی تھی جب مشرکوں نے آپکو زخمی کر دیا تھا۔

ہم درجہ نہیں کیونکہ ایمان و اطاعت سے آخرت کی سعادت اور عذاب سے کُلّی نجات ملجاتی ہے جو شخص اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا، اطاعت کرتا اور اسی حال میں مرتا ہے، قطعًا جنتی ہے، اور جو کوئی رسُول کے لائے ہوئے دین سے کفر کرتا ہے، قطعًا دوزخی ہے۔

لیکن شفاعت و دعا کا معاملہ اس سے کچھ مختلف ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چند شرطوں پر موقوف ہے اور راہ میں متعدد موانع بھی موجود ہیں۔ کفار کی نجات کیلئے شفاعت و دعا محض بے سود ہے اگرچہ شفیع کتنے ہی بڑے درجہ کا کیوں نہ ہو۔ محمد صلعم اور پھر ابراہیم خلیل سے بڑھکر کون شفیع ہو سکتا ہے، مگر انکی شفاعت و دعا کا کیا حشر ہوا؟

حضرت ابراہیم نے خود اپنے باپ کے حق میں دعا کی تھی

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (۱۴ : ۴۱)	اے رب قیامت کے دن میری، میرے والدین کی اور مومنین کی مغفرت کر۔

پھر حضرت محمد صلعم نے اپنے جدِ امجد (ابراہیم) کی تقلید میں ابو طالب کی مغفرت کیلئے دعا کرنا چاہی، نیز بعض مسلمانوں نے بھی اپنے کافر رشتہ داروں کیلئے یہی ارادہ کیا، مگر خدا کی طرف سے ممانعت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔	نبی اور مومنین کی شان سے نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ جہنمی ہیں۔

(۱۱ : ۳)

پھر ابراہیم کی دعا میں ان کا عذر بیان فرمایا:

مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ	ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا، پھر جب انھیں ثابت ہوگیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۔ (۹: ۱۱۴)	برات ظاہر کردی، ابراہیم بڑی ہی خشیت و حلم والا ہے۔

صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: یلقی ابراھیم اباہ "آزر" یوم القیامۃ وعلی وجھہ قترۃ وغبرۃ فیقول لہ ابراھیم الم اقل لک لا تعصنی، فیقول لہ ابوہ فالیوم لا اعصیک، فیقول ابراھیم یارب انت وعدتنی ان لا تخزینی یوم یبعثون، وای خزی اخزی من ابی الابعد؟ فیقول اللہ عز وجل "انی حرمت الجنۃ علی الکافرین" ثم یقال انظر ما تحت رجلیک فینظر فاذا ھو بذیخ متلطخ فیوخذ بقوائمہ فیلقی فی النار" (ابراہیم قیامت میں اپنے باپ "آزر" سے اس حال میں ملینگے کہ اُسکے چہرے پر اُداسی اور خاک ہوگی۔ ابراہیم اس سے کہیں گے، میں نے تجھ سے نہ کہا تھا میری نافرمانی نہ کر، باپ جواب دیگا اچھا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کرتا، ابراہیم خدا سے عرض کرینگے: اے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کریگا، اس رسوائی سے بڑھکر اور کون رسوائی ہوگی؟ خدا فرمائیگا میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے، پھر کہا جائیگا اپنے پیروں کے نیچے دیکھو، وہ دیکھینگے کہ ایک لت پت بھیڑیا ہے، چنانچہ اسکی ٹانگیں پکڑی جائینگی اور دوزخ میں ڈالدیا جائیگا) - پس ابراہیم علیہ السلام باوجود اپنے اس بڑے درجہ کے باپ کو نفع نہ پہنچا سکے کیونکہ مشرک مرا تھا۔ قرآن میں ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم اور انکے ساتھیوں میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہدیا کہ ہم تم سے اور خدا کے سوا تمہارے معبودوں سے بری ہیں، ہم تم سے منکر ہوگئے اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت و دشمنی شروع ہوگئی یہانتک کہ اللہ واحد پر ایمان لے آؤ، بجز ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تیرے لئے

لِاَبِیۡهِ لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمۡلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیۡكَ تَوَكَّلۡنَا وَاِلَیۡكَ اَنَبۡنَا وَاِلَیۡكَ الۡمَصِیۡرُ (۲۸ : ۷)

مغفرت طلب کرونگا اگرچہ میں خدا کے مقابلہ میں تیرے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا، اے ہمارے رب، ہم تجھی پر توکل کرتے ہیں، تیری ہی طرف لوٹتے ہیں اور تیری ہی طرف واپسی ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ابراہیمؑ اور اُنکے ساتھیوں کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی ہے مگر اُنکے اُس وعدہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے استغفار کیلئے کرلیا تھا کیونکہ : اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ [۵۱] (خدا اسے معاف نہیں کریگا کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے)۔

یہی ماجرا سیّد الشفعاء حضرت محمد صلعم کے ساتھ بھی گزرا، صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "استأذنت ربّی ان استغفر لامّی فلم یأذن لی واستأذنته ان ازور قبرها فاذن لی" (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کیلئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دیدی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلعم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لیگئے، روئے اور رلایا پھر فرمایا: "استأذنت ربی ان استغفر لامّی فلم یأذن لی واستأذنته فی ان ازور قبرها فاذن لی فزوروا القبور فانها تذکر الموت" (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کیلئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دیدی، پس قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ موت یاد دلاتی ہیں)۔

رسول اللہؐ اور آپکی والدہ

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہؐ میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: "فی النار" (دوزخ میں) وہ افسردہ ہوکر جانے لگا تو بلایا اور فرمایا: "ان ابی و اباك فی النار" (میرا اور تیرا (دونوں کے) باپ دوزخ میں ہیں) نیز صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت "وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ" [۵۲] (اپنے قریب ترین خاندان کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے قریش کو جمع کیا اور تعمیم و تخصیص کے ساتھ فرمایا:

رسول اللہؐ اور آپکے والد

[۵۱] (۵ : ۴) - [۵۲] (۱۹ : ۱۵)

نمبر ۱ یعنی ایمان و عمل کے بغیر رسول اللہ صلعم کسی کے کام نہ آسکیں گے

"یا بنی کعب بن لؤی! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی مرۃ بن کعب! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی عبد شمس! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی عبد مناف! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی عبد المطلب! انقذوا انفسکم من النار، یا فاطمۃ! انقذی نفسک من النار، فانی لا املك لکم من اللہ شیئاً" (اے بنی کعب بن لؤی! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی مرہ بن کعب! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد شمس! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد مناف! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد المطلب! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے فاطمہؓ! اپنے کو دوزخ سے بچا، کیونکہ میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا)۔ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: "یا معشر قریش! اشتروا انفسکم من اللہ فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً، یا بنی عبد المطلب! لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً، یا عباسؓ بن عبد المطلب! لا اغنی عنك من اللہ شیئاً، یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ! لا اغنی عنك من اللہ شیئاً، یا فاطمۃ بنت رسول اللہ! سلینی من مالی ما شئت لا اغنی عنك من اللہ شیئاً" (اے قریش! اپنے کو خدا سے (خود) خرید لو کیونکہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤنگا، اے بنی عبد المطلب! میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤنگا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤنگا، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤنگا، اے فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہ مانگ مگر خدا کے ہاں میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤنگا) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ"[۵۱] نازل ہوئی تو نبی صلعم اُٹھے اور فرمایا: "یا فاطمۃ بنت محمد، یا صفیۃ بنت عبد المطلب، یا بنی عبد المطلب، لا املك لکم من اللہ شیئاً سلونی من مالی ما شئتم" (اے فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹی، اے صفیہ عبد المطلب کی بیٹی، اے اولاد عبد المطلب، میں خدا کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤنگا، میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگو)۔ ابو ہریرہؓ

کی روایت ہے کہ ایک دن نبی صلعم ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے، غلول (مالِ غنیمت کی چوری) کا ذکر کیا اور اسکے معاملہ کو بہت اہمیت دیکر فرمایا: "لا الفین

خیانت علاان

احدکم یجیئ یوم القیامۃ علی رقبتہ بعیر لہ رغاء، یقول: یا رسول اللہ اغثنی، فاقول: لا املك لك شیئا قد ابلغتك! لا الفین احدکم یجیئ یوم القیامۃ علی رقبتہ فرس لہ حمحمۃ، فیقول: یا رسول اللہ اغثنی، فاقول: لا املك لك شیئا قد ابلغتك! لا الفین احدکم یجیئ یوم القیامۃ علی رقبتہ شاۃ لھا ثغاء، فیقول: یا رسول اللہ اغثنی، فاقول: لا املك لك شیئا قد ابلغتك! لا الفین احدکم یجیئ یوم القیامۃ علی رقبتہ رقاع تخفق، فیقول: یا رسول اللہ اغثنی، فاقول: لا املك لك شیئا قد ابلغتك! لا الفین احدکم یجیئ یوم القیامۃ علی رقبتہ صامت، فیقول: یا رسول اللہ اغثنی، فاقول: لا املك لك شیئا قد ابلغتك" (تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اسکی گردن پر بلبلاتا ہوا اونٹ ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے، اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اسکی گردن پر ہنہناتا ہوا گھوڑا ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اسکی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا ہوں، تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اسکی گردن پر لہراتے ہوئے کپڑے ہوں اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اسکی گردن پر سونا چاندی

لدا ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں!) یہاں نبی صلعم نے "لا املك لك من الله شيئا" ٹھیک اسی طرح فرمایا ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا:

لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ - (۲۸ : ۷).	میں تیرے لئے مغفرت کی دعا کرونگا مگر خدا کے ہاں کچھ بھی کام نہیں آ سکتا -

دنیا و آخرت میں رسولؐ کی شفاعت مفید ہے

رہی آپکی شفاعت و دعا تو باتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک دین و دنیا میں مفید ہے - نیز اسپر بھی تمام مسلمان متفق ہیں کہ قیامت میں آپکی شفاعت مومنین کیلئے ثواب کی زیادتی اور درجات کی بلندی کا سبب ہوگی - کہا جاتا ہے بعض بدعتی اسکے منکر ہیں - اسی طرح اپنی امت کے گنہگاروں کیلئے بھی آپکی شفاعت پر جملہ صحابہؓ وتابعینؒ و ائمۂ اربعہ اور تمام علمائے اسلام متفق ہیں، اگر اختلاف ہے تو بدعتی فرقوں خوارج و معتزلہ و

منکرین شفاعت

زیدیہ کی طرف سے ہے جو اسکے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو دوزخ میں داخل ہوگیا پھر اُسے نہ شفاعت نہ کوئی اور چیز باہر نکال سکتی ہے، کیونکہ شخص واحد میں ثواب و عذاب جمع نہیں ہو سکتے، جو جنّت میں گیا، دوزخ میں نہیں جا سکتا اور جو دوزخ میں گیا کبھی جنّت میں نہیں آ سکتا - لیکن صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ اربعہ اور جملہ ائمۂ اسلام کی رائے اسکے خلاف ہے، وہ وہی کہتے ہیں جو صحیح و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جبتک چاہیگا عذاب دیگا پھر بعض کو محمد صلعم کی شفاعت سے اور بعض کو دوسرونکی شفاعت سے اور بعض کو بلا شفاعت دوزخ سے نکالیگا -

انکار شفاعت قرآن سے

منکرینِ شفاعت مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ - (۱ : ۶)	اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہ آئیگا نہ شفاعت قبول ہوگی نہ عوض منظور کیا جائیگا -

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ۔ (۱: ۱۵)	نہ کسی سے عوض قبول ہوگا نہ کسی کو شفاعت نفع دیگی۔
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (۳: ۲)	اس سے پہلے کہ وہ دن آجاے جس میں نہ خرید و فروخت، نہ دوستی ہے نہ شفاعت۔
مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔ (۲۴: ۷)	ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ شفیع جس کی بات سُنی جائے۔
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (۲۹: ۱۶)	انھیں شفیعوں کی شفاعت نفع نہ پہنچائیگی۔

اہل سنت کا جواب

اہل سنت کا جواب یہ ہے کہ شاید اس سے دو چیزیں مراد ہیں:

(۱) یہ کہ شفاعت مشرکین کیلئے مفید نہ ہوگی جیساکہ فرمایا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ؟ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ، وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ، وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ، وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ، حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ، فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (۲۹: ۱۶)	تمہیں دوزخ میں کس نے پہنچایا؟ کہینگے ہم نمازی نہ تھے، مسکین کو کھلاتے نہ تھے، بحث کرنیوالوں کے ساتھ ہوکر بحث کرتے تھے، قیامت کو جھٹلاتے تھے، یہانتک کہ موت آپہنچی، پس انھیں شفیعوں کی شفاعت نفع نہ پہنچائیگی۔

پس انکے حق میں شفاعت کو اس بنا پر غیر مفید قرار دیا ہے کہ وہ کافر ہیں۔

(۲) اس سے اُس شفاعت کا انکار مقصود ہے جسے مشرک، اہل کتاب اور بدعتی مسلمان مانتے ہیں کہ خدا کے ہاں مخلوق کو یہ منصب حاصل ہے کہ بغیر اُسکی اجازت کے شفاعت کرنے کی جرأت کرے جس طرح لوگ آپس میں ایکدوسرے کی سفارش کرتے اور کسی احتیاج یا خوف یا لالچ کی وجہ سے قبول کرلیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مشرکوں کا یہی حال تھا کہ خدا کو چھوڑ کر فرشتوں، نبیوں اور صالحین کو شفیع قرار دیتے، اُنکی تصویریں اور بت بناکر اُن سے شفاعت کی درخواستیں کرتے اور کہتے یہ خاصانِ خدا ہیں، ہم اُن سے دعا کرتے اور انکی عبادت

کرتے ہیں تاکہ خوش ہو کر خدا کے ہاں ہمارا وسیلہ اور سفارشی بنیں، جس طرح بادشاہوں سے ان کے مقرّبوں اور مصاحبوں کے ذریعہ سفارش کرائی جاتی ہے کیونکہ وہ غیروں سے زیادہ منہ چڑھے ہوتے اور بغیر اجازت بھی سفارش کر دیتے ہیں، جسے بادشاہ بسا اوقات کسی امید یا خوف کی وجہ سے با دلِ ناخواستہ بھی منظور کر لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسی شفاعت کی تردید کی:

نفیِ شفاعت [illegible]

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲:۳)

بغیر اسکی اجازت کے کون شفاعت کریگا۔

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰى (۲۷:۶)

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جنکی شفاعت کچھ بھی نہیں کر سکتی الّا یہ کہ خدا جس کے لئے چاہے اور پسند کرے۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ، بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ، لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ، یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ (۱۷:۲)

انہوں نے کہا خدا کے لڑکا ہے، پاک ہے وہ ذات بلکہ وہ عزت والے بندے ہیں، قول میں اسپر پیشقدمی نہیں کرتے اور اسکے حکم پر عمل کرتے ہیں، وہ انکے آگے پیچھے کی سب باتیں جانتا ہے، وہ شفاعت نہیں کرینگے مگر صرف اُسکی جس کیلئے اسکی رضا ہو، اور وہ اس کے ڈر سے خائف ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ، وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (۲۲:۹)

کہدو کہ ان لوگونکو پکارو جو خدا کے علاوہ تمہارے خیال میں ہیں، وہ آسمانوں میں یا زمین میں ایک ذرہ کی بھی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ انکی کوئی شرکت ہے اور نہ انمیں سے کوئی خدا کا مددگار ہے، اسکے حضور اسی کی شفاعت کام دیگی جسے وہ اجازت دیدے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ، قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ، سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ - (۱۱ : ۷)

خدا کو چھوڑ کر وہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں یہ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں، اے نبیؐ پوچھ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، پاک ہے وہ اور بلند ہے اُن چیزوں سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں -

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ - (۶ : ۶)

اس سے انھیں ڈرا جو خوفزدہ ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کئے جائینگے کہ جسکے سوا نہ ان کا کوئی دوست ہے نہ شفیع، شاید وہ ڈریں -

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ، مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ، اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ - (۲۱ : ۱۴)

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمان و زمین اور انکے مابین کی تمام چیزوں کو چھ دن میں بنایا پھر عرش پر قائم ہُوا، اسکے علاوہ نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ شفیع، کیا اب بھی نصیحت نہ پکڑو گے ؟

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ - (۲۵ : ۱۳)

جنھیں وہ خدا کے علاوہ پکارتے ہیں انھیں شفاعت کا اختیار نہیں مگر وہ جس نے حق کی شہادت دی اور وہ جانتے ہیں -

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ، وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا،

تم ہمارے پاس تن تنہا آ گئے جس طرح ہم نے تمھیں شروع میں پیدا کیا تھا اور وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو ہم نے تمھیں بخشا تھا، ہم تمہارے ساتھ تمہارے شفیعوں کو نہیں دیکھتے جنھیں تم سمجھا کرتے تھے کہ وہ تم میں (ہمارے) شریک ہیں، تمہارے مابین

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۔ (۷ : ۱۷)

رشتہ بالکل ٹوٹ گیا اور وہ سب تم سے گم ہو گیا جسے تم سمجھے بیٹھے تھے ۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ، قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ، قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا، لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ، وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۔ (۲۴ : ۲)

کیا انھوں نے خدا کے سوا شفیع ٹھیرائے ہیں؟ اسے رسول، پوچھ اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار او سمجھ نہ رکھتے ہوں (جب بھی انھیں شفیع سمجھتے رہوگے؟) کہدے تمام شفاعت صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے آسمان و زمین اُسی کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے، جب اللہ واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل بدمزہ ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب ماسوا کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں ۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا، يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۔ (۱۶ : ۱۵)

تمام آوازیں (ہیبت) رحمٰن سے پست ہوگئیں اور بجز پھسپھساہٹ کے کچھ سنا نہیں جاتا، اُس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر صرف اُنکی جنھیں رحمٰن اجازت دے اور بولنے کی رضا بخشے ۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ، اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۔ (۲۳ : ۱)

میں کیوں نہ اس ذات کی عبادت کروں جسنے مجھے پیدا کیا اور جسکی طرف تم لوٹائے جاؤگے؟ کیا میں اُسکے سوا ایسے معبود ٹھیرالوں کہ اگر خدا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو اُنکی شفاعت کچھ بھی مفید نہ ہو اور نہ وہ مجھے بچا سکیں، اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں ہوں، میں تمھارے رب پر ایمان لے آیا پس میری بات سنو ۔

اللہ و رسول نے اس شفاعت کی تردید کی ہے

پس اِس قسم کی شفاعت جسکے مشرک قائل تھے اور ملائکہ و انبیاء و صالحین کو اسکا اہل سمجھتے تھے، یہانتک کہ انکے بُت گھڑے اور کہا انکے بتوں سے سفارش کی التجا، خود انھیں سے التجا ہے، نیز انکی قبروں پر گئے اور کہا ہم ان سے مرنے کے بعد بھی شفاعت چاہتے ہیں تاکہ خدا سے ہماری سفارش کریں، نیز انکی تصویریں بنائیں اور پرستش کرنے لگے۔ لیکن خدا اور اسکے رسُول نے ایسی شفاعت کی تردید کر دی ہے اور اسکے اعتقاد پر مشرکین کی مذمّت و تکفیر کی ہے، چنانچہ قوم نوحؑ کی یہ حالت بیان کی ہے:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ (٢٩ : ١٠)	کہنے لگے اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ودّ کو نہ سواع کو نہ یغوث اور نہ یعوق و نسر کو چھوڑنا، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

بزرگوں کی تعظیم بت پرستی کی بنیاد ہے

ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ قوم نوحؑ میں صالح لوگ تھے، جب مرے تو قوم انکی قبروں پر جُھک پڑی پھر انکے بُت بنائے اور پرستش شروع کر دی۔ یہ تفسیر کتب حدیث (بخاری وغیرہ) و تفسیر میں مشہور ہے۔ اس طرح کی شفاعت کی نبی صلعم نے تردید اور بیخکنی کر دی ہے حتیٰ کہ اُن لوگوں پر لعنت کی ہے جنھوں نے انبیاء و صالحین کی قبروںکو مسجد قرار دیکر انمیں نماز پڑھی، اگرچہ نماز پڑھنے والا اُن سے شفاعت نہ بھی چاہتا ہو، قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور حضرت علیؓ کو خاص اسلئے روانہ کیا کہ جو قبر بھی اُونچی ملجائے اُسے برابر کر دیں اور جو بت بھی ملے اُسے مٹا دیں۔ نیز مصوّروں پر بھی لعنت کی ہے

بتوں کا توڑنا اور قبروں کا برابر کرنا

ابوالہیاج اسدیؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی (علیہ السلام) نے مجھ سے فرمایا: انی لا بعثك علی ما بعثنی رسول اللہ صلعم الا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرًا مشرفا الا سویته (وفی لفظ) ولا صورة الا طمستها" (میں تجھے اُس کام پر بھیجتا ہوں جسپر رسول اللہ نے مجھے بھیجا تھا کہ کوئی بت بغیر مٹائے نہ چھوڑیو اور نہ کوئی قبر بغیر برابر کئے (اور ایک روایت میں ہے) نہ کوئی تصویر بغیر محو کئے۔ مسلم)۔

باب (۱)

توسل کے معنی: ایمان و دعاء

لفظ "توسل" سے کبھی تین معنی مراد لئے جاتے ہیں جنہیں دو تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہیں، چنانچہ پہلا تو ایمان و اسلام کی بنیاد ہے یعنی نبی صلعم پر ایمان اور آپکی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا - اور دوسرا معنی یہ ہے کہ آپکی دعا و شفاعت، اور یہ بھی نافع ہے - چنانچہ جن کے حق میں آپنے دعا و شفاعت کی وہ باتفاق مسلمین اُس سے وسیلہ حاصل کرینگے - وسیلہ کی اِن دونوں صورتوں کا جو انکار کرے کافر و مرتد ہے، اُس سے توبہ کرائی جائے، اگر نہ کرے قتل کر ڈالا جائے - کیونکہ ایمان و اطاعت کے ذریعہ توسل دین کی بنیاد ہے اور کسی مسلمان سے بھی عام اس سے کہ عالم ہو یا جاہل مخفی نہیں - پس جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے صریح طور پر کافر ہے - رہی آپکی دعا و شفاعت اور مسلمانوں کا اس سے مستفید ہونا تو اسکا بھی انکار کفر ہے، لیکن یہ بات پہلی بات سے زیادہ باریک ہے، اسلئے اسکے منکر کو اگر جہالت کا شکار ہے واقف کرنا چاہیئے، اگر برابر انکار کرتا ہے تو مرتد سمجھنا چاہیئے -

دنیا میں آپکی دعا و شفاعت کے مفید ہونے سے کسی اہلِ قبلہ نے انکار نہیں کیا - رہی قیامت کے دن شفاعت تو اہلِ سنّت و جماعت یعنی صحابہؓ و تابعینؒ، ائمہ اربعہ اور جملہ علمائے اسلام کا مسلک یہی ہے کہ قیامت کے دن آپکی ایک ہی شفاعت نہیں بلکہ متعدد شفاعتیں ہونگی جن میں بعض عام ہونگی اور بعض خاص، اور یہ کہ آپ اپنی امت کے اُن اہلِ کبائر کی بھی شفاعت کرینگے جن کیلئے خدا اجازت دیگا، اور یہ کہ آپکی شفاعت سے صرف موحّد ہی مستفید ہونگے، مشرکین کو کوئی فائدہ نہ پہنچیگا اگرچہ وہ آپ سے کتنی ہی محبت رکھتے ہوں اور آپکی کتنی ہی عزت کرتے ہوں، آپکی شفاعت اُنھیں ہرگز دوزخ سے نجات نہ دلا سکیگی - البتہ جو چیز جہنم سے بچا سکتی ہے وہ توحید اور آپ پر ایمان ہے - اِسی بنا پر

شفاعت کا مدار توحید پر ہے

ابو طالب وغیرہ آپ سے محبت کرنیوالے مشرک آپکی شفاعت یا کسی اور ذریعہ سے نجات نہ پاسکیں گے کیونکہ آپ کی لائی ہوئی توحید کے قائل نہ تھے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ "ای الناس اسعد بشفاعتک یوم القیامۃ؟" (قیامت میں آپکی شفاعت سے سب سے زیادہ خوش بخت کون ہوگا؟) فرمایا: اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامۃ من قال لا الٰہ الا اللہ خالصا من قلبہ" (قیامت میں میری شفاعت سے سب سے زیادہ خوش بخت وہ ہوگا جس نے "خلوصِ قلب" سے لا الٰہ الا اللہ کہا) نیز مسلم میں ابو ہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ فرمایا: لکل نبی دعوۃ مستجابۃ فتعجل کل نبی دعوتہ وانی اختبأت دعوتی شفاعۃ یوم القیامۃ فھی نائلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا" (ہر نبی کیلئے ایک مقبول دعا ہوتی ہے، ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی، لیکن میں نے اپنی دعا چھپا رکھی ہے کہ قیامت میں شفاعت ہو، اور وہ انشاء اللہ ہر اُس شخص کے شامل حال ہوگی جو میری امت میں سے اِس حال میں مرا کہ خدا کے ساتھ "کسی کو بھی" شریک نہیں کرتا) سُنن میں عوف بن مالک سے مروی ہے کہ فرمایا: اتانی آت من عند ربی فخیرنی بین ان یدخل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ، فاخترت الشفاعۃ وھی لمن مات لا یشرک باللہ شیئا" (میرے رب کے پاس سے ایک آنیوالا آیا اور مجھے اختیار دیا کہ یا اپنی نصف امت کا جنت میں داخل ہونا قبول کردں اور یا شفاعت رکھوں، میں نے شفاعت منتخب کی جو ہر اُس شخص کیلئے ہے جو خدا کے ساتھ "کسی چیز کو بھی" شریک نہیں کرتا)۔

توحید دین الٰہی کی بنیاد ہے

یہ ہے بنیاد اُس دین کی جسکے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں، اسیکی دعوت وقیام کیلئے اُس نے نبی بھیجے اور اسی کے دوام واستحکام کیلئے آسمانی کتابیں اُتاریں:

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ	اپنے پہلے کے رسولوں سے پوچھو کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور معبود قرار دئے جن کی پوجا کی

آلِهَةً يُعْبَدُونَ (۲۵ : ۱۰)	جائے ۔
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۔ (۱۷ : ۲)	تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا اُسپر ضرور وحی کی کہ بجز میرے کوئی معبود نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو ۔
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۔ (۱۴ : ۱۱)	ہر قوم میں ہم نے ایک نہ ایک رسول (اس دعوت کے ساتھ) بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو، شیطان سے دور رہو، ان میں سے کسی کو خدا نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی لگ گئی ۔

ہر رسول کی دعوت کا آغاز اس سے ہوتا تھا :

اُعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (۸ : ۱۵، ۱۶ : ۱۷ وغیرہ)	اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں ۔

مسند میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا : "بعثت بالسیف بین یدی الساعة حتی یعبد واللہ وحدہ لا شریک له وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذل والصغار علی من خالف امری ومن تشبہ بقوم فھو منھم" (میں قیامت کے قریب تلوار دیکر بھیجا گیا ہوں تاکہ سب اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں میرا رزق میرے نیزہ کے زیر سایہ کیا گیا اور میرے مخالف پر ذلت وخواری کردیگئی، جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے اُسی میں سے ہے) ۔

قریش وغیرہ مشرکین جنکے شرک کی شہادت قرآن نے دی اور جنکے مال ومتاع، خون اور اولاد کو نبی صلعم نے مباح کیا اور جنپر دوزخ کا حکم لگایا، سب کے سب قائل تھے کہ ایک اکیلے اللہ ہی نے آسمان وزمین پیدا کئے ہیں :

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ	اگر ان سے پوچھوگے کہ کس نے پانی اُتارا اور زمین کو

قریش توحید ربوبیت کے قائل تھے

مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ (۲۱:۲)

اُسکی موت کے بعد کس نے زندہ کیا؟ کہدینگے خدانے، کہو تمام ستائش اللہ ہی کیلئے ہے لیکن انہیں سے اکثر نہیں سمجھتے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔ (۲۱:۲)

اگر اُن سے پوچھوگے آسمان و زمین کس نے پیدا کئے اور سورج چاند کس نے مسخر کئے؟ کہدینگے خدا نے، پھر کہاں بھٹکتے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ، قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ، قُلْ مَنْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ، بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ، مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ کُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

(۱۸:۵)

پوچھ اگر جانتے ہو تو بتاؤ زمین اور اُسکی سب چیزیں کس کی ہیں؟ کہدینگے اللہ کی، کہو کیا پھر بھی نہ سمجھوگے؟ پوچھ ہفت آسمان اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ کہدینگے اللہ، کہو کیا پھر بھی نہیں ڈرتے؟ پوچھ اگر جانتے ہو تو بتاؤ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، وہ پناہ دیتا ہے اور اُسکے مقابلہ میں پناہ نہیں دیجاتی؟ کہدینگے وہ خدا ہے، کہہ پھر کہاں بھٹکتے ہو؟ بلکہ ہم نے ان کے سامنے حق رکھدیا ہے اور وہ جھوٹے ہیں، خدانے نہ کوئی لڑکا ٹھیرایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے (اور اگر ہوتا) تو ہر معبود اپنی مخلوق الگ کرلیتا اور ایک دوسرے پر سرکشی کرتا، پاک ہے خدا اُس سب سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

اور جن مشرکین نے خدا کے ساتھ اور معبود بنائے تھے وہ بھی مُقر تھے کہ اُن کے یہ معبود مخلوق ہیں، انکی عبادت سے مقصود صرف تقرّب الی اللہ اور اُسکی جناب میں اُنکی شفاعت

شرک اللہ کو تقرب ... (margin note)

سے مستفید ہونا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ - (۱۱ : ۷)

خدا کو چھوڑ کر وہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں یہ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں، اے نبیؐ پوچھ: کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، پاک ہے وہ اور بلند ہے اُن چیزوں سے جنھیں وہ شریک بناتے ہیں۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ - (۲۳ : ۱۵)

ہم نے تجھ پر قرآن حق کے ساتھ اُتارا ہے پس اللہ کی عبادت کر اسی کیلئے خالص کر کے عبادت، خبردار صرف اللہ ہی کیلئے عبادت خالص رہے، اور جنھوں نے اسکے سوا یار مددگار ٹھیرا لئے ہیں (کہتے ہیں) ہم صرف اسلئے انکی عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں خدا سے قریب کر دیں، خدا انکے اختلافات میں ان کا فیصلہ کر دیگا، خدا جھوٹے کافر کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

اِن مشرکین کی تلبیہ (حج وغیرہ میں لبیک کہنا) یہ تھی: لبیك لا شریك لك الا شریکا ھو لك، تملکه وما ملك" (حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے جو تیرا اپنا ہے، تو اسکا اور اسکی ملکیت کا مالک ہے)۔

پھر خدا نے ایک مثل میں سمجھایا ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ

تمہارے لئے خود تمہارے نفسوں ہی سے ایک مثال دی ہے کیا تمہارے رزق میں تمہارے غلام شریک ہیں

فِیْ مَا رَزَقْنٰکُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ کَخِیْفَتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

(۲۱ : ۷)

اور تم سب اسمیں برابر ہو، ڈرتے ہو اُن سے ویسا ہی جب آپسمیں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟ داناؤں کیلئے ہم اسی طرح آیتیں صاف بیان کرتے ہیں، لیکن ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے، پس اُسے کون ہدایت کرسکتا ہے جسے خدا نے گمراہ کیا ہے اور نہ اُن کیلئے مددگار ہیں، پس تو ہر طرف سے مڑکر عبادت کے لئے سیدھا متوجہ ہوجا، فطرت اللہ کی کہ جسپر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہو، اسی سے ڈرو، نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو، انمیں سے جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقہ فرقہ ہوگئے کہ ہر فرقہ اپنی چیز پر خوش ہے[1]۔

اس مثل میں خدا نے بتایا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانا پسند نہیں کرتے تو خدا کے غلاموں اور بندوں کو اُسکی خدائی میں کیوں شریک کرتے اور کس بناء پر اسے پسند کرتے ہو؟

جن مشرکین کو اللہ اور رسول صلعم نے مشرک قرار دیا ہے، اصل میں دو قسم کے تھے: قوم نوحؑ اور قوم ابراہیمؑ - قوم نوحؑ کا شرک اِس طرح شروع ہُوا کہ صالحین کی قبروں پر

مشرکین کی قسمیں

[1] مسلمان غور کریں انکی کیا حالت ہے؟ اور اس حکم خداوندی کے کہانتک پابند ہیں؟ (مترجم)

جھکے پھر انکی تصویریں اور بت بنائے، پھر عبادت کرنے لگے - قوم ابراہیم کے شرک کی بنیاد ستاروں، سورج اور چاند کی پرستش سے پڑی - دونو گروہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں، شیاطین اُن سے کبھی گفتگو کرتے اور بعض معاملات میں انکی مدد بھی کرتے ہیں - وہ کبھی سمجھتے ہیں کہ فرشتوں کی عبادت کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ جن ہی انکی اعانت کرتے اور ان کا شرک پسند کر سکتے ہیں :

فرشتوں اور جنوں کی پرستش

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ، قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ - (۲۲ : ۱۱)	اور جب وہ ان سب کو جمع کریگا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہینگے پاک ہے تو اے خدا، تو ہی انکے سوا ہمارا مددگار ہے بلکہ وہ جن کی عبادت کرتے تھے ان میں سے اکثر جنوں پر ایمان رکھنے والے ہیں -

فرشتوں اور شیطانوں میں فرق

ملائکہ شرک میں کسی کی مدد نہیں کرتے نہ زندگی میں نہ موت میں اور نہ اسے پسند کر سکتے ہیں - ہاں شیاطین کبھی انکی مدد کرتے اور آدمیوں کے روپ میں انھیں دکھائی دیتے ہیں، چنانچہ وہ انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر کبھی کوئی شیطان اُن سے کہتا ہے میں ابراہیمؑ ہوں، مسیحؑ ہوں، محمدؐ ہوں، خضر ہوں، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ یا فلاں شیخ طریقت ہوں - اور کبھی ایکدوسرے کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ فلاں نبی، فلاں شیخ یا خضر ہے، حالانکہ وہ سب کے سب جن ہی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی گواہی دیتے ہیں - جنّ بھی انسان کی طرح ہیں، بعض کافر ہیں، بعض فاسق ہیں، گنہگار ہیں، سرکش ہیں، جاہل عبادت گزار ہیں - انمیں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی شیخ سے محبت کرنے لگتے ہیں، اسکی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور بیابانوں میں دکھائی دیتے ہیں، آنے جانے والونکو کھانا پانی دیتے، راستہ بتاتے اور ہونے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں - دیکھنے والا دھوکہ کھا جاتا اور یقین کر لیتا ہے کہ اسنے فلاں مردہ یا زندہ شیخ کو دیکھا ہے - حالانکہ وہ محض ایک جنّ اور شیطان ہوتا ہے

کیونکہ فرشتے شرک، بہتان، گناہ اور ظلم میں کسی کی مدد نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ، اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔ (۱۷ : ۵۶)

کہدے ان لوگوں کو پکارو جنھیں تم خدا کے علاوہ خیال کئے بیٹھے ہو، وہ تم سے نہ مصیبت اٹھا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں، جنھیں یہ پکارتے ہیں خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کونسا انمیں سے زیادہ نزدیک ہے اور اُسکی رحمت کی اُمید کرتے اور اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، تیرے ربّ کا عذاب ضرور ڈرنے کے لائق ہے۔

اِس آیت کی تفسیر میں ایک جماعتِ سلف کا قول ہے کہ بعض قومیں ملائکہ اور انبیاء مثلاً عُزیر و مسیح کو پکارتی تھیں، اسپر خدا نے فرمایا کہ ملائکہ و انبیاء بھی خدا کے اُسی طرح بندے اور اُسکی رحمت کے اُسی طرح خواستگار اور اُسکے عذاب سے اُسی طرح لرزاں و ترساں ہیں جس طرح تم خود ہو، پھر خدا کو چھوڑ کر کیوں اُنسے معاملہ رکھتے ہو ؟

مشرکین کا اپنے شرک سے انکار

یہ مشرک کبھی کہتے ہیں ہم ملائکہ و انبیاء کی پوجا نہیں کرتے بلکہ تعریف و تقدیس کے ذریعہ سے اُن سے شفاعت چاہتے ہیں اور اسی غرض سے انکی قبروں پر جاتے ہیں، رہیں تصویریں اور بت تو ان سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ اِن برگزیدہ ہستیوں اور اُن کے کارناموں کی یاد قائم و برقرار رہے، ہم تصویروں اور بُتوں سے خطاب نہیں کرتے بلکہ دراصل اُن بزرگوں سے خطاب کرتے ہیں جنکے یہ بُت اور تصویریں ہیں۔ چنانچہ یہ مشرک

قبروں، بُتوں اور تصویروں کو مخاطب کرنا

ان کے سامنے جُھکتے اور التجائیں کرتے ہیں کہ: "اے شیخ فلاں، اے پیر فلاں، اے بطرس حواری، اے نیک مریم، اے سیّدی ابراہیم خلیل اللہ، اے موسیٰ کلیم اللہ، (وغیرہم) اپنے رب سے میری سفارش کیجیے، میری مغفرت کی دعا کیجیے"۔ کبھی قبروں سے بھی جا کر اسی طرح کی فرمائشیں کرتے یا زندہ آدمیوں کو انکی عدم موجودگی میں اس طرح مخاطب کر کے باتیں شروع

کر دیتے ہیں گویا وہ موجود ہیں اور اُنکی سُنتے ہیں۔ پھر مدحیہ قصیدے پڑھتے ہیں جنمیں ہوتا ہے: "اے میرے آقا! میں تیرے زیر سایہ ہوں، تیری پناہ میں ہوں، خدا سے میری سفارش کیجے، دعا کیجے کہ ہمیں دشمن پر فتح حاصل ہو، مصیبت دور ہو، تجھی سے میرا سوال ہے، تجھی سے میرا شکوہ ہے، اپنے غلام کو محروم نہ لوٹا[1] .... " انمیں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے شرک کیلئے خود قرآن سے دلیل لاتے ہیں! چنانچہ کہتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (۵: ۶)	جب انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول اُن کے لئے مغفرت کی درخواست کرتا تو البتہ خدا کو معاف کرنیوالا اور رحیم پاتے۔

کے مطابق ہم رسول اللہ سے دعائے مغفرت چاہتے اور اس طرح صحابہؓ کی حیثیت میں ہو جاتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ زندگی میں درخواست کرتے تھے اور ہم وفات کے بعد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور تمام صحابہ و تابعین و ائمۂ اسلام کے اجماع کے قطعی خلاف ہے، انمیں سے کسی ایک نے بھی نبی صلعم سے وصال کے بعد کوئی درخواست نہیں کی نہ شفاعت کی نہ کسی اور چیز کی، اور نہ ائمۂ اسلام میں سے کسی نے اپنی کتابوں میں اسکا ذکر کیا ہے، البتہ بعض متاخرین فقہاء نے امام مالک سے ایک جھوٹی حکایت نقل کی ہے جیسا کہ آئندہ مفصل بیان ہوگا۔

---

[1] یہ باتیں صرف عوام ہی نہیں کرتے جو جہالت کا عذر رکھتے ہیں بلکہ "علماءِ دین" بھی اپنے خود ساختہ شرعی جامے پہنکر کرتے ہیں، چنانچہ ہندوستان کے ایک "مستند" عالم نے خلافت کی تحریک کے دوران میں تحریک کی تھی کہ علماء و مشائخ کا ایک وفد اجمیر جائے اور خواجہ صاحب سے فریاد کرے۔ ظاہر ہے کہ جب خود علماء اس شرک میں مبتلا ہیں تو عوام کی ہدایت کسقدر مشکل ہے ضرورت ہے جلد سے جلد مسلمان علمائے سُوء کے پنجہ سے نکال لئے جائیں تاکہ اُن کا غلط نمونہ اور گمراہی کا فتنہ باقی نہ رہے۔ (مترجم)

پس ملائکہ وانبیاء وصالحین سے انکی وفات کے بعد اس طرح کا خطاب عام اس سے کہ انکی قبرونکے واسطہ سے ہو یا انکی غیر موجودگی میں ہو یا انکے بتوں اور تصویروں کے سامنے ہو، مشرکین، بدعتی اہل کتاب اور بدعتی اہل اسلام کا ایک عظیم ترین شرک ہے کہ جنھوں نے بغیر خداوند تعالیٰ کی رضامندی واجازت کے طرح طرح کے شرک اور طرح طرح کی عبادتیں ایجاد کرلی ہیں۔ قرآن میں ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ۔ (۴۲:۲۱)

کیا انکے اپنے شریک ہیں جنھوں نے ان کیلئے دین میں کچھ ایسا حصہ ان کیلئے مقرر کیا ہے جسکی خدا نے اجازت نہیں دی۔

صالحین کی قبروں سے دعاء

پس ملائکہ وانبیاء سے انکی موت کے بعد یا انکی غیر حاضری میں دعا کرنا، التجا کرنا، استغفار چاہنا، شفاعت طلب کرنا، دین کا وہ حصہ ہے جسکا خدا نے حکم نہیں دیا، نہ کوئی نبی اس کی دعوت کیلئے بھیجا، نہ کوئی کتاب اسکی تعلیم کیلئے اُتاری، وہ کسی مسلمان کے نزدیک بھی واجب ہے نہ مستحب، نہ کسی صحابی نے اسپر عمل کیا نہ تابعی نے نہ کسی امام نے اسے جائز بتایا۔ اور اگر کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو زہد وعبادت کی چادر اُوڑھ کر اسے جائز رکھتے، اسپر عمل کرتے، اسکی تائید میں افسانے، حکایتیں اور خواب سناتے ہیں تو اس سے وہ جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو کچھ اسکی تائید میں بیان کیا جاتا ہے شیطان کی طرف سے ہے، اسلئے کہ خدا اور اسکے رسولؐ نے اسکی اجازت نہیں دی، ممانعت کی ہے۔

انھیں میں بعض ایسے ہیں جو مُردوں کی شان میں قصیدے لکھکر اُن سے دعائیں کرتے، مرادیں مانگتے، منتیں مانتے، اور امداد واعانت چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب باتفاق جملہ ائمۂ اسلام نہ مشروع ہے نہ واجب ہے نہ مستحب ہے، اور یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ: جو شخص ایسی عبادت اختیار کرتا ہے جو نہ واجب ہے نہ مستحب تو وہ گمراہ ہے، بدعت سیئہ کا موجد ہے کیونکہ خدا کی پرستش صرف واجب یا مستحب عبادتوں ہی سے ہونا چاہیئے، کسی کو حق نہیں کہ

اپنے دل سے عبادتیں ایجاد کرے۔

اس قسم کے شرک میں بہت سے لوگ قسم قسم کے فواید و مصالح بیان کرتے اور اسکی صحت پر زید، عمرو، بکر کے آرار و اذواق، تقلید و خواب وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کیلئے دو جواب ہیں: پہلا جواب جو اصل ہے، نص و اجماع کا جواب ہے، اور دوسرا قیاس و ذوق اور ان مضرتوں کی تشریح میں ہے جو اس شرک سے پیدا ہوتی ہیں اور جو نام نہاد منافع و مصالح سے کہیں زیادہ ہیں۔

میت اور غیر موجود سے دعا کی ممانعت پر اجماع

پہلے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ کتاب و سنت کے تواتر اور سلف صالح و ائمۂ اسلام کے اجماع سے یہ بات پوری طرح پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز بھی نہ واجب ہے نہ مستحب، نہ نبی صلعم نے نہ آپ سے پہلے کسی اور نبی نے کبھی کہا کہ ملائکہ و انبیاء و صالحین سے دعائیں مانگو، شفاعت چاہو، نہ انکی قبروں سے نہ انکی غیبت میں۔ کبھی کسی نبیؑ نے یہ کہنے کی اجازت نہیں دی کہ "اے اللہ کے فرشتو! خدا سے ہماری سفارش کرو، دعا کرو کہ ہم فتحیاب ہوں، خوشحال ہوں، ہدایت یاب ہوں" یا کسی مردہ نبی یا بزرگ کو مخاطب کیا جائے کہ: "اے نبی اللہ، اے رسول اللہ، خدا سے ہمارے حق میں دعا کرو، مغفرت طلب کرو، ہمارے لئے فتح، رزق، ہدایت، صحت کی درخواست کرو" یا یہ کہ "میں تم سے اپنی سیہ کاری کا، غربت کا، بیچارگی کا شکوہ کرتا ہوں" یا یہ کہ "میں تمہارے در پر پڑا ہوں، میں تمہارا مہمان ہوں، تمہاری حمایت میں ہوں" یا یہ کہ "جو تم سے پناہ مانگتا ہے اُسے پناہ دیتے ہو، تم لاچاروں کا سہارا ہو، ناامیدوں کا آسرا ہو" نیز کسی کیلئے جائز نہیں کیا کہ کاغذ پر اپنی فریاد لکھ کر قبر پر لٹکائے، یا دستاویز میں لکھے کہ "میں فلاں ولی کی پناہ میں ہوں" وغیرہ اقوال و اعمال جو بدعتی اہلِ کتاب اور بدعتی مسلمان کرتے ہیں، اہلِ کتاب اپنے گرجوں اور عبادت گاہوں میں اور نام نہاد مسلمان انبیاء و صالحین کی قبروں پر یا انکی غیبت میں۔

پوری تحقیق سے ثابت ہے کہ کسی نبی کی شریعت میں بھی یہ چیز موجود نہیں اور نہ مذہب

اسلام میں اسکا کہیں وجود ہے، نہ نبی (صلعم) نے اپنی امت کو اسکی تعلیم دی، نہ سلف امت کا اجماع نے کبھی اسپر عمل کیا، نہ تابعینؒ نے اس طرف رخ کیا، نہ ائمہ اربعہؒ وغیرہ نے، نہ کسی مخالف و موافق بلکہ کسی امام نے اسکا ذکر بھی نہیں کیا کہ مناسک حج یا کسی اور موقع پر کسی مسلمان کیلئے لوگوں ہے کہ رسول اللہ کی قبر کے سامنے جاکر شفاعت کی درخواست کرے، یا امت کی دینی یا دنیاوی مصیبتوں کی شکایت کرکے دعا کی التجا کرے۔ تو صحابہؓ پر آپکی وفات کے بعد طرح طرح کی سختیاں آئیں، قحط پڑا، غربت نے ستایا، خطرہ پیش آیا، دشمن کا غلبہ ہوا، گناہوں نے گھیرا مگر کہیں ثابت نہیں کہ انمیں سے کوئی ایک بھی نبی صلعم یا ابراہیم خلیل یا کسی اور نبی کی قبر پر گیا اور کہا ہو "ہم آپ سے قحط سالی کی شکایت کرتے ہیں، دشمن کی قوت و غلبہ کی فریاد کرتے ہیں، گناہوں کا شکوہ کرتے ہیں" یا یہ کہ "اللہ سے ہمارے لئے یا اپنی امت کیلئے رزق، فتح، مغفرت کی دعا کیجیے"۔

یہ سب بعد کی ایجاد ہیں، بدعت ہیں جنکی ائمہ میں سے کسی نے بھی تحسین نہیں کی، بلانزاع کسی امام کے نزدیک بھی یہ نہ واجب ہیں نہ مستحب بلکہ سراسر بدعت ہیں، پھر بدعت حسنہ نہیں، بدعت سیئہ ہیں کیونکہ دین میں ہر وہ چیز جو واجب یا مستحب نہیں بدعت سیئہ ہے، اور بلا اختلاف تمام مسلمانوں کے نزدیک گمراہی ہے۔ بعض لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں[۵]

[۵] بدعت اصل میں ایک ہی قسم ہے، اسمیں "حسنہ" کی کوئی گنجائش نہیں۔ تمام علماء حق کا یہی مسلک ہے اور خود شیخ الاسلام کا بھی یہی مذہب ہے، اسی لئے انھوں نے بدعت کی تقسیم "بعض لوگوں" کی طرف منسوب کی ہے۔ جن لوگوں نے بدعت کی تقسیم کی ہے وہ اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ دین اور دنیا کے معاملات میں جو بات بھی ایسی کی جائے جو عہد نبوی میں نہ تھی، بدعت ہے، پھر اسمیں جو امت کیلئے مفید ہو (مثلاً علوم و فنون ایجادات وغیرہ) بدعت حسنہ ہے، ورنہ سیئہ۔ حالانکہ یہ غلطی ہے، بدعت کا تعلق صرف دین کے معاملہ سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جو کوئی دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے، کوئی نئی عبادت گھڑے، تقرب الی اللہ کے نئے طریقے نکالے، یہ بدعت ہے، جیسا کہ حدیث میں صاف فرما دیا: من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ الخ "(ہمارے اس معاملہ میں جسنے ایسی بات گھڑی جو اس میں نہیں ہے الخ) رہی دنیا تو اسکے معاملات میں تغیر و تبدل ناگزیر ہے اور شریعت نے

کی ہیں: سیئہ اور حسنہ، مگر انھوں نے بھی حسنہ اُسی بدعت کو کہا ہے جسکے استحباب پر کوئی دلیل شرعی موجود ہو۔ اور جو ایسی نہیں اُسے کسی مسلمان نے بھی حسنات میں شمار نہیں کیا کہ جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ پس جو کوئی ایسی چیزوں سے تقرب چاہتا ہے جو حسنات نہیں، جنکے وجود یا استحسان پر کوئی دلیل نہیں، تو وہ گمراہ ہے، شیطان کا پیرو ہے، شیطان کے راستہ پر چلنے والا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضنے فرمایا کہ نبی صلعم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور اس لکیر کے دائیں بائیں اور چند لکیریں کھینچیں پھر فرمایا: "یہ (بیچ کی) لکیر خدا کا راستہ ہے اور یہ (دوسری لکیریں) ایسے راستے ہیں کہ ہر ایک پر شیطان موجود ہے اور اپنی طرف بلا رہا ہے" پھر آیت پڑھی:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔ (۸ : ۶)	یہ میری راہ سیدھی ہے، اسی کی پیروی کرو، اور راستوں پر نہ پڑو جو تمہیں اسکے راستہ سے بھٹکا دیں۔

مومنین اولین کی پیروی

یہ ایک جامع اصل ہے جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھنے والوں کیلئے واجب العمل ہے۔ کسی کیلئے جائز نہیں کہ سنت معلومہ اور سابقین اولین من المہاجرین والانصار اور تابعین لہم باحسان کی راہ چھوڑ کر اپنی الگ راہ نکالے۔ پھر کسی کیلئے جائز نہیں کہ سنت اجماع قدیم کے مخالف کی پیروی کرے خصوصًا ایسی حالت میں کہ ائمۂ اسلام میں سے کوئی امام، کوئی معتمد علیہ مجتہد، کوئی قابلِ اعتماد عالم اُسکی بدعت میں اُسکا ساتھی نہیں۔ اور یہ کہنا کہ جب مخالف موجود ہے تو اجماع کہاں رہا، بے معنی بات ہے، کیونکہ اجماع نہ ہر کس و ناکس کی موافقت پر موقوف ہے اور نہ ہرہما و شما کی مخالفت سے ٹوٹ سکتا ہے، حتی کہ اس باب میں بعد کے کسی

نوٹ بقیہ صفحہ ۲۹۔ مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ اس کے کلّی اصول کے ماتحت اپنی مصلحت کے مطابق جس طرح چاہیں کریں چنانچہ فرمادیا ہے: انتم اعلم بامور دنیاکم" (تم اپنے دنیاوی معاملات زیادہ سمجھتے ہو) بنا بریں بدعت کی تقسیم غلط ہے، بدعت ایک ہی چیز ہے اور وہ بدعت سیئہ ہے اور جہنم کی آگ ہے: آلا کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار"۔ (مترجم)

مجتہد کی مخالفت بھی اسے کمزور نہیں کر سکتی، کیونکہ متواتر سنّت اور سلف امت کا اجماع موجود ہے - جب مجتہد کا یہ حال ہے تو پھر زید، عمرو، بکر کس شمار میں ہیں؟ انکی مخالفت و موافقت وزن ہی کیا رکھتی ہے؟ خصوصًا جبکہ اپنے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں رکھتے بلکہ ایسے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں جو دین میں بغیر کسی علم، ہدایت، بصیرت اور روشنی کے گفتگو کرتے ہیں -

قبروں کو مسجد بنانا حرام ہے

رسول اللہ صلعم نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس شرک کی اجازت نہیں دی، بلکہ اُسے حرام قرار دیا ہے، صرف اسی کو نہیں بلکہ ان تمام باتوں کو بھی جو اسکا ذریعہ وسبب بن سکتی تھیں - چنانچہ انبیاء وصالحین کی قبرونکو مسجد بنانا حرام ٹھیرایا ہے - صحیح مسلم میں جندبؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے وفات سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا تھا: "ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد، الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہاکم عن ذلك" (تم سے پہلے لوگ قبرونکو مسجد بناتے تھے، دیکھو تم قبرونکو مسجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں) صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات سے پہلے فرمایا: لعن اللہ الیہود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائہم مساجد" (خدا کی لعنت یہود و نصارے پر کہ اپنے انبیاء کی قبرونکو مسجد قرار دے لیا ہے) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اس خیال سے کہ آپکی قبر مسجد قرار دیدی جائے، اسے اونچا نہیں کیا گیا -

قبروں کو مسجد ٹھیرانے کے کیا معنی ہیں؟

کسی جگہ کو مسجد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ پنجگانہ نمازوں اور دوسری عبادتونکے لئے اُسے مخصوص کر لیا جائے جیسے کہ مسجدیں مخصوص ہوتی ہیں کہ جنمیں صرف اللہ واحد کی عبادت اور اسی سے دعا ہوتی ہے نہ کسی مخلوق سے - لیکن نبی صلعم نے سرے سے قبرونکو مسجد قرار دینا یعنی وہاں نماز پڑھنے کیلئے اسطرح جانا جس طرح مسجدوں میں جاتے ہیں، قطعًا حرام کر دیا ہے اگرچہ جانے والے کی نیت اللہ واحد کی عبادت ہی کیوں نہ ہو - اور یہ اسلئے کہ مبادا لوگ ایسی مسجدوں میں محض صاحب قبر کی عقیدت، اس سے دعا مانگنے، منگوانے

یا قبر کو متبرک جان کر اسکے پاس اللہ سے دعا مانگنے کو افضل سمجھ کر آنا جانا شروع کر دیں ۔ لہذا آپ نے ایسی جگہوں کو اللہ واحد کی عبادت کیلئے کام میں لانے ہی سے روک دیا کہ شرک کا ذریعہ نہ بنجائیں ۔ اور شریعت کا عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی فعل موجبِ فساد و مضرت ہو اور کوئی بڑی مصلحت نہ رکھتا ہو تو اس سے منع کر دیا جاتا ہے ۔ مثلاً اوقاتِ ثلاثہ[۱] میں نماز سے روکدیا گیا ہے کہ بڑی مضرت کا موجب تھی، اسمیں مشرکین کی مشابہت تھی جو شرک کی طرف لیجا سکتی تھی، اور کوئی خاص مصلحت نہ تھی جسکی رعایت کیجاتی کیونکہ دوسرے اوقات میں نماز پڑھی جاسکتی ہے ۔ پس اگر ان اوقات میں نماز کی ممانعت، شرک کی راہ بند کرنے کے لئے تھی کہ آفتاب پرستی کا ذریعہ نہ بنجائے تو خود آفتاب پرستی کا کیا حکم ہوگا؟ ظاہر ہے وہ ان اوقات میں نماز سے بھی زیادہ حرام ہوگی ۔ اسیطرح جب انبیاء و صالحین کی قبروںکو مسجد قرار دینے کی ممانعت کیگئی ہے تاکہ مُردوں کی دعا و عبادت کا سبب نہ بن جائے تو خود یہ دعا و عبادت قبر کے مسجد قرار دینے سے بھی زیادہ حرام ہوگئی ۔

زیارت قبور کی قسمیں

بنا بریں مسلمان قبروںکی زیارت دو قسم کی ہوگئی : شرعی زیارت، بدعی زیارت ۔ شرعی زیارت یہ ہے کہ مردہ کیلئے دعا کی غرض سے جایا جائے جس طرح نمازِ جنازہ میں شرکت دعا کی غرض سے ہوتی ہے ۔ قبر پر جانا اور نماز جنازہ پڑھنا دونو ایک ہی قبیل سے ہیں ۔ قرآن میں ہے :

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۔ (۱۰ : ۱۷)	انمیں سے کوئی مرے تو نہ کبھی اسکی نماز پڑھو نہ اسکی قبر پر کھڑے ہو ۔

اس آیت میں خدا نے اپنے نبی کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور انکی قبروں پر کھڑے ہونے سے منع کیا ہے کیونکہ انھوں نے اللہ اور اسکے رسول سے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں دنیا سے کوچ کیا ۔ نیز یہیں سے یہ حکم بھی نکلا کہ جن لوگوں میں یہ علت (کفر) نہ پائی جائے

---

[۱] طلوع، غروب، نصف النہار ۔

اُنکی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور انکی قبروں پر جایا جائے، کیونکہ اگر یہ بات سب کے حق میں غیر مشروع ہوتی تو منافقین کا خصوصیت سے ذکر نہ کیا جاتا اور نہ اسکی علت کفر قرار دی جاتی۔
یہی وجہ ہے کہ مومنین کے جنازوں پر نماز پڑھنا اور انکی قبروں پر جانا سنت متواترہ سے ہو گیا۔
چنانچہ نبی صلعم نے مسلمان جنازوں کی خود نماز پڑھی اور امت کو اسکا حکم دیا، نیز جب کوئی مسلمان دفن ہوتا تو آپ قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے: سلوا لہ التثبیت فانہ الآن یسئل "، (اس کیلئے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے) نیز بقیع کے قبرستان اور اُحد کے شہدا کی زیارت کو جاتے اور صحابہؓ کو تعلیم دیتے کہ جب قبروں پر جاؤ تو کہو: "السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین، وانا ان شاء اللہ تعالیٰ بکم لاحقون، ویرحم اللہ المستقدمین منا ومنکم والمستاخرین، نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ، اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم" (اے مومنوں کے گھر کے بسنے والو! تم پر سلام، ہم انشاء اللہ تم سے ملجانے والے ہیں، خدا ہمارے اور تمہارے آگے جانے والوں اور پیچھے جانے والوں پر رحم کرے، ہم اپنے اور تمہارے لئے خدا سے عافیت طلب کرتے ہیں، اے خدا ہمیں انکے اجر سے محروم نہ کرنا، ہمیں انکے بعد امتحان میں نہ پھسانا، ہماری اور انکی مغفرت کر) صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلعم قبرستان تشریف لیگئے اور فرمایا: "السلام علیکم دار قوم مومنین، انا ان شاء اللہ بکم لاحقون[1]"، (مومنوں کے گھر کے بسنے والو، تم پر سلام، ہم انشاء اللہ تم سے ملجانے والے ہیں) اس باب

[1] اس قسم کی احادیث اور قلیبِ بدر کی حدیث سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ مُردے اپنی قبروں میں سُنتے ہیں، اسلئے اگر ہم اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر اُن سے دعا کی درخواست کریں تو کیا حرج ہے، ضرور ہے وہ ہماری درخواست خدا کے حضور پہنچا دینگے۔ اگر اس استدلال کے اوّل حصہ کو تسلیم کر لیا جائے جب بھی دوسرا اور تیسرا حصہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر یہ بھی تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اولیاء اللہ موت کے بعد بندوں کی حاجتیں حضورِ خداوندی میں پہنچا سکتے ہیں تو بھی اُنسے دعا کرنا جائز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اول تو وہ بغیر حکمِ الٰہی کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، اور اگر کر بھی سکیں تو چونکہ ممانعت موجود ہے اسلئے خدا کو چھوڑ کر اُن سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ (مترجم)

یں بکثرت احادیث صحیحہ موجود اور عام طور پر معلوم ہیں ۔

قبور مسلمین کی یہ شرعی زیارت ہے جس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ مُردہ کی مغفرت و رفع درجات کیلئے دعا کی جائے ۔ اِسی ضمن میں وہ زیارت بھی ہے جسے زیارت مشترکہ کہتے ہیں اور جو کفار کی قبروں کیلئے بھی جائز ہے ۔ اس سے مقصود محض عبرت اور ذکر موت ہوتا ہے جیساکہ مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لیگئے، روئے، رولایا اور فرمایا: " استأذنت ربی فی ان استغفر لہا فلم یأذن لی، فاستأذنتہ ان ازور قبرھا فاذن لی، فزوروا القبور فانہا تذکرکم الآخرۃ "، (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کیلئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، پھر میں نے انکی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دیدی، تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائینگی ۔) پس ایسی زیارت جو موت کی یاد تازہ کرے مشروع ہے اگرچہ قبر کسی کافر ہی کی کیوں نہ ہو ۔ بخلاف اُس زیارت کے جس سے مقصود مردہ کے حق میں دعا ہوتی ہے تو وہ صرف مومنین کی قبروں ہی کیلئے جائز ہے ۔

زیارت کی دوسری قسم، بدعی زیارت ہے اور وہ، وہ ہے جس سے مقصود مردہ سے منّت ماننا، دعا چاہنا، شفاعت طلب کرنا، یا براہِ راست خدا سے یہ سمجھکر دعا کرنا ہوتا ہے کہ اِس قبر کی بزرگی کی وجہ سے دعا مقبول ہوگی ۔ اِس قسم کی تمام زیارتیں بدعت ہیں جنکا نہ نبیؐ نے حکم دیا نہ صحابہؓ نے اُنھیں برتا نہ رسول اللہ کی قبر کے ساتھ نہ کسی اَور کی قبر کے ساتھ، بلکہ یہ جنسِ شرک اور اسبابِ شرک میں سے ہے ۔

اور جب انبیاء و صالحین کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا بغیر اُن سے دعا کرنے یا اُنکے پاس دعا کو بہتر جاننے کے بھی حرام اور خدا کے غضب و لعنت کا مورد بنتا ہے جیساکہ فرمایا: " اشتد غضب اللّٰہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائہم مساجد "، (خدا کا غضب ایک قوم پر سخت ہوگیا کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد ٹھیرا لیا ہے ۔) تو اُس شخص کا کیا

حکم ہوگا جو مُردوں سے دعا کرتا، اور اُنکی قبروں کے پاس دعا کو بہتر جانتا، اُسے دعا کے قبول ہونے اور مرادوں کے بر آنے کا ذریعہ سمجھتا ہے ؟

قوم نوح اور دوسری قوموں کا شرک قبروں کی تعظیم سے شروع ہوا

یہی چیز تھی جس سے سب سے پہلے قوم نوحؑ پھر دوسری قوموں کی بت پرستی شروع ہوئی جیساکہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آدم اور نوحؑ کے مابین دس صدیاں ایسی گذریں جن میں مخلوق اسلام پر تھی، پھر صالحین کی قبروں کے اعزاز و تکریم کی وجہ سے شرک پھیل گیا۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا یہ قول صحیح بخاری، کتب تفسیر اور قصص الانبیاء میں مشہور ہے کہ آیت: وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (۲۹ : ۱۰) میں جن ناموں کا ذکر آیا ہے یہ قوم نوحؑ میں صالح لوگوں کے نام تھے، جب وہ مر گئے تو لوگوں نے اُنکی قبروں کی تعظیم شروع کی، پھر اُنکی تصویریں اور مورتیں بنائیں، اور عبادت کرنے لگے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ پھر یہ بت قبائلِ عرب میں منتقل ہو آئے۔

ابن سینا وغیرہ ملحدوں کی اختراع

ملحد فلاسفہ مثل ابن سینا وغیرہ نے زیارتِ قبور کے سلسلہ میں شرک کو ایک نیا جامہ پہنایا ہے۔ وہ اسبات کے قائل نہیں کہ خدا نے آسمان زمین چھ دن میں پیدا کئے اور یہ کہ وہ جزئیات کا علم رکھتا، اپنے بندوں کی صدائیں سنتا، دعائیں قبول کرتا ہے۔ اُنکے نزدیک انبیاء و صالحین کی شفاعت کے وہ معنی نہیں جو مومنین کے نزدیک ہیں کہ شفاعت صالح آدمی کی دعا ہے جسے خدا قبول کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دعا بے اثر چیز ہے اور دنیا کے تمام حوادث و واقعات میں اصلی مؤثر، قوائے نفس یا حرکات فلک یا طبعی اسباب ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ انسان جب کسی صالح میت سے محبت کرتا ہے خصوصاً جب اُسکی قبر پر جاتا ہے تو اُسکی روح کو مردہ کی روح سے اُن عقل میں اتصال حاصل ہو جاتا ہے جو میت کے روح پر عقلِ فعّال کا فیضان کرتی ہیں، یا نفسِ فلکیہ زائر کی روح پر اپنا فیضان اس طرح شروع کر دیتا ہے کہ خدا کو ذرا بھی خبر نہیں ہوتی بلکہ کبھی خود زائر کی روح کو بھی احساس نہیں ہوتا۔ اسکی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ آفتاب کے سامنے جب آئینہ آتا ہے

تو اُسپر شعاعوں کا فیضان ہوتا ہے اور اگر اِس آئینہ کے مقابل کوئی اور آئینہ آجائے تو اسمیں شعاعیں آجاتی ہیں اور اگر اِس آئینہ کے سامنے کوئی دیوار یا پانی ہو تو اسپر بھی فیضان شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے زعم میں شفاعت و دعا کا بھی یہی حال ہے اور اِسی طریقہ سے زیارت کرنیوالے کو نفع ہوتا ہے۔

جنوں اور شیطانوں کا بشری شکلیں دکھانا

اِس رائے پر کفر و ضلالت کا جسقدر غبار ہے، ہوشمند سے مخفی نہیں۔ بلاشبہ بتوں کے ذریعہ شیاطین کا جو کچھ تصرّف ظاہر ہوتا ہے، انسانونکی گمراہی کا ایک بڑا سبب ہے۔ قبر کو بت بنانا، شرک کا آغاز ہے، اسلئے اسکے پاس بھی بعض لوگونکو کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں، صورتیں دکھائی دیتی ہیں، کوئی عجیب تصرّف نظر آتا ہے جسے وہ مردہ کی کرامت تصوّر کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی دکھائی دیتا ہے کہ قبر پھٹ گئی، مردہ نکل آیا، گفتگو کی، معانقہ کیا۔ اس طرح کی باتیں انبیاء اور غیر انبیاء سب کی قبروں پر ہو سکتی ہیں، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب شیطان کی باتیں ہیں جو آدمی کا روپ اختیار کرتا اور فریب دہی کی راہ سے کہتا ہے کہ میں فلاں نبی یا فلاں شیخ ہوں۔

اِس باب میں بیشمار واقعات مشہور ہیں جنکی تفصیل کیلئے یہاں گنجائش نہیں۔ جاہل سمجھتا ہے کہ قبر سے نکلا، باتیں کیں، معانقہ کیا، بذات خود مردہ تھا، نبی یا ولی تھا، لیکن مومنِ کامل جانتا ہے کہ وہ شیطان تھا جو گمراہ کرنے کیلئے آیا تھا۔

جنوں اور شیطانوں کی حقیقت معلوم کرنے کا طریقہ

اِس قسم کے واقعات کی حقیقت معلوم کرنے کی چند تدبیریں ہیں: مثلاً صدقِ دل سے آیت الکرسی پڑھے، اگر شیطان ہے فوراً غائب ہو جائیگا یا زمین میں دھنس جائیگا، اور اگر صالح انسان یا فرشتہ یا مومن جنّی ہوگا تو اُسے آیۃ الکرسی سے کوئی نقصان نہ پہنچیگا، کیونکہ اس سے صرف شیطان ہی کو نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ اُن سے ایک جن نے کہا: جب سونے لگو آیۃ الکرسی پڑھو تاکہ خدا نگہبان رہے اور شیطان قریب نہ آئے"۔ نبی صلعم نے سنا تو فرمایا: "جھوٹے نے سچ کہا" یا یہ کہ شیطان سے

اللہ کی پناہ مانگے۔ شیاطین انبیاؑ کو بھی ستاتے اور انکی عبادت خراب کرنیکی کوشش کیا کرتے تھے، چنانچہ خود نبی صلعم پر ایک مرتبہ جنّوں نے حملہ کیا تھا جیساکہ ابو التیاح رض کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عبد الرحمٰن بن حبش سے دریافت کیا کہ جب شیاطین نے شرارت کی تو نبی صلعم نے کیا کیا تھا؟ کہا پہاڑ کی گھاٹی میں سے شیاطین آپ پر ٹوٹ پڑے، ایک شیطان کے ہاتھ میں بھڑکتا ہوا شعلہ تھا اور آپ کو جلا ڈالنا چاہتا تھا، آپ پر خوف طاری ہوگیا، مگر معًا جبرئیلؑ آگئے اور کہنے لگے محمدؐ! جو کچھ میں کہتا ہوں تم بھی کہو، کہو: اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ما ینزل من السماء ومن شر ما یعرج فیھا ومن شر ما یخرج من الارض ومن شر ما ینزل فیھا ومن شر فتن اللیل والنھار ومن شر کل طارق یطرق الا طارقا یطرق بخیر یا رحمٰن[۱] (اللہ کے اُن کلمات تامات کے ساتھ کہ جن سے نہ کوئی نیک تجاوز کرسکتا ہے نہ بد، میں پناہ مانگتا ہوں اُسکے شر سے جسے خدا نے پیدا کیا اور بڑھایا اور اُسکے شر سے جو آسمان سے اترتا اور جو اُسکی طرف چڑھتا ہے اور اُسکے شر سے جو زمین سے نکلتا اور جو اُسمیں اترتا ہے اور رات اور دن کے شر سے اور ہر اُس رات کے آنیوالے کے شر سے جو آئے بجز اُس آنیوالے کے جو اے رحمٰن! خیر لیکر آئے۔) چنانچہ شعلہ بجھ گیا اور شیطان بھاگ گئے۔

رسول اللہ پر جنوں کا حملہ

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "ایک جنّی دیو رات کو آیا کہ میری نماز خراب کرے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اسپر قابو دیا، ارادہ ہوا کہ پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم اُسے دیکھو، مگر سلیمانؑ کی دعا: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ

رسول اللہ کا نماز میں جن کو دبانا

[۱] شیخ الاسلام نے یہ حدیث بلا تنقید روایت کردی ہے، حالانکہ محدثین نے اسکی تضعیف کی ہے۔ یہ حدیث مراسیل مکحول میں سے ہے اور مکحول کو مدلّس بتایا گیا ہے، ابن سعدؒ نے اسکی تضعیف کی ہے (المنار) پھر حدیث کے الفاظ کچھ اس وضع کے ہیں کہ کلام نبوی نہیں معلوم ہوتے خصوصًا اسکا آخری جملہ کسی طرح دل کو نہیں لگتا۔ واللہ (مترجم)

بَعْدِیْ" (۳۸: ۳۵) (اے رب میری مغفرت کر اور مجھے ایسی سلطنت بخش جو میرے بعد کسی کیلئے سزاوار نہ ہو) یاد آگئی، خدا نے اُسے ذلیل و خوار لوٹا دیا" حضرت عائشہ رض کی روایت ہے کہ نبی صلعم نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان آگیا، آپ نے اُسے پچھاڑ ڈالا اور گلا دبایا، آپ فرماتے تھے کہ اسکی زبان کی سرد رطوبت میں نے اپنے ہاتھ پر محسوس کی، اگر سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح بندھا ملتا" (نسائی) ابو سعید خدری رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے اور میں پیچھے تھا کہ اچانک قرأت غلط ہوگئی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "کاش تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے، میں نے ہاتھ بڑھا کے اُسے پکڑ لیا اور برابر گلا دباتا رہا یہانتک کہ اُسکے لعاب کی ٹھنڈک اپنی اِن دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور انگشتِ شہادت) میں محسوس کی، اگر میرے بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد کے ستون سے بندھا ملتا اور مدینہ کے لڑکے چھیڑتے ہوتے، جہانتک ممکن ہو اپنے اور قبلہ کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہونے دو" (احمدؒ و ابو داؤدؒ) صحیح مسلم میں ابو الدرداء رض سے روایت ہے کہ نبی صلعم کو نماز میں ہم نے یہ کہتے سنا: "اعوذ باللہ منك" (تجھ سے خدا کی پناہ) پھر تین مرتبہ فرمایا: "العنك بلعنة اللہ" (تجھ پر خدا کی لعنت) پھر ہاتھ بڑھایا گویا کوئی چیز لے رہے ہیں، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی یارسول اللہ، آج ہم نے آپکو نماز میں ایسی بات کہتے سنا جو پہلے نہ سنی تھی، نیز آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا - فرمایا: "دشمنِ خدا ابلیس آگ کا شعلہ لیکر آیا کہ میرے منہ میں لگا دے، اسپر میں نے تین مرتبہ کہا: اعوذ باللہ منك" پھر کہا: "العنك بلعنة اللہ التامۃ" اسپر وہ پیچھے ہٹ گیا، میں نے چاہا کہ پکڑ لوں اور بخدا اگر بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو بندھا ملتا اور مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلتے ہوتے[1] "

---

[1] انبیاء پر جو روحانی کیفیات طاری ہوتی ہیں، شیطانی قوتوں سے ان کا جو روحانی مقابلہ ہوتا ہے اُسکے متحمل ہمارے یہ مادی الفاظ نہیں ہو سکتے اور نہ کوئی انسانی تعبیر انکی پوری تصویر کھینچ سکتی ہے[م]

جن و شیاطین متقین کو کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکتے

پس جب شیاطین انبیاء سے مقابلہ کرتے، ستاتے اور عبادت خراب کرنا چاہتے تھے تو اور لوگ کس شمار میں ہیں ؟ انبیاء اپنی دعا، ذکر، عبادت، عملی جہاد اور خدا کی دی ہوئی قوتوں سے انھیں دفع کر دیا کرتے تھے، چنانچہ نبی صلعم نے الٰہی علوم و اعمال و صلوٰۃ و جہاد کے ذریعہ انسی و جنی شیاطین کا قلع قمع کر دیا تھا اور وہ آپ کو نقصان نہ پہنچا سکتے تھے - اِسی طرح اُن لوگوں کو بھی خدا شیطان پر فتحیاب کرتا ہے جو انبیاء کے متبع ہوتے ہیں - لیکن جو اپنے لئے ایسا دین ایجاد کرتے ہیں جسکا انبیاء نے حکم نہیں دیا، اُن کی بتائی ہوئی عبادتوں سے گریز کرتے ہیں، اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ سے اعراض کرتے ہیں، اُسکے رسول کی پیروی سے روگردانی کرتے ہیں، انبیاء و صالحین کے باب میں غلو و شرک کرتے ہیں تو شیطان اُنھیں اپنا تختۂ مشق بنا لیتے ہیں جیساکہ قرآن میں ہے :

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ - (۱۶ : ۱۹)	شیطان کو اُن لوگوں پر ذرا بھی قدرت نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اُسکا قبضہ صرف اُنھیں پر ہے جو اُس سے دوستی رکھتے اور جو اُسکے ساتھ شرک کرتے ہیں
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ - (۱۴ : ۳)	میرے بندوں پر تجھے کچھ بھی اختیار نہیں، بجز اُن کے جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کریں -

اِسی طرح شیطان کے پرکھنے کی یہ صورت بھی ہے کہ اللہ سے اُنکی حقیقت ظاہر

نوٹ بقیہ صفحہ ۴۸ - حدیث میں جو کچھ آیا ہے ماننا چاہیئے، مگر یہ سب کیونکر ہوا، اس کی کیفیت کیا ہے ؟ ہم نہیں سمجھ سکتے، ہاں اسقدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ روحانی مقابلہ تھا جسمیں جسم کو بھی بے اختیار حرکت ہوئی اور جسے عام فہم انسانی تعبیر میں بیان کر دیا گیا، ورنہ معلوم ہے شیطان مجسم نہیں کہ پکڑا اور باندھا جا سکے، الا یہ کہ خدا کبھی کسی مصلحت سے ایسا چاہے - (مترجم)

کردینے کیلئے دعا کرے، یا خود دکھائی دینے والے سے پوچھے کیا تو واقعی فلاں شخص ہے، بڑی بڑی قسمیں دلائے، آیاتِ قرآنی پڑھے، وغیرہ طریقے کہ جن سے شیطان گھبراتے اور زک اُٹھاتے ہیں۔

کعبہ وغیرہ دکھائی دینا

اِسی طرح بعض لوگوں کو کبھی دکھائی دیتا ہے کہ کعبہ ہے جسکے گرد طواف کر رہے ہیں، عظیم الشّان عرش ہے جسپر ایک عظیم الشان پُر جلال ہستی جلوہ گر ہے، بیشمار آدمی اوپر نیچے آجا رہے ہیں۔ یہ دیکھکر سادہ لوح سمجھ لیتا ہے کہ یہ آدمی ملائکہ ہیں اور وہ ہستی اللہ عز و جل ہے جو اپنے پر شکوہ تخت پر متمکن ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ سب شیطان کے کرشمے ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

اِس طرح کے واقعات ایک سے زیادہ آدمیوں کو پیش آچکے ہیں، بعض کی اللہ نے دستگیری کی اور ظاہر کر دیا کہ شیطان دھوکہ دے رہا ہے جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مشہور قصہ میں ہے کہ اُنھوں نے کہا: "ایک دن میں عبادت میں مصروف تھا، اچانک عظیم الشان تخت نظر آیا جسپر نور ہی نور تھا، نور میں سے آواز آئی: "عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور تیرے لئے وہ سب حلال کئے دیتا ہوں جو دوسروں کیلئے حرام کیا ہے!" میں نے جواب دیا: "کیا تو ہی وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں؟ دُور ہو اے دشمنِ خدا!" اسپر نور پھٹا، تاریکی پھیل گئی، اور آواز آئی: "عبدالقادر! تو اپنے تفقّہ فی الدّین، علم اور احوال میں رسوخ کی بدولت میرے پنجہ سے بچگیا ورنہ میں اِس شعبدہ سے ستر شیخ گمراہ کر چکا ہوں!" شیخ سے پوچھا گیا آپ نے کیونکر جانا وہ شیطان ہے؟ کہا اسکی اِس بات سے کہ "تیرے لئے وہ سب حلال کئے دیتا ہوں جو دوسروں کیلئے حرام کیا ہے"، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ شریعتِ محمدیہ اٹل ہے، بدلنے والی نہیں، دوسری بات جس سے میں نے اُسے پہچانا یہ تھی کہ اُسنے کہا "میں تیرا رب ہوں" اور یہ نہ کہہ سکا کہ "میں ہی وہ اللہ ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں"۔

دنیا میں خدا کو دیکھنا

لیکن کچھ ایسے بیوقوف بھی ہوتے ہیں جو اس طرح کے شعبدے دیکھکر یقین کر لیتے ہیں کہ ہم نے بیداری میں خدا کو دیکھا ہے اور دلیل میں اپنا مشاہدہ پیش کرتے ہیں، ہم اُنھیں جھوٹا نہیں کہتے، واقعی اُنکا مشاہدہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر اُنکی اصل غلطی یہ ہوتی ہے کہ شیطان کو خدا سمجھ بیٹھتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات بہت سے جاہل عابدوں کو بھی پیش آئے اور وہ خیال کرنے لگے کہ ہم اِس دنیا ہی میں اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھتے ہیں، یا یہ کہ نبی صلعم یا خضر یا کسی اَور بزرگ کو دیکھا ہے، حالانکہ وہ شیطان ہی ہوتا ہے جو مختلف بھیسوں میں آکر دھوکہ دیتا ہے۔ بلاشبہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "من رآنی فی المنام فقد رآنی حقا، فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی" (جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اُسنے مجھے واقعی دیکھا کیونکہ شیطان میرا روپ نہیں بھر سکتا) مگر یہ خواب کے بارے میں ہے، کیونکہ اگرچہ کبھی خواب بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے شیطان سے یہ قدرت چھین لی ہے کہ نبی صلعم کی صورت اختیار کرکے خواب میں دکھائی دے۔ رہا بیداری میں دیکھنا تو آپ کو وصال کے بعد دنیا میں کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا، اور جو یہ خیال کرے کہ جسے اُسنے دیکھا ہے، آپ تھے، تو وہ جاہل ہے اور جہالت کی راہ سے شیطان کا شکار ہؤا ہے، اِسی لئے کسی صحابی رضہ یا تابعی رحہ سے کہیں مروی نہیں کہ انھوں نے آپؐ کو وصال کے بعد بھی بیداری میں دیکھا ہو۔

رسول اللہ کو بیداری میں نہیں دیکھنا

عقلی دلیل

جس کسی نے اِس طرح کی کوئی بات دیکھی یا دیکھنے والے کی تصدیق کی تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ شخصِ واحد ایک وقت اور ایک حالت میں دو جگہ موجود ہو سکتا ہے، جو صریحًا خلافِ عقل ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کیلئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والی شکل، میت کی روحانیت یا معنوی ہیئت ہے جس نے مادی صورت اختیار کر لی ہے

یہ سب تاویلیں رکیک ہیں اور واقعہ یہی ہوتا ہے کہ جن، مردہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس طرح کی چیزیں دیکھکر خیال کر لیتے ہیں کہ اُنھوں نے فرشتہ دیکھا ہے، حالانکہ وہ فرشتہ نہیں ہوتا کیونکہ فرشتوں اور جنوں میں بہت فرق ہے۔ جن، میں کفار و فساق، جاہل و عالم، متبع محمد (صلعم) اور متبع شیطان سب ہی قسم کے لوگ ہیں۔ وہ کبھی دکھائی بھی دیتے ہیں اور حقیقت نہ جاننے والے اُنھیں فرشتہ سمجھ لیتے ہیں۔

مشرکین پر ارواح کا نزول

اِسی طرح ستاروں اور بتوں کے پُجاریوں پر بھی ارواح کا نزول ہوتا ہے جنھیں وہ کواکب کی روحانیت یا فرشتوں کا نزول یقین کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جن و شیاطین ہی ہوتے ہیں، جو مشرکین کی گمراہی بڑھاتے رہتے ہیں۔

شیطان فساق کے مددگار بنجاتے ہیں

جو لوگ شرک، فسق، نافرمانی وغیرہ شیطانی افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، شیطان اُنکی مدد کرنے لگتے ہیں، چنانچہ کبھی غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں تاکہ یہ اوروں کو گمراہ کریں، کبھی اپنے بدچلن پیروؤں کے دشمنوں کو قتل کرتے یا ستاتے ہیں، کبھی آدمیوں کو اُنکے سامنے اُٹھا لاتے ہیں، اُن کیلئے چوری کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ بدکاریاں جنھیں دیکھکر جاہل متعجب ہوتے اور اِن شیطان پرستوں میں اولیاء اللہ کی کرامتیں یقین کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام شعبدے شیطان اُن کیلئے انجام دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو شیاطین ہوا میں دُور دراز ملکوں تک اُڑا لیجاتے ہیں، چنانچہ کبھی یوم عرفہ میں مکہ پہنچا دیتے اور اُسی دن لوٹا لاتے ہیں جسے کرامت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ کرامت نہیں، شیطانی فعل ہے۔ کیونکہ اگر وہ ولی ہوتے تو مکہ پہنچکر حج کرتے، مگر اُنھوں نے نہ حج کیا، نہ احرام باندھا، نہ طواف کیا، نہ اور مناسک پورے کئے، صرف گئے اور چلے آئے۔ پھر انمیں ایسے لوگ بھی ہیں جو بغیر عُمرہ کے طواف کعبہ کے

لئے مکہ میں داخل ہوجاتے ہیں، حالانکہ شریعت نے ضروری ٹھیرایا ہے کہ میقات پر پہنچ کے احرام باندھا جائے، حتی کہ اگر عبادت مقصود نہ ہو اور کسی دنیاوی غرض سے جانا ہو جب بھی احرام باندھنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور بغیر اسکے داخلہ روا نہیں۔

غرضکہ بت پرست مشرکوں، انکے ہم مشرب نصارٰی اور اِس امت کے مبتدع گروہوں میں اس طرح کے بہت سے قصے مشہور ہیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ہر وہ شخص جو مُردوں سے دعا مانگتا اور فریاد کرتا ہے عام اس سے کہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء، اُسکی گمراہی کی بنیاد میں اسی قسم کی کوئی نہ کوئی حکایت ہوتی ہے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو صالحین سے اُنکی عدم موجودگی میں دعا اور فریاد کرتے ہیں اگر اُن کا کوئی ہم شکل دیکھ لیتے ہیں جو اُن سے باتیں کرتا اور انکی بعض ضرورتیں پوری کر دیتا ہے تو یقین کر لیتے ہیں کہ مردہ یا غیر موجود بزرگ نے خطاب کیا اور حاجت برآری کی ہے۔ حالانکہ وہ جن و شیاطین ہوتے ہیں جو روپ بدل کر آتے ہیں، انھیں فرشتہ سمجھنا سخت غلطی ہے کیونکہ فرشتے مشرکین سے ساز باز نہیں رکھ سکتے، وہ صرف شیطان ہی ہیں جو راہِ راست سے گمراہ کرنے کیلئے اس قسم کی شعبدہ بازیاں کیا کرتے ہیں۔

خوارق وغیرہ کے دکھائی دینے کے منکر

اِس باب میں اہلِ جاہلیت دو قسم کے ہیں: ایک وہ ہیں جو سرے سے اسکی تکذیب کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اسے اولیاء اللہ کی کرامت یقین کرتے ہیں۔ تکذیب کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ دیکھنے والے کا وہم ہوتا ہے اور واقع میں کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اُن کا یہ خیال جب وہ مشرک و مبتدع سُنتے ہیں جو اِن باتوں کو خود دیکھ چکے یا معتبر آدمیوں سے سُن چکے ہیں تو اپنے اعتقاد و یقین میں اَور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ جاہل تکذیب کرنیوالے اگر خود کبھی اپنی آنکھ سے اس طرح کی کوئی بات دیکھ لیتے ہیں تو عجز و زاری کے ساتھ ایسے تصرفات رکھنے والے کے سامنے جُھک جاتے اور اُسے ولی اللہ یقین کر لیتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات اُسکی حقیقت جانتے ہوتے ہیں کہ وہ

نہ فرائض الٰہی ادا کرتا ہے حتیٰ کہ نماز تک نہیں پڑھتا اور نہ محرمات و فواحش وظلم سے پرہیز کرتا ہے، بلکہ اُس ایمان و تقویٰ سے بھی کوسوں دُور رہے جسے خدا نے اپنے اولیاء کا امتیازی نشان قرار دیا ہے :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ (١١ : ١٢)	خدا کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہونگے، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

تصرفات و کشف دیکھ کر ولی سمجھ لینے والوں کا حشر

اس طرح کے مکاشفات و تصرفات دیکھ کر ولی سمجھ لینے والے جاہلوں کا حشر یہ ہوتا ہے کہ اُلٹے پاؤں اسلام سے نکلجاتے اور ایسے شخص کو جو بے نمازی، رسُولوں کا منکر، بلکہ اُن کا عیب جو اور انھیں گالیاں دینے والا ہے، اعظم ترین اولیاء اللہ میں سے یقین کرنے لگتے ہیں، یا یہ ہوتا ہے کہ شک و بے اطمینانی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، ایک پاؤں اگر اسلام کی طرف اُٹھاتے ہیں تو دوسرا کفر میں دھنسا چلا جاتا ہے۔ اِس گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ولایت کو ایسی چیزوں سے پہچانتے ہیں جو اسکی علامتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر اس طرح کے تصرفات، ولایت کی علامت ہوتے تو کافر و مشرک، ساحر و کاہن بھی اپنے شیاطین کی مدد سے بعینہٖ یہی تصرفات بلکہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتے اور دکھاتے ہیں۔ خود قرآن میں ہے :

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ؕ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۔ (١٩ : ١٥)	تمہیں بتاؤں کس پر شیطان اُترتے ہیں ؟ ہر جھوٹے گنہگار پر اُترتے ہیں ۔

اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان

مگر ضرور ہے کہ انمیں جھوٹ اور شرع کی مخالفت موجود ہو، جسقدر یہ امر و نہیِ الٰہی سے دور ہونگے اُسی قدر اُنمیں گناہ اور خبث کی کثرت ہوگی۔ یہ شیطانی احوال و تصرفات اِسکے سوا کچھ نہیں کہ اُنکی گمراہی، شرک، بدعت، جہالت اور کفر کے نتائج بلکہ بدباطنی اور خبثِ نفس کے دلائل و علامات ہیں۔ گمراہ یقین کرتا ہے کہ یہ اُنکے ایمان و ولایت کے نتائج

ہیں، اُنکے تقدس و علوِّ درجات کی علامات ہیں، حالانکہ یہ یقین سراسر لاعلمی پر مبنی ہے۔ اِس طرح کی غلطی کا شکار وہی شخص ہو سکتا ہے جو اولیاءِ الرحمٰن اور اولیاءِ الشیطان کے اوصاف سے ناواقف ہے کہ جنکی تشریح ہم ایک مستقل رسالہ میں کر چکے ہیں، ورنہ معلوم ہوتا کہ یہ احوال و تصرّفات جنھیں اُسنے جہالت کی وجہ سے ولایت کی دلیل قرار دیدیا ہے، مسلمانوں سے کہیں زیادہ مشرکین و کفارِ اہلِ کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ولایت کی دلیل ہوتے تو اسکے بغیر کسی طرح نہ پائے جاتے کیونکہ دلیل وہی ہے جو مدلول کے ساتھ پائی جائے ورنہ دلیل نہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصرفات مشرکین و کفار میں بھی پائے جاتے ہیں، پس معلوم ہؤا وہ ولایت کیا ایمان کو بھی مستلزم نہیں اور اسلئے کسی حال میں بھی ولایت کی دلیل نہیں ہو سکتے۔

کراماتِ اولیاء

اولیاء اللہ صرف "مومنون متقون" ہی ہو سکتے ہیں، اُنکی کرامتیں اُن کے ایمان و تقویٰ کے ثمرات ہوتی ہیں نہ کہ شرک و بدعت و فسق کے کڑوے پھل۔ اکابر اولیاء اپنی کرامات کا استعمال صرف دین و امت کی بھلائی کیلئے کرتے ہیں، اور بعض مباحات میں بھی کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اپنی کرامت، عصیان و کفران میں صرف کرتا ہے وہ ظالم ہے، اپنے رب کا نافرمان ہے، اگرچہ اُسکی کرامت کا سرچشمہ ایمان و تقویٰ ہی کیوں نہ ہو۔ اِسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ مجاہد اللہ کی راہ میں جہاد شروع کرتا ہے، مگر جب غالب ہوتا اور مالِ غنیمت پاتا ہے تو شیطان کے پنجہ میں پڑ کر اِس حلال مال کو حرام میں صرف کرتا ہے، ظاہر ہے اُسکا یہ مال اُسپر وبال ہوگا حالانکہ اُسکا حصول ایک نہایت حلال و مقدس راہ سے ہؤا تھا۔ جب یہ حکم اُن کرامات کا ہے جنکی بنیاد ایمان و تقویٰ پر اور استعمال ناجائز امور میں ہے تو اُن تصرّفات و خوارق کا کیا حکم ہوگا جو کفر و فسق و عصیان کے گندے چشموں سے نکلتے اور اپنے ہی جیسے کفر و فسق و عصیان کے گندے چشموں میں بہ کر جاتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اِس راہ کے اکثر راہرو جادۂ اسلام سے بھٹک کر کفر و شرک کے تاریک غاروں میں گر جاتے

ہیں اور بدنصیبی و حرمان کی موت مرتے ہیں - اس بحث کیلئے یہاں اس سے زیادہ گنجائش نہیں -

پیروں کے قبر سے نکلنے کی حقیقت

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ مشرکین کی گمراہی کا ایک سب سے بڑا سبب وہ مشاہدات و مسموعات ہیں جو انھیں بتوں کے پاس سے حاصل ہوتے ہیں - چنانچہ جب کبھی دیکھتے ہیں کہ قبر پھٹی اور ایک پیرِ بزرگ باہر نکل آیا، معانقہ کیا یا گفتگو کی تو یقین کر لیتے ہیں کہ خود صاحب قبر ہے جو اپنی کرامت سے اس طرح باہر آگیا ہے - حالانکہ نہ قبر شق ہوئی نہ صاحب قبر نکلا، بلکہ جو کچھ ہؤا صرف یہ تھا کہ شیطان آیا اور اپنا شعبدہ دکھا کے گمراہ کر گیا - اسی طرح کبھی دکھائی دیتا ہے کہ دیوار پھٹی اور ایک آدمی نکل کے سامنے آگیا - یہ بھی محض شیطان کی بازیگری ہوتی ہے اور فی نفسہٖ کوئی اصلیت نہیں رکھتی -

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قبر سے نکلنے والا شخص دیکھنے والے سے کہتا ہے کہ ہم اپنی قبروں میں نہیں رہتے بلکہ دفن کے بعد ہی باہر نکل جاتے ہیں اور زندوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں - کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مردہ خود اپنے جنازہ کے ساتھ چلتا اور کاندھا دیتا نظر آتا ہے - وغیرہ وغیرہ مشاہدات جو گمراہوں اور دوسرے لوگوں میں مشہور ہیں - سننے والے اس طرح کی باتوں کی یا تو قطعی تکذیب کر دیتے ہیں اور یا انھیں اولیاء اللہ کی کرامات تصور کر لیتے ہیں کہ دکھائی دینے والا شخص خود صاحب قبر، نبی یا ولی تھا یا فرشتہ اسکی صورت میں ظاہر ہؤا ہے - یا یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ اُسکی روحانیت ہے یا ہمزاد ہے جو مُجسّم ہو کر ظاہر ہؤا ہے - اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ شخصِ واحد دو جگہ دکھائی دیتا ہے جس سے لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ ایک ہی جسم بیک وقت دو جگہ ہوتا ہے - حالانکہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ یہ شخص وہ مردہ نہیں ہے جسکی شکل میں دکھائی دے رہا ہے بلکہ شیطان ہے جو روپ بدل کر گمراہ کرنے آیا ہے[۱] -

---

[۱] شیخ الاسلام نے جنّوں اور شیطانوں کی بحث کو بہت طول دیا ہے - اِس طرح کے واقعات و خیالات

انبیاء و صالحین کو پکارنے والے مشرک ہیں

اِس تفصیل سے واضح ہُوا کہ انبیاء و صالحین کو اُنکی قبروں پر سے یا انکی غیر حاضری میں پکارنے والے لوگ اُن مشرکین کے زمرہ میں داخل ہیں جو غیر اللہ سے رجوع کرتے ہیں، ستاروں کو یا انبیاء و ملائکہ کو ارباباً من دون اللہ بناتے ہیں ۔ حالانکہ خدا نے فرما دیا ہے :

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

کسی بشر کی شان سے نہیں کہ خدا اُسے کتاب و حکمت و نبوت بخشے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑکر میرے بندے ہو جاؤ، لیکن (یہ کہیگا کہ) ربانی بنو اس لئے کہ تم کتاب (توراۃ) سکھاتے اور پڑھتے ہو، اور نہ اِس بات کا تمہیں حکم دیگا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا تمہیں مسلمان ہو چکنے کے بعد کفر کا حکم

نوٹ بقیہ صفحہ ۴۶ ۔ اُسی زمانہ میں زیادہ رواج پاتے ہیں جب قوم پست اور عملی زندگی سے سست ہو کر اوہام و خرافات کا شکار ہو جاتی ہے ۔ مسلمان جبتک جہانبانی و حکمرانی کی مشغول زندگی بسر کرتے رہے نہ جن دیکھتے تھے نہ شیطان، صدر اول میں اس قسم کے چرچے ہی نہ تھے، کیونکہ قوم اولوالعزم تھی اور اندرونی و بیرونی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھی، لیکن جب تنزل ہُوا، عملی زندگی کا خاتمہ ہُوا، تو اوہام و خرافات نے بھی سر اُٹھایا اور بتدریج پوری امت کو گھیر لیا ۔ ہم جنوں اور شیطانوں کے آدمیوں کی صورت میں ظاہر ہونیکو ممکن سمجھ سکتے ہیں، شاید کبھی ایسا ہُوا ہو اور اب بھی ہوتا ہو، مگر اتنا یقین سے جانتے ہیں کہ عملی آدمیوں کا کبھی جنوں اور شیطانوں سے ایسا سابقہ نہیں پڑتا جیسا اِن افسانوں میں بیان کیا گیا ہے ۔ ہاں سست، بیکار، غلط دماغی ریاضت کرنیوالے، مراقبہ میں بیٹھنے والے، عمل پڑھنے والے، چلہ کھینچنے والے اِس طرح کی باتیں دیکھنے اور بیان کرتے ہیں ۔ کیونکہ بے اعتدالی سے دماغی محنت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ دماغ بیمار اور جنون میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ جنون کی بہت سی قسمیں ہیں، اس طرح کی چیزیں دیکھنا بھی جنون کی ایک قسم ہے، جس سے بچنے کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جسم و دماغ ہمیشہ عملی کاموں میں مصروف رکھے جائیں اور سستی و بیکاری کو قریب نہ پھٹکنے دیا جائے ۔

وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ - (۳ : ۱۶)

دے گا -

اور فرمایا :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ، اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا - (۱۵ : ۶)

کہدے انھیں پکارو جنھیں تم خدا کے سوا خیال کئے بیٹھے ہو، وہ نہ تم سے مصیبت اٹھا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں، جنھیں یہ پکارتے ہیں (خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں، کونسا ان میں زیادہ نزدیک ہے اور اسکی رحمت کے امیدوار اور اسکے عذاب سے خائف ہیں ...... -

اور فرمایا :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ - (۲۲ : ۹)

کہدے کہ اُن لوگوں کو پکارو جو خدا کے علاوہ تمہارے خیال میں ہیں، وہ آسمانوں میں نہ زمین میں ایک ذرہ کی بھی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ شرکت رکھتے ہیں اور نہ انمیں سے کوئی خدا کا مددگار ہے، اسکے حضور اُسی کی شفاعت مفید ہوگی جسے وہ اجازت دیدے -

انبیاء و صالحین سے انکی زندگی اور بعد موت دعا کرانے کا فرق

اس قسم کی آیتیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں جنمیں ماسوی اللہ سے رجوع کرنے کی قطعاً ممانعت کی ہے عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء ہوں یا کوئی اور - کیونکہ یہ یا تو شرک ہے یا شرک کا ذریعہ ہے - بخلاف اسکے انبیاء و صالحین سے اُنکی زندگی میں دعا یا شفاعت کی درخواست کرنا مباح ہے کیونکہ شرک کی طرف نہیں لے جاتا - کسی نبیؑ یا

ولی کی اُسکی زندگی میں پرستش نہیں کیگئی، اسلئے کہ اُنھوں نے اِسے جائز نہیں رکھا اور ہمیشہ اسکا سدِباب کرتے رہے۔ اِسیطرح اُنکی عدم موجودگی میں اُنھیں پکارنا بھی ذریعۂ شرک ہے جیسا کہ واقع بھی ہو چکا ہے، اور یہ اسلئے کہ مردہ یا غیر موجود کسی کو شرک سے منع نہیں کر سکتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس سے قلبی وابستگی بڑھتے بڑھتے شرک تک پہنچا دیتی ہے، اُس سے دعائیں ہونے لگتی ہیں، اُسکی قبر یا بُت یا تصویر، دعاؤں اور منتوں کے پورا ہونیکی جگہ خیال کر لیجاتی ہے اور لوگ اُسکی زیارت کو موجب ثواب و برکت سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ مشرک اور اُن کے ہم مشرب کتابی کفار اور مبتدع مسلمانوں کا حال ہے۔

ملائکہ سے دعا کی التجا تحصیل حاصل ہے

پھر ملائکہ سے دعا کی التجا کرنا تحصیل حاصل ہے، کیونکہ وہ بغیر اسکے بھی مومنین کے لئے دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ، رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (۴۰: ۶)

جو عرش اُٹھائے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی ستائش کی تسبیح کرتے ہیں اور اسپر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اے رب تیری رحمت و علم ہر چیز کے لئے وسیع ہے، پس اُنھیں معاف کر جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ اختیار کی، اُنھیں جہنم کے عذاب سے بچا، اے رب اُنھیں جنّات عدن میں داخل کر کہ جن کا وعدہ تو نے ان سے کیا ہے اور اُن کے آباؤ اجداد اور اُن کی بیویوں میں سے جو صالح ہوں (اُنھیں بھی داخل کر) ...... اور اُنھیں برائیوں سے بچا اور جسے تو نے آج برائیوں سے بچا لیا اُس پر تیری رحمت ہو گئی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اور فرمایا:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۴۲ : ۵)	قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور ملائکہ اپنے رب کی ستائش کی تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، خدا ہی غفور ورحیم ہے۔

اسی طرح مروی ہے کہ نبی صلعم اور دوسرے انبیاء وصالحین بھی بغیر کسی کی التجا کے اپنے اُن خیارِ امت کیلئے دعاو شفاعت کرینگے جنکے بارے میں خدا اجازت دیدیگا۔

اگر ملائکہ کا پکارنا روا نہیں تو مرے ہوئے انبیاء و اولیاء کا پکارنا اور اُن سے دعاو شفاعت کی التجا کرنا بھی روا نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ خدا کے ہاں دعاو شفاعت کرینگے۔ اور یہ اسلئے کہ (۱) جسکے بارے میں خدا انھیں دعاو شفاعت کا حکم دیدیگا، وہ لامحالہ کرینگے چاہے درخواست کی جائے یا نہ کی جائے، اور جسکے بارے میں حکم نہ ہوگا کتنی ہی ناک رگڑی جائے ہرگز زبان نہ کھولینگے۔ بنابریں اُن سے درخواست کرنا فضول ہے۔ (۲) اور اسلئے کہ موت کے بعد انھیں پکارنا اور التجا کرنا، شرک تک لیجاتا ہے، لہٰذا اگر اسمیں کوئی مصلحت ہوتی بھی تو یہ شرک کی مضرت ایسی موجود ہے کہ اسکی وجہ سے ہر مصلحت چھوڑ دی جائیگی۔ لیکن یہاں تو سرے سے کوئی مصلحت موجود ہی نہیں کہ جسمیں بحث کی جائے۔ بنابریں اُن سے درخواست کرنا روا نہیں۔ رہا انکی زندگی اور موجودگی میں التجا کرنا تو روا ہے کیونکہ کوئی مضرت موجود نہیں بلکہ منفعت ہے، اور وہ یہ کہ خود انھیں اِس دارالعمل میں مخلوق کی خدمت و فائدہ رسانی کا ثواب حاصل ہوگا۔ رہی آخرت تو وہاں اُن کی شفاعت اُن کے لئے طرۂ امتیاز اور باعث صد عزت و افتخار ہوگی۔

مخلوق سے سوال اصل میں حرام، ضرورتاً مباح، اور توکل کی راہ سے اُسکا ترک

مخلوق سے سوال کی ممانعت

افضل ہے ۔ قرآن میں ہے :

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ "۔ (۳۰ : ۱۹)	جب فارغ ہو جاؤ تو محنت کرو اور اپنے رب ہی کیطرف رغبت کرو ۔

یعنی اللہ ہی کی طرف رجوع ہو کسی اور کی طرف نہ ہو ۔ اور فرمایا :

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ " (۱۰ : ۱۳)	اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے دیے ہوئے پر راضی ہو جاتے اور کہتے خدا ہمارے لئے کافی ہے ، خدا اپنے فضل سے اور اسکا رسول ہمیں (اور) دیگا ، ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں ۔

اسمیں عطا و بخشش کو اللہ اور رسول دونوں سے منسوب کیا ہے ، مگر کفایت کی نسبت صرف اپنے ہی لئے رکھی ہے اور حکم دیا ہے کہ کہیں : حَسْبُنَا اللَّهُ " (خدا ہمارے لئے کافی ہے) نہ یہ کہ : حسبنا اللہ ورسولہ " (خدا اور اسکا رسول ہمارے لئے کافی ہیں) ۔ پس رغبت و رجوع صرف اللہ ہی کی طرف ہونا چاہیے ۔ دوسری آیت میں ہے :

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۔ (۱۸ : ۱۳)	جس نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور پرہیز کیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں

اسمیں بھی اطاعت کو اللہ اور رسول دونوں میں عام رکھا ہے ، مگر خشیت و تقویٰ کو بلا شرکتِ رسول صرف خدا کیلئے مخصوص کیا ہے ۔ مشہور و معروف حدیث میں ہے کہ نبی صلعم نے ابن عباسؓ سے فرمایا : "یا غلام انی معلمك كلمات : احفظ الله يحفظك ، احفظ الله تجده تجاهك : تعرف الى الله فى الرخاء يعرفك فى الشدة ، اذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله ، جف القلم بما انت لاق ، ولو جهدت الخليقة على ان يضروك لم يضروك الا بشئ كتبه الله عليك ، فان استطعت ان تعمل لله

ایک جامع حدیث

بالرضاء مع الیقین فافعل، فان لم تستطع فان فی الصبر علی ما تکرہ خیرا کثیرا"۔ (اے لڑکے، میں تجھے چند بول سکھاتا ہوں: اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے محفوظ رکھیگا، اللہ کو یاد رکھ اُسے اپنے سامنے پائیگا، فراخی میں اپنے تئیں خدا کے سامنے پیش کر وہ سختی میں تجھے پہچانیگا جب سوال کر تو خدا سے سوال کر، جب مدد طلب کر تو خدا سے طلب کر، جو کچھ تجھپر بیتنے والی ہے اُسے لکھکر قلم خشک ہوگیا ہے، پس اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے نقصان پہنچائے تو نہیں پہنچا سکتی بجز اسکے جو خدا نے تجھ پر لکھدیا ہے، پس اگر تجھ سے ہو سکے کہ یقین کے ساتھ خوشی خوشی خدا ہی کیلئے عمل کرے تو کر اور اگر نہ ہوسکے تو شدت میں ثابت قدم رہنے میں بہت بہتری ہے)۔ مسند احمدؒ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ سے اگر چابک گر جاتا تو کسی سے نہ کہتے کہ اٹھادو، اور فرماتے "میرے یار نے منع کردیا ہے کہ لوگوں سے کچھ بھی سوال کروں"۔ صحیح مسلم میں عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے بیعت لی اور اُنکے کان میں کہا کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ عوفؓ کہتے ہیں انمیں سے بعض کو میں نے دیکھا کہ ہاتھ سے چابک گر جاتا تھا مگر کسی سے نہ کہتے تھے ذرا اُٹھا

سوال کی ممانعت

دو۔ صحیحین میں ہے کہ فرمایا: یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب (و قال) هم الذین لا یسترقون ولا یکتوون ولا یتطیرون وعلی ربهم یتوکلون" (میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونگے، وہ وہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، اپنے کو دغواتے نہیں، شگونِ بد کے قائل نہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں) اس حدیث میں اُن لوگونکی تعریف کی ہے جو پھونک نہیں ڈلواتے، جھاڑ پھونک بھی دعا کی ایک قسم ہے، یعنی دعا کی کسی سے خواہش نہیں کرتے۔ اس حدیث میں بعض راوی "یسترقون" کی جگہ "یرقون" (پھونک ڈالتے ہیں) روایت کرگئے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ خود اپنے لئے اور دوسروں کیلئے دعا کرنا نیکی ہے۔ خود نبی صلعم اپنے اور دوسروں کے حق میں دعا کیا کرتے تھے مگر کسی اَور سے دعا یا پھونک کی خواہش

جھاڑ پھونک کرانے کی ممانعت

نہ کرتے تھے۔ صرف آپ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء کا یہی حال تھا کہ صرف اللہ سے سوال و دعا کرتے تھے جیسا کہ خدا نے آدم و ابراہیم و موسیٰ وغیرہم (علیہم السلام) کے قصوں میں بیان فرمایا ہے۔ اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق میں رکھے گئے تو جبرئیل نے کہا: سوال کرو" اور انھوں نے جواب دیا: "حسبی من سوالی علمہ بحالی" (مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ میرا حال جانتا ہے) تو بالکل بے بنیاد ہے، بلکہ برعکس اسکے صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت براہیمؑ نے فرمایا تھا: "حسبی اللہ و نعم الوکیل" (مجھے اللہ ہی بس ہے اور وہی سب سے اچھا ساتھی ہے) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے یہ اُسوقت کہا جب آگ میں ڈالے گئے اور محمدؐ نے اُسوقت کہا جب لوگوں نے ڈرایا کہ: "اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ" (۴: ۹) (لوگوں نے تمہارے لئے جماؤ کیا ہے اُن سے ڈرو) البتہ امام احمدؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ سے جبرئیلؑ نے کہا آپ کچھ چاہتے ہیں؟ تو اُنھوں نے جواب دیا: "تم سے نہیں" رہا خدا سے اُنکا التجا کرنا تو قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہے جس کے بعد کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے کہا ہو: "حسبی من سوالی علمہ بحالی"

حضرت ابراہیمؑ کی دعا

اللہ سب کچھ جانتا ہے مگر باوجود اسکے اُسنے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس سے سوال و دعا کریں، اُسی پر بھروسہ رکھیں، اُسی کی عبادت کریں، کیونکہ اُس نے اِن چیزوں کو دعاؤں کی اجابت اور عبادتوں کی منظوری کا سبب بنا دیا ہے۔ علم الٰہی کا ازلی اور محیط ہونا، محتاجوں اور گنہگاروں کی حالت سے اُسکا بخوبی واقف ہونا اِسکے منافی نہیں کہ وہ ذات برتر گنہگاروں کو توبہ و استغفار، حاجتمندوں کو دعا و التجا اور سب بندوں کو عبادت و انابت کا حکم دے تاکہ اِن ذرائع سے گناہ دُھل جائیں، مرادیں پوری ہو جائیں، درجے بلند ہو جائیں۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ کو اُس بات کا حکم دیا جاتا ہے جو دعا سے

اللہ سے سوال و دعا کی حکمت

بھی افضل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: "من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین" (جسے میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے غافل کر دیا اُسے میں وہ بہتر سے بہتر دیتا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں) ترمذی میں ہے: "من شغلہ قراۃ القرآن عن ذکری و مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین" (جسے قرآن کی تلاوت نے میرے ذکر و سوال سے مشغول کر دیا اُسے وہ بہتر سے بہتر دیتا ہوں جو سوال کرنیوالوں کو دیتا ہوں)۔

عبادات بدنیہ میں سب سے افضل عبادت نماز ہے کہ جسمیں قرأۃ، ذکر، دعا سب کچھ موجود اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہے۔ چنانچہ قیام میں قرأۃ قرآن کا حکم ہے لیکن رکوع و سجود میں قرأت کی ممانعت ہے۔ نماز میں دعا کا حکم ہے جیسا کہ خود نبی صلعم آخر میں دعا مانگتے اور اسکا حکم دیتے تھے۔ سجدہ میں بھی دعا مستحسن بلکہ اسکا حکم دیا گیا ہے۔ نیز قیام و رکوع میں بھی دعا جائز ہے۔ اگرچہ قیام میں قرأۃ و ذکر دعا سے افضل ہے۔ غرض بندہ کا اپنے رب سے سوال کرنا مستحسن و مشروع ہے، خود حضرت ابراہیم خلیلؑ اور دوسرے انبیاء نے بھی سوال کیا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ، رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ، وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ

اے رب میں نے اپنی کچھ اولاد بے کھیتی کے مقام میں تیرے معزز گھر کے پاس آباد کی ہے تاکہ اے رب وہ نماز قائم کریں، سو لوگوں کے دل اُنکی طرف پھیر دے اور اُنھیں پیداوار سے روزی دے تاکہ شکر کریں، اے رب تو جانتا ہے جو ہم ظاہر کرتے اور جو چھپاتے ہیں، خدا سے کچھ بھی مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں، ستائش اُس خدا کے لئے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسمٰعیل و اسحٰق بخشے، میرا رب دعا سننے والا ہے

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ، رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

(۱۴ : ۱۸)

اے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے، اے رب میری دعا قبول کر، اے رب قیامت کے دن مجھے، میرے والدین کو اور مومنین کو بخشدے۔

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

(۱ : ۱۵)

جب ابراہیمؑ و اسمعیلؑ نے کعبہ کی بنیاد اٹھائی (تو دعا کی) اے رب (اسے) قبول کر........ اے رب ہم دونوں کو اپنا مطیع کر دے اور ہماری نسل سے اپنے لئے ایک مطیع جماعت بنائے، ہماری عبادتیں ہمیں دکھا، ہماری توبہ قبول کر........ اے رب اُن میں ایک رسول اُنھیں میں سے بھیج جو تیری آیتیں اُن پر تلاوت کرے، اُنھیں کتاب و حکمت سکھائے اور پاک کرے.......۔

مسلمانوں کی مسلمان کیلئے دعا

اِسی طرح مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کیلئے دعا کرنا بھی مستحسن اور شرعی حکم کے مطابق ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: مامن رجل یدعو لاخیه بظهر الغیب الا وکل الله به ملکا کلما دعا لاخیه بدعوة قال الملک الموکل آمین ولک بمثله" (جو آدمی بھی اپنے بھائی کیلئے دعا کرتا ہے تو اُس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے، جب وہ اپنے بھائی کیلئے دعا کرتا ہے فرشتہ کہتا ہے آمین اور تیرے لئے بھی اسی کی مانند)۔

علم کے لئے سوال جائز ہے

یہ تو خود خدا سے سوال و دعا کا معاملہ تھا، برخلاف اسکے مخلوق سے سوال و دعا کرنا ہے جسکی اجازت نہیں دی گئی۔ البتہ علم کے لئے سوال و التجا جائز بلکہ اسکا حکم دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۱۶ : ۱)	اہلِ ذکر (علم) سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔
فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (۱۱ : ۱۵)	اگر ہماری اتاری ہوئی باتوں میں سے کسی میں تجھے شک ہو تو اُن لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔
وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۔ (۲۵ : ۱۰)	اپنے پہلے کے رسولوں سے پوچھ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور معبود ٹھیرائے جنکی پوجا کی جائے؟

اور یہ اسلئے کہ علم کی اشاعت و تعمیم واجب ہے، اور جو کوئی سوال ہونے پر بھی اپنا علم چھپائے، قیامت کے دن اُسکے منہ میں آتشین لگام دی جائیگی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی دولت میں بُخل کرتا ہے جو خرچ کرنیسے کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔ نیز حقوق کا طلب کرنا، مال فیئ وغیرہ مشترک اموال میں اپنا حصہ طلب کرنا، وقف، میراث، وصیت میں حق مانگنا، ضیافت لینا، قرض کا مطالبہ کرنا ایسے سوال ہیں جو مباح ہیں۔ بعض سوال ایسے بھی ہوتے ہیں جنکی سائل کے لئے اجازت نہیں ہوتی مگر مسئول کو اُنکے پورا کرنیکا حکم ہوتا ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ " (۳۰ : ۱۸) (سائل کو نہ جھڑک) حدیث میں ہے کہ: ان احدکم لیسألنی المسألة فیخرج بها یتابطها نارا " (تم مجھ سے سوال کرتے ہو، پھر اُسے لیکر آگ بغل میں دابے نکلتے ہو) بعض سوال مکروہ اور حرام ہوتے ہیں مگر مسئول کیلئے اُنکے پورا کرنیکا حکم ہوتا ہے۔ نبی صلعم اپنے کمالِ اخلاق کی وجہ سے کسی سائل کو بھی مایوس نہ لوٹاتے تھے اگرچہ خود سائل کے لئے

اکابر صحابہ رضؓ رسول اللہ سے کبھی سوال نہ کرتے تھے

سوال جائز بھی نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضؓ اور دوسرے اکابر صحابہ رضؓ کبھی اپنے لئے آپ سے کوئی سوال حتیٰ کہ دعا کی بھی درخواست نہ کرتے تھے۔ البتہ مسلمانوں کے حق میں دعا کی التجا کرتے تھے، جیساکہ ایک جنگ کے موقع پر جب لوگوں نے سواریوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ، کل دشمن کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہوگا جب ہم بھوکے اور پیدل ہونگے؟ لیکن اگر آپ مناسب سمجھیں تو باقی ماندہ رسد جمع کریں اور خدا سے برکت کی دعا کریں، خدا آپ کی دعا سے ہمیں برکت دیگا" البتہ عام مسلمان اپنے حق میں بھی دعا کی درخواست کرتے تھے جیساکہ اندھے نے بینائی کے لئے درخواست کی اور اُمِّ سُلیم نے آپ کے خادم انس رضؓ کیلئے دعا چاہی اور ابو ہریرہ رضؓ نے دعا کی التجا کی کہ انھیں اور انکی ماں کو خدا مومنوں کی نظروں میں محبوب بنادے۔

حضرت صدیق رضؓ کا استغنا و توکل

حضرت صدیق رضؓ کے توکل و استغنا کا یہ حال تھا کہ خدا نے انکی اور اُن جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى، اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى، وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔ (۳۰: ۱۷)

البتہ اس (دوزخ) سے بچایا جائیگا زیادہ پرہیزگار جو اپنا مال پاک ہونے کو دیتا ہے، اسپر کسی کا احسان نہیں جسکا بدلہ دیا جائے، مگر (وہ احسان کرتا ہے) صرف اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی کے خیال سے، اور عنقریب وہ راضی ہوگا۔

صحاح میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "ان امن الناس علینا فی صحبتہ و ذات یدہ ابوبکر و لو کنت متخذا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا"، (اپنی دوستی اور مال میں ہم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابوبکر رضؓ ہے، اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضؓ کو خلیل بناتا) پس حضرت صدیق رضؓ سے زیادہ اپنے مال و جان سے احسان کرنیوالا اصحابہ رضؓ میں کوئی نہ تھا۔ حضرت صدیق رضؓ پہ کسی دنیاوی

مقصد یا کسی مخلوق سے معاوضہ کی اُمید پر نہ کرتے تھے بلکہ محض اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔ خود حضرت صدیق رضؓ پر کسی کا احسان نہ تھا جسکا بدلہ اتارتے، وہ اپنے مال و تجارت کی وجہ سے سب سے مستغنی تھے، صرف ایک رسول اللہؐ کا احسان تھا کہ ایمان و علم کی دولت انھیں مقدس ہاتھوں سے پہنچی تھی، مگر یہ ایک ایسا احسان تھا جسکا معاوضہ کسی طرح بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ انبیاء کے احسانات کا معاوضہ خدا پر ہے، بندے نہ اُسے ادا کرسکتے ہیں نہ ان سے اسکا مطالبہ ہی ہوتا ہے، جیساکہ فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ؕ (۱۴:۲۳)	کہدے میں تم سے کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ صرف خدا پر ہے۔

لیکن برخلاف حضرت صدیق رضؓ کے زیدؓ و علیؓ کا معاملہ ہے جنپر رسول اللہ کا ایسا احسان تھا جسکا دنیا میں معاوضہ ادا کیا جا سکتا ہے، زید غلام تھے، آپ نے آزاد کیا، علیؓ کی پرورش آپ کے گھر میں ہوئی، کیونکہ قحط پڑ گیا تھا اور ابوطالب کا بار ہلکا کرنے کیلئے علیؓ کو رسول اللہ نے اور جعفر کو عباسؓ نے لے لیا تھا۔ غرضکہ حضرت صدیق رضؓ اپنی دولت و دوستی میں سرور کائنات کے ساتھ سب سے اچھے تھے اور اپنا مال راہِ خدا میں ہمیشہ پانی کی طرح بہایا کرتے تھے۔ خود رسول اللہؐ کو اپنی ذات خاص کیلئے کسی کی بھی محتاجی نہ تھی، نہ ابوبکرؓ کی نہ کسی اور فرد بشر کی، چنانچہ جب ہجرت کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں، ایک آپ لے لیں تو صاف فرما دیا "لیکن قیمتاً"۔ غرض حضرت ابوبکرؓ صدیق سید الانبیاء کے سب سے بہتر دوست اور کمالِ ایمان و کمالِ استغنا و کمالِ توکل کی وجہ سے اپنے تمام کام خالصۃً لوجہ اللہ کرتے اور کسی مخلوق سے بھی عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء ہوں، کسی معاوضہ کی خواہش نہ رکھتے تھے۔

معاوضہ و بدلہ کی ایک صورت دعا بھی ہے، حدیث میں ہے: "من اسدی الیکم

معروفاً فکافئوہ فان لم تجدوا ما تکافئونہ بہ فادعوا لہ حتی تعلموا ان قد کافأتموہ" (جو کوئی تم پر کچھ احسان کرے تو اُسے معاوضہ دو، اگر معاوضہ نہ رکھتے ہو تو اُس کیلئے دعا کرو یہانتک کہ سمجھو معاوضہ کر چکے) حضرت عائشہ رض کا دستور تھا کہ جب کسی کو صدقہ بھیجتیں تو خادم سے کہدیتیں "سُننا وہ ہمارے لئے کیا دعا کرتا ہے تا کہ ہم بھی اُس کے لئے ویسی ہی دعا کر دیں اور صدقہ کا ثواب اللہ پر باقی رہے" اسی لئے بعض علماء سلف نے کہا ہے اگر سائل تم سے کہے "بارك الله فيك" تو تم بھی اُس سے کہہ دو "وفيك بارك الله" غرضکہ جو نیکی بھی کسی مخلوق سے کی جائے عام اس سے کہ وہ مخلوق نبی ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا غنی، خالصۃً لوجہ اللہ ہونی چاہیے اور اسکا معاوضہ کسی مخلوق سے بھی نہ طلب کرنا چاہیے اگرچہ وہ مخلوق نبی یا فرشتہ ہی کیوں نہ ہو - اور یہ اسلئے کہ خدا نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اُسی کی عبادت کریں اور عبادت کو اُسی کے لئے بے میل خالص رکھیں -

دعا بھی معاوضہ کی ایک صورت ہے

یہی وہ دین "اسلام" ہے جسے دیکر اللہ نے اپنے تمام اگلے پچھلے رسُول بھیجے اور جسکے علاوہ کوئی اور دین وہ کسی سے قبول نہیں کریگا :

خلوص عبادت اسلام ہے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ - (۳ : ۱۷)	جو کوئی "اسلام" کے علاوہ کسی دین کی پیروی کریگا تو اس سے یہ ہرگز مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا -

نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ تمام انبیاء (علیہم السلام) اور انکے سچے پیرو سب کے سب اسی اسلام پر تھے - نوح نے اعلان کیا تھا :

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ - (۱۱ : ۱۳)	مجھے حکم ملا ہے کہ مسلمان ہوں -

ابراہیم ع کی بابت فرمایا :

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا	ابراہیم ع کی ملت سے وہی منہ پھیرتا ہے جو بیوقوف

مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ، اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - (۱: ۱۶)

ہے، ہم نے اُسے دنیا میں امتیاز دیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہے، جب اُسکے رب نے اُس سے کہا فرمانبردار ہو اُس نے کہا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوگیا۔

پھر ابراہیمؑ و یعقوبؑ نے اپنی نسلوں کو اِسی دین کی وصیت کی :

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ - (۱: ۱۶)

ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اے میرے بچو خدا نے تمہارے لئے دین کو چن دیا ہے پس تم اسلام کی حالت ہی میں مرنا۔

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا :

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ - (۱۱: ۱۴)

اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔

ساحروں نے ایمان لانے کے بعد دعا کی تھی :

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ - (۹: ۴)

اے رب ہم پر صبر عطا کر اور ہمیں فرمانبرداری میں وفات دے۔

یوسفؑ کی مناجات ہے :

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ - (۱۳: ۵)

مجھے اطاعت کی حالت میں وفات دے اور صالحین میں سے کر دے۔

حواریین کے بارے میں فرمایا :

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ

جب میں نے حواریوں پر وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ تو اُنھوں نے کہا ہم ایمان لائے

اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔ (۷ : ۵) | اور گواہ ہو کہ ہم فرمانبردار ہیں ۔

اسلام دو بنیادوں پر ہے

دینِ فطرۃ اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے : اللہ واحد کی بلا شرکتِ غیر عبادت کرنا اور اُن طریقوں پر کرنا جو خود اُس نے مقرر کر دئے ہیں ۔ یعنی جن طریقوں کو انبیاءؑ نے واجب یا مستحب ٹھیرایا ہے اُنھیں پر خدا کی پرستش کرنا چاہیئے ۔ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء آئے اور عبادت کے مختلف طریقے لائے، جو سب اپنے اپنے زمانوں میں اسلام تھے، جب توراۃ قائم تھی، انجیل نافذ تھی تو اُس وقت اُنکی پابندی کرنے والے مسلمان تھے اِسی طرح جب اوائلِ اسلام میں نبی صلعم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو یہی اسلام تھا، پھر جب کعبہ کی طرف رخ کرنیکا حکم ہوا تو یہ اسلام ہو گیا اور اِسکے بعد بیت المقدس کی طرف منہ کرنا اسلام سے خروج قرار پایا ۔

پس نبی صلعم کی بعثت کے بعد جو کوئی شریعت محمدیہ کے واجبات و مستحبات کے بموجب خدا کی عبادت نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے ۔ پھر تمام واجبات و مستحبات میں ضروری ہے کہ خاص رب العالمین ہی کیلئے ہوں، فرمایا :

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۔ (۳۰ : ۲۳)

انھیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں خالص کر کے عبادت (سب سے) پھرے ہوئے اور زکوۃ دیں اور یہی قائم رہنے والوں کا دین ہے ۔ [handwritten additions: اسی کیلئے ; اور نماز قائم کر]

اور فرمایا :

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ، اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۔ (۲۳ : ۱۵)

ہم نے تجھ پر کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے پس اللہ کی عبادت کر خالص کر کے اُسی کیلئے عبادت، خبردار اسی کیلئے خالص عبادت ہے ۔

سب کچھ رضائے الٰہی کیلئے ہونا چاہئے

پس مسلمان جو بھی واجب یا مستحب عبادتیں کرتا ہے مثلاً ایمان، عباداتِ بدنیہ ومالیہ، محبتِ خدا ورسولؐ، بندوں سے نیکی، تو ان سب میں اُسے یہی حکم ہے کہ صرف رضاء الٰہی پیش نظر رکھے اور کسی مخلوق سے بھی کسی طرح کے معاوضہ کی خواہش نہ کرے، چاہے وہ معاوضہ مادی نفع کی صورت میں ہو یا دعا وغیرہ ہو، کیونکہ یہ خدا کو پسند نہیں۔

سوال کی مضرتیں

رہا مخلوق سے اسکے سوا سوال کرنا تو نہ واجب ہے نہ مستحب، بجز بعض موقعوں کے اور مسئول کو حکم ہے کہ سوال سے پہلے ہی دیدے۔ اگر مومنین کو مخلوق سے سوال کرنیکا حکم نہیں تو رسول اللہ صلعم بدرجۂ اولیٰ اس سے دور ہونگے جو کہ افضل خلق اور غیر اللہ سے سب سے زیادہ مستغنی ہیں، کیونکہ مخلوق سے سوال کرنے میں تین خرابیاں ہیں: غیر اللہ کی طرف احتیاج جو شرک کی قسم سے ہے، مسئول کی ایذا دہی جو ظلم خلق کی قسم سے ہے، غیر اللہ کے سامنے عاجزی اور یہ ظلم نفس کی قسم سے ہے۔ پس سوال میں تینوں قسم کے ظلم موجود ہیں، اور خدا نے اپنے رسُول کو اس سے پاک رکھا ہے۔

امت کی رسول اللہ کیلئے دعا

رہا امت کو خدا کا حکم کہ رسُول کے لئے دعا کریں تو یہ بھی منجملہ اُن حکموں کے ہیں جن سے خود امت کو نفع ہوتا ہے، مثلاً تمام واجب و مستحب عبادات و احکام کہ جو امت ہی کے نفع کیلئے ہیں، خدا کو اُن سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کی دعا سے رسول اللہ کو فائدہ ہوتا ہے مگر یہ ویسا ہی فائدہ ہے جیسا آپکی بتائی ہوئی دوسری عبادات و اعمالِ صالحہ پر مسلمانوں کے عمل سے آپکو ہوتا ہے، کیونکہ راہ راست دکھلانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اُس راہ پر چلنے والے کو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: من دعی الی ھدی

کان لہ من الاجر مثل اجور من اتبعہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئاً۔ (جس نے کسی ہدایت کی طرف دعوت دی تو اُسے اُن لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اُسپر چلتے ہیں بغیر اِسکے کہ اُن کے ثواب میں کچھ بھی کم ہو)۔ محمد صلعم ہی نے اپنی امت کو راہِ راست دکھائی ہے اسلئے امت کی تمام نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالح اپنے اعمال کا ثواب آپکو ہدیہ نہیں کرتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ بغیر ہدیہ کے بھی آپ کو انھیں کے برابر ثواب مل جاتا ہے ۔ لیکن والدین کی حالت یہ نہیں ہے انھیں اولاد کے تمام اعمال کا ثواب نہیں ملتا بلکہ ان کی دعا وغیرہ سے نفع حاصل ہوتا ہے جیساکہ حدیث صحیح میں ہے : اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث: صدقة جارية وعلم ينتفع به وولد صالح يدعوا له" (جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اسکا عمل منقطع ہوجاتا ہے بجز (اُسکی) تین چیزوں کے : جاری رہنے والا صدقہ، نفع بخش علم، اولادِ صالح جو اُس کے لئے دعا کرے)۔

پھر نبی صلعم نے امت سے دعا کی جو طلب کی ہے وہ حکم و ترغیب ہے، سوال نہیں ہے ۔ چنانچہ ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کریں اور خود خدا نے بھی ہمیں حکم دیا ہے : "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (۲۲ : ۴) (اُسپر درود پڑھو اور خوب سلام بھیجو) ۔ اسی طرح آپ نے حکم دیا ہے کہ آپکے لئے "وسیلہ" و "فضیلہ" و "مقام محمود" کی دعا کریں جیساکہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا : "اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلّوا علىّ فانه من صلى علىّ مرة صلى الله عليه عشرا ثم سلوا الله لى الوسيلة فانها درجة فى الجنة لا تنبغى الا لعبد من عباد الله وارجو ان اكون انا ذالك العبد فمن سأل الله لى الوسيلة حلت عليه شفاعتى يوم القيامة" (جب موذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، خدا اُس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، پھر میرے لئے "وسیلہ" طلب کرو، اور وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کے لئے سزاوار ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اُس کے لئے قیامت میں میری شفاعت حلال ہوگئی) صحیح بخاری میں جابر رضہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :

من قال حین سمع النداء: اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ،

آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودا

الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ "

(جس نے اذان سن کر کہا: اے خدا رب اس دعوت تامہ اور صلوٰۃ قائمہ کے، محمدؐ کو وسیلہ و فضیلہ و درجۂ رفیعہ دے اور اُسے مقام محمود میں اُٹھا کہ جس کا تو نے اُس سے وعدہ کیا ہے، تُو وعدہ خلاف نہیں کرتا، تو اُس کے لئے قیامت میں میری شفاعت حلال ہوگئی)۔

اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جو احمد و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے نبی صلعم سے عمرہ کی اجازت چاہی تو اجازت دی اور فرمایا: لا تنسنا یا اخی من دعائک " (بھائی! اپنی دعا سے ہمیں فراموش نہ کرنا) اس میں رسول اللہ صلعم نے حضرت عمر رضؓ سے دعا کی اسی طرح خواہش کی ہے جس طرح باقی امت سے اپنے لئے صلوٰۃ وسلام اور وسیلہ و فضیلہ و درجۂ رفیعہ کی طلب اور خود جملہ اعمال صالحہ کرنے کی خواہش کی ہے، جس سے مقصود خود دعا کرنے والے کا نفع اور اس پر احسان ہے اور خود آپکو بھی امت کو نیکی کی تعلیم و حکم سے اور مسلمانوں کے اعمال صالحہ و دعا سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی قبیل سے ایک شخص کا آپ سے یہ سوال بھی ہے کہ میں آپ پر بہت زیادہ درود پڑھتا ہوں، بتلائیے اس میں سے کس قدر آپ کو بخشا کروں؟ فرمایا " جتنا بھی چاہو " عرض کیا چوتھائی؟ فرمایا " جتنا چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے " عرض کیا تو نصف؟ فرمایا " جتنا چاہو، اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے " عرض کیا اچھا دو ثلث؟ فرمایا " جتنا چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے " اسی قبیل سے ایک شخص کا یہ سوال بھی ہے کہ میں آپکے لئے بہت دعا کرتا ہوں، بتلائیے کتنے درود پڑھا کروں؟

رسول اللہ کیلئے دعا کا نفع خود امت کو ہوتا ہے

فرمایا "جتنے چاہو" کہا ایک چوتھائی ؟ فرمایا "جتنے چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لئے بہتر ہے" عرض کی تو نصف ؟ فرمایا "جتنے چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لئے بہتر ہے" عرض کی اچھا دو ثلث ؟ فرمایا "جتنے بھی چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لئے بہتر ہے" کہا تو میں آپکے لئے اپنی پوری دعا کئے دیتا ہوں۔ فرمایا "تو تیری پریشانی دُور اور گناہ معاف ہونگے" (احمد و ترمذی)۔ یہ شخص دعا کیا کرتا تھا، جب اُس نے دعا کی جگہ درود کو دیدی تو اللہ نے اُسکی دنیا و آخرت کی پریشانیاں دُور کردیں۔ کیونکہ جو کوئی نبی صلعم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے خدا اُس پر دس مرتبہ درُود بھیجتا ہے۔ اگر کسی ایک مسلمان کے حق میں دعا کرنیکی یہ فضیلت ہے کہ فرشتے کہنے لگتے ہیں "آمین و لک بمثلہ" (آمین! اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو) تو نبی صلعم کے لئے دعا کا جو درجہ ہوگا، ظاہر ہے۔

کس طرح دعا چاہنا مطابق سنت ہے

اگر کوئی کسی سے کہے میرے لئے دعا کرو، اور نیت یہ ہو کہ خود دعا کرنے والے کو اپنی دعا سے نفع و ثواب ہو، نیز کہنے والے کو بھی اپنی اِس نیک تعلیم کا اجر ملے، تو ایسا شخص بلا شک نبی صلعم کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہے اور اُسکا یہ سوال کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن اگر نیت یہ نہ ہو، خود دعا کرنیوالے کے نفع کا خیال نہ ہو، محض اپنی غرض پیش نظر ہو، تو ایسا شخص اِس بارے میں نبی صلعم کے نقش قدم پر چلنے والا نہیں اور اُسکا یہ سوال ناپسندیدہ اور قابلِ اعتراض ہے۔ اللہ اور اُسکے رسول ؐ کی طرف رغبت کی وجہ سے ترکِ سوال اِس سے کہیں افضل ہے کہ مخلوق کی طرف رجوع و رغبت و حاجت ہو۔ لیکن زندوں سے اِس طرح کا سوال ممنوع نہیں، جائز ہے۔

سوال کیوں ممنوع ہے

برخلاف اِسکے میت سے سوال نہ مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب بلکہ مباح بھی نہیں، اِسے صحابہؓ و تابعینؒ میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا نہ سلف صالح میں سے کسی نے مستحب بتایا کیونکہ اِسمیں مضرت زیادہ ہے اور کوئی بڑی مصلحت نہیں۔ شریعت کا یہ عام

اصول ہے کہ وہ خالص یا راجح مصالح ہی کا حکم دیتی ہے' سوال میں کوئی بھی راجح مصلحت نہیں بلکہ وہ یا تو خالص مضرّت ہے یا راجح مضرّت' اور یہ دونو غیر مشروع ہیں -

یہ واضح ہو چکا کہ نبی صلعم کا دوسروں سے اپنے لیئے دعا چاہنا' اُنپر احسان کیلئے تھا جو واجب ہے یا مستحب - اِسی طرح جنازہ پر نماز اور قبورِ مومنین کی زیارت' اُن پر سلام اور اُن کیلئے دعا' مُردوں پر احسان کیلئے ہے جو واجب ہے یا مستحب - خدا نے مسلمانوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے - نماز دنیا و آخرت میں خدا کا حق ہے اور زکوٰۃ مخلوق کا حق ہے - رسول ؐ نے لوگوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں - اور اللہ کی عبادتوں میں ایک عبادت مخلوق پر احسان بھی ہی کیونکہ خدا نے اسکا حکم دیا ہے مثلاً نمازِ جنازہ اور زیارتِ قبور - لیکن شیطان نے اپنے پیروؤں کو گمراہ کر دیا ہے اور اِس نیکی کو خالق کے ساتھ شرک اور مخلوق کی ایذا دہی میں تبدیل کر دیا ہے کیونکہ جب وہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت محض اسلیئے کرتے ہیں کہ اُن سے سوال کریں یا اُن کے پاس سوال کریں یا یہ کہ اس زیارت سے اُنکا مقصود نماز جنازہ کی طرح مُردہ پر سلام و دعا نہیں ہوتا' تو اپنے اِس عمل میں مشرک ہوتے ہیں' جن سے سوال کرتے ہیں' اُنھیں تکلیف دیتے ہیں اور خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں - اس طرح تینوں قسموں کے ظلم جمع کر لیتے ہیں -

زیارتِ قبور مُردوں پر احسان کیلئے ہے

اللہ اور اُسکے رسول ؐ نے جو مقرّر کیا ہے وہ توحید ہے' عدل ہے' احسان ہے' اخلاص ہے' بندوں کیلیئے دنیا و عقبیٰ میں صلاح و فلاح ہے - اور اللہ اور اُسکے رسول ؐ نے من گھڑت عبادتوں میں سے جو مقرّر نہیں کیا اُسمیں شرک ہے' ظلم ہے' ایذا ہے' بندوں کیلیئے دنیا و عقبیٰ میں فساد و خسران ہے - چنانچہ خدا نے مومنین کو اپنی عبادت اور اپنے بندوں سے نیک سلوک کا حکم دیا ہے - فرمایا :

خدا نے کس چیز کا حکم دیا ہے

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى (۴ : ۵)	خدا کی پرستش کرو، اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ، والدین اور رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو۔

مکارمِ اخلاق

یہی مکارمِ اخلاق ہیں کیونکہ خدا مکارمِ اخلاق پسند کرتا ہے اور بُرے اخلاق ناپسند کرتا ہے۔ نبی صلعم نے فرمایا: "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"[لہ] (میں اِسلئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق پُورے کروں) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: "الید العلیا خیر من الید السفلی" (بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے) اور فرمایا: "الید العلیا ھی المعطیۃ والید السفلی السائلۃ" (بلند ہاتھ' دینے والا ہاتھ ہے اور پست ہاتھ مانگنے والا ہے)۔ کہاں یہ طریقۂ محمدی' بندوں پر احسان' اور کہاں سوال کرکے مخلوق کی ایذا دہی اور دریُوزہ گری؟ کہاں صرف ایک اکیلے خدا کی طرف رجوع' رغبت' امید' توکّل کے ذریعہ سے توحیدِ خالص کا نمونہ بننا' اور کہاں مخلوق کی طرف رجوع' رغبت' امید' اعتماد' اور غیر اللہ سے خدا کی سی محبت کرکے خالق کے ساتھ شرک کرنا؟

انسان کی بھلائی کس چیز میں ہے اور بُرائی کس میں ہے؟

کہاں اللہ کی غلامی' اُسی کے آگے زاری' اُسی کی محتاجی' اور کہاں مخلوق کی غلامی' اُس کے آگے زاری' اُسکی محتاجی؟ دونوں کب برابر ہوسکتے ہیں؟ رسول اللہ صلعم نے اِن تینوں محمود و مستحسن باتوں کا حکم دیا ہے جو دنیا و آخرت میں انسان کی بھلائی اور بہتری کی ذمہ دار ہیں اور اِن تینوں ذلیل و فاسد باتوں سے منع کیا ہے جو انسان کو پستی و خواری کی طرف دھکیلتی ہیں۔ لیکن شیطان' رسُول کی راہ سے بھٹکاتا اور کجروی کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ	کیا اے بنی آدم ہم نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجو (کیونکہ) وہ تمہارا علانیہ دشمن ہے

[لہ] رواہ الحاکم فی صحیحہ۔

مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۔ (۲۳ : ۳)

اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے، البتہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کیا، کیا تم نہیں سمجھتے ۔

اور فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۔ (۱۴ : ۳)

میرے بندوں پر تجھے کچھ بھی اختیار نہیں، بجز ان کے جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کریں ۔

اور فرمایا:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَي الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۔ (۱۴ : ۱۹)

جب قرآن پڑھو تو مردود شیطان سے خدا کی پناہ مانگو۔ اُسے اُن پر ذرا بھی قدرت نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اسکا اختیار صرف اُن لوگوں پر ہے جو اُس سے دوستی رکھتے اور اسکے ساتھ شرک کرتے ہیں ۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔ (۲۵ : ۱۰)

جو کوئی رحمٰن کی یاد سے اعراض اختیار کرتا ہے ہم اُس کیلئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اسکا ہمنشین ہوتا ہے، البتہ وہ انھیں سیدھی راہ سے بند کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں ۔

رحمٰن کا ذکر وہی ہے جو اللہ نے اپنے رسول ؐ پر اُتارا ہے ۔ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ

ہمیں نے ذکر اُتارا ہے اور ہمیں اسکے نگہبان

لَحَافِظُوْنَ - (۱۴ ۱۰)

ہیں۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ
هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی، وَمَنْ
اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی،
قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ
بَصِیْرًا، قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا
فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی۔

(۱۶ : ۱۶)

تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے گی
جو اس ہدایت پر چلیگا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بدبختی
میں پڑیگا، اور جو میرے ذکر سے منہ پھیریگا
اُسکی معیشت ضرور تنگ ہوگی اور ہم اُسے
قیامت میں اندھا اُٹھائینگے، وہ کہیگا اے
رب، تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ
میں آنکھوں والا تھا؟ جواب ملیگا ہاں جس
طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں اور تو
اُنھیں بھول گیا اُسیطرح آج تو بھی بھلا دیا جائیگا

اور فرمایا:

الٓمٓصٓ، كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ
فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ
وَذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ، اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ
اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ
دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ، قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔

(۸ : ۸)

کتاب کہ تیری طرف اتاری گئی ہے، تیرے دل
میں اس سے تنگی نہ ہو تاکہ تو اُس سے ڈرائے (اور
تاکہ وہ ہو) نصیحت مومنین کیلئے، اُسکی پیروی کرو
جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے اُتارا
گیا ہے اور اسکے سوا اور مددگاروں کی پیروی
نہ کرو۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ
اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ، اللّٰهِ الَّذِیْ
لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ،

کتاب جسے ہم نے تیری طرف اُتارا ہے تاکہ تو
لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں، ان کے رب
کے حکم سے عزیز حمید کی سیدھی راہ کی طرف نکال
لائے، اللہ وہی ہے جسکا وہ سب کچھ ہے جو

وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ - (۱۴ : ۱۴)

آسمانوں اور زمین میں ہے، اور کافروں کے لئے سخت عذاب سے ہلاکت ہے۔

وَكَذَٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ - (۲۵ : ۶)

اسی طرح ہم نے تیری جانب اپنے معاملہ میں سے ایک روح پوشیدہ بھیجی، تو نہ جانتا تھا کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اُسے نور بنا دیا ہے تاکہ اسکے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہیں ہدایت کریں۔ تو البتہ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی اللہ کی راہ کیطرف کہ جسکا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے، ہاں اُسی کی طرف سب کچھ پھر جاتا ہے۔

صراطِ مستقیم وہی ہے جسپر خدا نے اپنے رسول ؐ کو بھیجا - پس وہی کیا جائے جسکا اُس نے حکم دیا ہے اور اُسے چھوڑا جائے جس سے اُس نے منع کیا ہے، اُسکے رسول ؐ کی جملہ باتوں میں تصدیق کی جائے - یہی صراطِ مستقیم ہے، یہی اولیاء اللہ المتقون کا راستہ ہے، یہی حزب اللہ المفلحون کا طریقہ ہے، یہی جُندُ اللہ الغالبون کا دستور العمل ہے - جو اِس کے خلاف ہے گمراہی ہے، ضلالت ہے، گمراہوں کا راستہ ہے، خاسروں کی راہ ہے، جس سے اللہ نے اپنے نبیؐ کو الگ رکھا ہے :

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ، (۲۷ : ۵)

قسم تارے کی جب ڈوبے، تمہارا ساتھی نہ بہک گیا ہے اور نہ راہ سے پھرا ہے، وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، (وہ جو کچھ بولتا ہے) وہ صرف وحی ہے جو اُس پر آتی ہے۔

خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنی نمازوں میں کہیں :

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ‌» (سورہ فاتحہ)

ہمیں سیدھی راہ دکھا اُن کی راہ جن پر تو نے احسان کیا نہ وہ جن پر غضب ہوا ہے اور نہ گمراہ -

یہود و نصاریٰ کی مشابہت

ترمذی وغیرہ نے عدی بن حاتم رضؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا یہود، مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضالون ہیں - سفیان بن عیینہ رضؓ کا قول ہے کہ سلف کہتے تھے "ہمارے عالموں میں سے جو بگڑ جائے اُسمیں یہودیوں کی خو بو ہے اور ہمارے عابدوں میں سے جو بہک جائے اُسمیں عیسائیوں کی خو بو ہے!" علماءِ سلف امت کو ڈرایا کرتے تھے کہ "فاجر عالم اور جاہل عابد کے فتنہ سے بچو کیونکہ اِن کا فتنہ ہر کمزور کیلئے فتنہ ہے!"

فاجر عالم اور جاہل عابد

جس نے حق جانا اور جاننے کے بعد اُس پر عمل نہ کیا وہ یہود کے مشابہ ہے جنکے بارے میں خدا نے فرمایا:

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ - (۱ : ۵)

لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے تئیں بھلا دیتے ہو، حالانکہ تم توراۃ پڑھتے ہو -

اور جس نے بغیر علم، مگر غلو و شرک کے ساتھ عبادت کی وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے جن کے بارے میں خدا نے فرمایا:

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ غَيۡرَ الۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ - (۲ : ۱۴)

اے اہل کتاب، اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے خود گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں -

پہلے اصحاب غیّ ہیں اور دوسرے اصحاب ضلالت - غیّ، نفس کی پیروی ہے اور ضلالت عدم ہوئیٰ[۱] - فرمایا!

---

[۱] اصل میں ایسطرح ہے، عبارت میں تحریف ہوگئی ہے، قرینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید "ھدیٰ" ہو -

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ، وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ، اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ، ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

(۹ : ۱۲)

ان پر اُس شخص کا قصہ پڑھ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دیں مگر وہ اُن سے نکل گیا پس شیطان اُسکے پیچھے لگا اور وہ گمراہوں میں سے ہوگیا، اور اگر ہم چاہتے تو اُسے نشانیوں کے ساتھ بلند کرتے لیکن وہ زمین کی طرف لگ گیا اور اپنی خواہش کا پیرو ہوا، پس اسکی مثال کتے کی مثال ہے جسپر اگر بوجھ رکھو تو زبان [illegible] اگر اسے چھوڑ دو تو زبان لٹکا دے، یہ مثال اُس قوم کی ہے جسنے ہماری نشانیاں جھٹلا دیں، پس انھیں قصے سنا شاید وہ سوچیں۔

اور فرمایا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا، وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا، وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ (۹ : ۷)

میں اپنی نشانیوں سے عنقریب اُن لوگوں کو پھیر دونگا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، وہ اگر سب نشانیاں دیکھیں تب بھی ایمان نہ لائیں، اور اگر بھلائی کی راہ دیکھیں تو اُسے اپنی راہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اُسے راہ بنالیں، یہ اسلئے کہ انھوں نے ہماری نشانیاں جھٹلا دیں اور اُن سے غافل رہے۔

پس جسمیں غیّ وضلالت دونوں جمع ہوگئے وہ یہود و نصاریٰ دونوں کے مشابہ ہوگیا۔ خدا سے دعا ہے کہ ہمیں اور ہمارے سب بھائیوں کو اُس راہ کی طرف لیجائے جو انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی راہ ہے! (آمین)۔

باب (۲)

لفظ "وسیلہ" کے مختلف استعمال

اِس تفصیل سے واضح ہوا کہ لفظ "وسیلہ" میں اجمال واشتباہ ہے، اُسکے معانی کا سمجھنا اور ہر معنی کو اُسکی جگہ میں رکھنا ضروری ہے۔ کتاب وسنت میں اُسکا استعمال ہُوا ہے تو کن معانی میں ہُوا ہے؟ صحابہؓ نے اُسے بولا ہے، اُسپر عمل کیا ہے تو کونسے معنی مراد لئے ہیں؟ بعد کے لوگوں نے اُسے اپنی زبانوں سے نکالا ہی تو کیا معنی مراد لئے ہیں؟ اِن سب کا فرق جاننا بسا ضروری ہے۔ اِس باب میں لوگوں کو زیادہ تر بدحواسی صرف الفاظ کے اجمال واشتراک اور معانی کے عدم ضبط کی وجہ سے ہوئی ہے اور حق گم ہو کر رہ گیا ہے۔

"وسیلہ" قرآن میں

قرآن میں لفظ "وسیلہ" دو آیتوں میں وارد ہے :

(۱) يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ "الْوَسِيْلَةَ"۔ (۶ : ۱۰)

اے وہ جو ایمان لائے، خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

(۲) قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ "الْوَسِيْلَةَ" اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ، اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔

کہدے اُنھیں پکارو جنھیں تم خدا کے علاوہ خیال کئے بیٹھے ہو، وہ تم سے نہ مصیبت اُٹھا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ جنھیں یہ پکارتے ہیں (خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کونسا اُنمیں سے زیادہ نزدیک ہے اور اسکی رحمت کی امید کرتے اور اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرے رب کا

(۱۵ : ۶) | عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

پس اللہ کی طرف جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے اور جسکے متعلق خبر آرہی ہے کہ ملائکہ وانبیاء چاہتے ہیں، وہ وہی واجبات ومستحبات کے ذریعہ سے اُس ذات برتر سے تقرّب ہے۔ پس یہ وسیلہ کی جسکی جستجو کا خدا نے مومنین کو حکم دیا ہے تمام واجبات ومستحبات کو شامل ہے، اور جو واجب ومستحب نہیں وہ اِسمیں داخل بھی نہیں عام اس سے کہ حرام ہو، مکروہ ہو یا مباح ہو، کیونکہ واجبات ومستحبات ہی وہ چیزیں ہیں جنکا رسولؐ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ حکم دیا ہے اور اِن سب کی بنیاد اُس شریعت پر ایمان کو قرار دیا ہے جسے رسول اللہ صلعم لائے۔ بنابریں وہ وسیلہ جسکے چاہنے کا خدا نے حکم دیا ہے تمامتر یہی ہے کہ رسوؐل کی پیروی کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے، اِسکے سوا خدا تک کسی کیلئے کوئی اور وسیلہ نہیں۔

"وسیلہ" حدیث میں

لفظ "وسیلہ" احادیث میں آیا ہے مثلاً فرمایا: سلوا اللہ لی "الوسیلة" فانها درجة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ذلك العبد فمن سأل اللہ لی "الوسیلة" حلت علیه شفاعتی یوم القیامة، (میرے لئے "وسیلہ" طلب کرو اور وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کیلئے سزاوار ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لئے "وسیلہ" طلب کیا، اسکے لئے قیامت میں میری شفاعت حلال ہوگئی۔)

اور فرمایا: من قال حین یسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة، آت محمدًا "الوسیلة" والفضیلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته انك لا تخلف المیعاد، حلت له الشفاعة، (جس نے اذان سُنکر کہا: اے خدا، اِس دعوت تامہ وصلوٰۃ قائمہ کے رب! محمدؐ کو "وسیلہ" فضیلہ دے اور اُس مقام محمود میں اُسے اُٹھا جسکا تو نے اُس سے وعدہ کیا ہے، تو وعدہ خلاف نہیں کرتا، تو اُس کیلئے میری شفاعت

روا ہوگئی) یہ وسیلہ خاص نبی صلعم کیلئے ہے اور آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کیلئے اُسکی دعا کریں اور خبر دی ہے کہ وسیلہ اللہ کے بندوں میں صرف ایک ہی بندہ کیلئے ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ وہ بندہ آپ ہی ہوں - نیز بشارت دی ہے کہ جو کوئی آپ کیلئے یہ وسیلہ طلب کریگا قیامت کے دن اُس کیلئے آپکی شفاعت ہوگی، کیونکہ ثواب عمل کی جنس سے ہوتا ہے، ہم رسول اللہ کیلئے دعا کرینگے تو آپ بھی ہمارے لئے دعا کرینگے، شفاعت بھی دعا کی قسم سے ہے، جیساکہ فرمایا جس نے مجھپر ایک دفعہ درود بھیجا خدا اُسپر دس دفعہ درود بھیجیگا -

وسیلہ کلام صحابہؓ میں

صحابہؓ کے کلام میں لفظ " وسیلہ " آیا ہے تو اس سے اُنکی مراد نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے -

وسیلہ بعد کے لوگوں کے کلام میں

رہے بعد کے لوگ تو انمیں سے اکثر کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خدا کو رسول اللہ کی قسم دلائیں یا آپ کی ذات سے وسیلہ چاہیں جیساکہ دوسرے انبیا و صالحین کے ساتھ کرتے ہیں -

بنا بریں لفظ وسیلہ کے تین مفہوم ہوگئے جنمیں سے دو باتفاق اہل اسلام صحیح ہیں اور تیسرا سنت میں کہیں وارد نہیں - پہلے دو صحیح معنی میں اوّل تو ایمان و اسلام کی بنیاد ہے، یعنی نبی صلعم کے ایمان و اطاعت کے ذریعہ سے وسیلہ چاہنا - اور دوسرا معنی آپکی دعا و شفاعت ہے جیساکہ مذکور ہوا - وسیلہ کی یہ دونوں صورتیں بلا نزاع جائز ہیں، اور اسی قبیل سے حضرت عمرؓ کا استسقا کے موقعہ پر یہ قول ہے : اللھم

"وسیلہ" کے کون معنی درست ہیں

انا کنا اذا اجدبنا توسلنا الیک بنبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا " (اے خدا جب ہم قحط میں پڑتے تھے تو تیرے پاس اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے، اب ہم تیرے پاس اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں ہمیں سیراب کر) یعنی عباسؓ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتے ہیں - رہی آیت : وَابْتَغُوْٓا

اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ" (اُسکی طرف وسیلہ چاہو) تو اُس سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ذریعہ سے تقرب چاہو، نیز اللہ کے رسوؐل کی اطاعت کو وسیلہ بناؤ کیونکہ رسوؐل کی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہے - فرمایا:

وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ" (۵ : ۸)	جس نے رسوؐل کی اطاعت کی، اُس نے خدا کی اطاعت کی۔

پس وسیلہ کی پہلی صورت دین کی جڑ ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی اُسکا انکار نہیں کرسکتا - رہا آپ کی دعا و شفاعت کے ذریعہ سے وسیلہ، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے، تو یاد رہے وہ آپکی دعا سے وسیلہ ہے نہ آپؐ کی ذات سے - اِسی لئے وفات کے بعد آپ سے وسیلہ چاہنے کے بجاے آپ کے چچا عباسؓ کا وسیلہ چاہا گیا، ورنہ اگر آپ کی ذات سے وسیلہ جائز ہوتا تو ظاہر ہے آپ عباسؓ کے وسیلہ سے کہیں اولیٰ تھے - لیکن جب صحابہؓ نے وفات کے بعد آپ کا نہیں، عباسؓ کا وسیلہ چاہا تو معلوم ہؤا کہ یہ چیز (دعا) جو آپ کی زندگی میں ہوتی تھی وصال کے بعد ناممکن ہوگئی، بخلاف اُس وسیلہ کے جو آپ کے ایمان و اطاعت کے ذریعہ سے ہے تو وہ ہمیشہ مشروع و موجود و مطلوب ہے۔

پس "وسیلہ" سے تین معنی مراد لئے جاتے ہیں - پہلا یعنی آپ کی اطاعت سے وسیلہ، تو وہ فرض ہے اور اُسکے بغیر ایمان پُورا نہیں ہوسکتا - دوسرا وسیلہ: آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ ہے جو آپکی زندگی میں تھا اور قیامت کے دن ہوگا - اور تیسرا وسیلہ: خدا کو آپکی قسم دلانا اور آپ کی ذات بیچ میں رکھکر سوال کرنا ہے، تو اِسے صحابہؓ نے کبھی نہیں کیا، نہ استسقا میں نہ کسی اَور موقعہ پر، نہ آپکی زندگی میں نہ وفات کے بعد، نہ آپکی قبر پر نہ کسی اَور کی قبر پر، اور نہ اُنکی مشہور دعاؤں میں یہ کہیں وارد ہے - البتہ ضعیف، مرفوع و موقوف حدیثوں میں یا ایسے لوگوں سے یہ منقول ہے جو کسی طرح بھی حجت نہیں جیسا

وسیلہ کے آخری معنی درست نہیں

کہ انشاءاللہ آیندہ مذکور ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ اور انکے اصحاب کا مذہب

یہی امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کا مذہب ہے کہ اس طرح کا وسیلہ بنانا جائز نہیں، بلکہ اس سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی مخلوق کی بھی ذات کو درمیان میں ڈالکر سوال کرنا یا کہنا "اے خدا میں تیرے انبیاء کے حق کا تجھے واسطہ دیتا ہوں ....." جائز نہیں جیساکہ ابُوالحسینؒ قدوری نے اپنی کتاب شرح الکرخی میں ذکر کیا ہے۔ بشر الولید نے ابویوسفؒ سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہؒ ہم سے کہا کرتے "کسی کیلئے خدا سے بجز اُسکی ذات کے حوالہ سے دعا روا نہیں، میں دعا میں "بحق خلقك" کہنا ناپسند کرتا ہوں" اور یہی قول ابویوسفؒ کا بھی ہے، وہ کہتے ہیں "میں دعا میں "بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك و بحق البیت الحرام و بمشعر الحرام" (فلاں کے حق سے یا تیرے نبیوں اور رسولوں کے حق سے اور خانہ کعبہ اور مشعر حرام کے حق سے) کہنا ناپسند کرتا ہوں"۔ قدوری کا قول ہے "خدا سے اُسکی مخلوق کا واسطہ دیکر سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں"۔ ابوحنیفہؒ اور اُنکے اصحاب کے اِس قول (یعنی مخلوق کے ذریعہ دعا جائز نہیں) کے دو معنی ہیں جنمیں سے ایک پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ مخلوق کی قسم کھائے یا دلائے، پس اگر کسی مخلوق کیلئے یہ روا نہیں تو خالق کو مخلوق کی قسم دلانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ لیکن خود خدا کا اپنی مخلوق کی قسم کھانا اِس سے مختلف ہے جیساکہ قرآن میں متعدد جگہ خدا نے رات، دن، آفتاب، ستاروں وغیرہ کی قسم کھائی ہے کیونکہ اس سے مقصود اُن نشانیوں کی یاددہانی ہے جو اُسکی قدرت و حکمت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ برخلاف اِسکے مخلوق کا مخلوق کی قسم کھانا خالق کے ساتھ شرک ہے جیساکہ کتب سنن میں مروی ہے کہ فرمایا: "من حلف بغیر اللہ فقد اشرك[۱]" (جس نے غیراللہ کی قسم

---

[۱] صححه الترمذی وغیرہ۔

کھائی، اُسنے شرک کیا) ایک روایت میں " فقد اشرك " کے بجائے " فقد کفر "[۱] ہے۔
صحیحین میں ہے کہ فرمایا : " من کان حالفا فلیحلف باللہ " (جسے قسم کھانا ہے خدا کی
قسم کھائے) اور فرمایا : " لا تحلفوا بآبائکم فان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم "
(اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہ کھاؤ کیونکہ خدا تمہیں اپنے آباد اجداد کی قسم کھانیسے منع کرتا ہے)
اور فرمایا : " من حلف باللات والعزی فلیقل لا الہ الا اللہ " (جس نے لاتؔ و عزیٰ
بُت ہیں) کی قسم کھائی تو لا الٰہ الا اللہ کہے) تمام مسلمان متفق ہیں کہ جسنے محترم مخلوقات
(حقیقت میں یا بزعم خود) مثلاً عرش، کرسی، کعبہ، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی ﷺ،
ملائکہ، صالحین، بادشاہوں، مجاہدین کی تلواروں، انبیاء و صالحین کی قبروں، .....
کی قسم کھائی، نہ اُسکی قسم واقع ہوئی نہ اُسپر کوئی کفارہ ہے۔

مخلوقات کی قسم کھانا جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ یہی ابو حنیفہؒ کا مذہب
ہے اور یہی مذہب شافعیؒ و احمدؒ میں ایک قول ہے اور اِسی پر صحابہؓ کا اجماع بیان کیا
جاتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے،
حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے :
" لان احلف باللہ کاذبا احب الی ان احلف بغیر اللہ صادقا " (خدا کی جھوٹی قسم
کھانا میں اپنے لئے غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے بہتر سمجھتا ہوں) اور یہ اس لئے کہ
غیر اللہ کی قسم شرک ہے اور شرک جھوٹ سے کہیں بڑھکر ہے۔ ہاں انبیاء کی قسم کھانے
میں نزاع[۲] ضرور ہے، چنانچہ امام احمدؒ سے اِس باب میں دو قول مروی ہیں : ایک یہ

مخلوق کی قسم

اکابر صحابہ کا مذہب

---

[۱] صححہ الحاکم۔

[۲] نزاع اس میں نہیں ہے کہ انبیاء کی قسم کھانا جائز ہے یا نا جائز کیونکہ اس کے عدم جواز پر سب متفق ہیں، بلکہ نزاع اسمیں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھالی تو اُسپر کفارہ ہے یا نہیں؟ شیخ الاسلام کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ نہیں ہے، اور یہی حق ہے، کیونکہ جب قسم ہی نہ ہوئی تو کفارہ کیونکر واجب ہوگا؟

کہ سرے سے قسم کا وقوع ہی نہ ہوگا جیسا کہ جمہور علماء: مالکؒ و ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کا مسلک ہے۔ اور دوسرا یہ کہ قسم واقع ہو جائیگی۔ اصحاب احمدؒ میں سے ایک گروہ مثل قاضی اور انکے اتباع کا یہی مسلک ہے اور ابن المنذرؒ نے بھی انکی موافقت کی ہے۔ پھر انمیں بھی زیادہ تر اختلاف خاص نبی صلعم کی قسم کے بارے میں ہے اور ابن عقیلؒ نے اُسے تمام انبیاءؑ میں عام کر دیا ہے۔ مخلوق کی قسم میں کفارہ واجب بتانا اگرچہ وہ مخلوق نبی ہی کیوں نہ ہو ایک نہایت ہی کمزور اور اصول و نصوص کے مخالف قول ہے۔ پس خدا کو رسولؐ کی قسم دلانا اور قسم دلانے کے معنی میں آپکے ذریعہ سے اُس سے سوال کرنا اسی جنس سے ہے۔

دوسری بحث

رہا مخلوق سے سوال تو دیکھنا چاہیے جملہ میں (بـ[1]) کس قسم کی ہے: سبب کی ہے یا قسم کی؟ اور دونوں میں فرق ہے، کیونکہ نبی صلعم نے قسم پوری کرنیکا حکم دیا ہے، اور صحیحین میں آپ سے مروی ہے کہ فرمایا: "ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ" (خدا کے ایسے بھی بندے ہیں جو اگر اُسے قسم دلائیں تو وہ اُسے پوری کر دیتا ہے) یہ اُسوقت فرمایا تھا جب انسؓ بن النضر کی ایک رشتہ دار عورت کا دانت توڑا جانے لگا۔ انسؓ نے کہا "کیا ربیع کا دانت توڑا جائیگا؟ نہیں قسم ہے اُسکی جس نے آپکو حق کے ساتھ بھیجا اُسکا دانت نہیں توڑا جائیگا!" آپ نے جواب دیا: "انس! کتاب اللہ قصاص ہے" مگر خدا نے ایسا کیا کہ دانت توڑنے کی نوبت نہ آئی اور مدعی نے سمجھوتہ کر لیا۔

خدا کو قسم دلانا

اسپر آپ نے فرمایا: "ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ" اور فرمایا: "رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ" (کتنے ہی اُلجھے ہوئے بالوں والے، غبار آلود، دربدر ٹھوکریں کھانیوالے ایسے ہیں کہ اگر خدا کو قسم دلائیں تو خدا انکی قسم پوری کر دے) اور فرمایا: "الا اخبرکم باھل الجنۃ" کل ضعیف متضعف

---

[1] عربی میں (ب) کئی معانی کے اظہار کیلئے آتی ہے۔ لفظ سوال کے ساتھ جب (ب) کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے بھی کئی معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً قسم اور سبب، قرینہ معنی کو متعین کرتا ہے۔ (مترجم)

لو اقسم علی اللہ لا برہ' الا اخبرکم باھل النار؛ کل عتل جواظ مستکبر" (کیا تمھیں جنتیوں کی خبر دوں؟ ہر کمزور منکسر جو اگر خدا کو قسم دلائے تو خدا اُسکی قسم پوری کردے؛ کیا تمھیں دوزخیوں کی خبر دوں؟ ہر پیٹو، اکڑنے والا متکبر) حدیث لو اقسم علی اللہ کے آخر میں اتنا اور روایت کیا جاتا ہے: ومنھم البراء بن مالک" (انہیں سے براء بن مالکؓ ہے) براءؓ، انس بن مالکؓ کے بھائی تھے، اُنکی حالت یہ تھی کہ جب جنگ سخت ہو جاتی تو مسلمان اُن سے کہتے براء، اپنے رب کو قسم دلاؤ، چنانچہ وہ قسم دلاتے اور کفار کے پاؤں اُکھڑ جاتے۔ "سوس" میں یہی ہوا، لڑائی سخت تھی، مسلمانوں نے قسم کی فرمائش کی، اُنھوں نے خدا کو پکارا: یارب اقسمت علیک لما منحتنا اکتافھم وجعلتنی اوّل شھید" (اے رب، میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ ہمیں اُن پر قابو دیدے اور مجھے پہلا شہید کردے) چنانچہ یہی ہوا، دشمن کو شکست ہوئی اور انھیں شہادت ملی! براءؓ وہ شخص ہیں جنھوں نے تن تنہا بلا شرکت غیرے گن کے سو کافر قتل کئے تھے۔ جنگِ مسیلمہ میں انھیں ڈھال پر رکھ کر قلعہ میں اُچھال دیا گیا تھا اور اُنھوں نے تنہا جاکر پھاٹک کھول دئے تھے!

کسی کو قسم دلانا یہ ہے کہ کہے تمھیں قسم ہے ایسا کرو۔ لیکن اگر وہ نہ کرے تو عامۂ فقہاء کے نزدیک کفارہ قسم دلانے والے پر ہے نہ جسے قسم دلائی گئی، بالکل اُسی طرح جس طرح اپنے غلام یا لڑکے یا دوست کے بارے میں خود قسم کھا کے کہے کہ اُسے یہ کرنا ہوگا، اور وہ نہ کرے تو کفارہ خود اُسی پر ہے۔ لیکن اس طرح کہنا کہ خدا کیلئے یہ کرو، تو یہ سوال ہے قسم نہیں۔ حدیث میں ہے: من سألکم باللہ فاعطوہ" (جو خدا کا حوالہ دیکر تم سے مانگے اُسے دیدو) اور اگر سوال پورا نہ کیا جائے تو کفارہ نہیں، کیونکہ جملہ مخلوق مومن و کافر سبھی خدا سے سوال کرتے ہیں جسے وہ کبھی منظور بھی کر لیتا ہے۔ کبھی کفار کا سوال پورا کر دیتا ہے اور مومن کا نہیں کرتا، وہ رزق مانگتے ہیں تو دیتا

ہے، پانی مانگتے ہیں تو برساتا ہے، مصیبت سے چیختے ہیں تو اُٹھا لیتا ہے۔ مگر جو لوگ اُسے قسم دلاتے اور وہ اُنکی قسم پوری کر دیتا ہے تو وہ خاص لوگ ہوتے ہیں، ہر کس و ناکس کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

خدا سے سوال کا طریقہ

پس خدا سے ایسا سوال جیسے کوئی کہے: اسألك بان لك الحمد، انت الله المنان، بدیع السموات والارض، یا ذا الجلال والاکرام، واسألك بانك انت الله الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد، واسألك بكل اسم هو لك سمیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغیب عندك" (چونکہ اے ذوالجلال والاکرام تیرے لئے تمام ستائش ہے، تو احسان کرنیوالا خدا ہے، آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، اسلئے تجھ سے سوال کرتا ہوں، چونکہ تو ہی اللہ احد صمد ہے جس نے نہ جنا ہے اور جو نہ جنا گیا اور جس کی کوئی برابری نہیں کرسکتا، اسلئے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ میں تیرے ہر اُس نام کے حوالہ سے سوال کرتا ہوں جو تیرا ہے جسے تو نے اپنا نام قرار دیا ہے یا جسے اپنی کتاب میں اُتارا ہے یا اپنی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے پاس علم غیب میں محفوظ رکھا ہے) تو یہ خدا سے اُسکے اسماء و صفات کے حوالہ سے سوال ہے، قسم دلانا نہیں۔ کیونکہ اُسکے افعال اُس کے اسماء و صفات کے مقتضیات ہیں، مثلاً اُسکی بخشش اور رحم، اُسکے غفور اور رحیم نام کا مقتضی ہے، اور عفو اُسکے نام عُفُوٌّ کا مقتضی ہے۔ اسلئے جب حضرت عائشہ رضہ نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ اگر لیلۃ القدر پاجاؤں تو کیا دعا کروں؟ فرمایا کہیو: "اللّٰهم انك عفو تحب العفو فاعف عنی" (اے خدا تیرا نام "عُفُوٌّ" ہے، تو عفو کو پسند کرتا ہے، پس مجھے معاف کر) اِسی طرح اُسکی ہدایت اُسکے نام "ہادی" کا مقتضی ہے، چنانچہ احمد بن حنبل رضہ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے ایک شخص کو یہ دعا بتائی: یا دلیل الحیاری، دلنی علی طریق الصادقین واجعلنی من عبادك الصالحین"

(اے بھولے بھٹکوں کے رہنما! صالحین کا راستہ مجھے دکھا اور اپنے نیک بندوں میں سے مجھے کر دے) اسی طرح خدا اپنے بندوں کے ساتھ جتنی بھلائی کرتا ہے وہ اُس کے نام رب کا مقتضی ہے۔ اسی بنا پر دعا میں "اے رب، اے رب" کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔ (۷ : ۸)

اے "رب" ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور رحم نہ کریگا تو ہم نقصان والوں میں سے ہونگے۔

اور نوح (علیہ السّلام) نے کہا:

رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (۱۲ : ۴)

اے "رب" میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی بات طلب کروں جسکا مجھے علم نہیں، اگر تو مجھے معاف نہ کریگا اور رحم نہ کریگا تو میں نقصان پانیوالوں میں سے ہونگا۔

اور ابراہیم (علیہ السّلام) نے کہا:

رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ الخ (۱۳ : ۱۸)

اے "رب" میں نے اپنی نسل بے کھیتی کی وادی میں بسائی ہے الخ

خدا کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیئے؟

امام مالکؒ اور اصحاب ابوحنیفہؒ میں سے ابن ابی عمران وغیرہ نے دعا میں خدا کو "یا سیّدی، یا سیّدی" سے مخاطب کرنا مکروہ بتایا ہے اور کہا ہے پیغمبروں کی طرح "اسے رب، اے رب" کہکر دعا مانگا کرو۔ اسماءِ الٰہی میں "الحیّ القیّوم" جملہ اسماء و صفات کے اصولی معانی کو محیط ہے جیسا کہ کسی اور جگہ اسپر مفصّل بحث گزر چکی ہے۔ اسی لئے نبی صلعم جب دعا میں بہت الحاح کرتے تو خدا کو "الحیّ القیّوم" سے خطاب فرماتے تھے۔

دعا کیونکر قبول ہوتی ہے؟

پس جب کسی سے سوال کیا جاتا ہے اور "ب" سبب کی ہوتی ہے تو سوال ایسے سبب کے ساتھ ہوتا ہے جو وجود مسئول کو مقتضی ہے۔ مثلاً اگر سائل کہتا ہے: اسألك بان لك الحمد انت الله المنان الخ" (اس بنا پر تجھ سے مانگتا ہوں کہ تیرے لئے ہر طرح کی ستائش ہے اور تو ہی اللہ احسان کرنیوالا ہے) تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ "منان" (احسان کرنیوالا) ہونے کی وجہ سے اُسے اپنے سائل بندہ پر احسان کرنا اور "محمود" ہونے کی بنا پر اُسے وہی کرنا چاہیئے جسپر اسکی حمد و ثنا کی جائے۔ اور یہ معلوم ہے کہ بندہ کی حمد و ثنا اُسکی دعا کے مستجاب ہونے کا سبب ہے، اسی لئے مصلی کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ: "سمع الله لمن حمده" جسکے معنی ہیں خدا نے اُسکی دعا قبول کرلی جسنے اُسکی حمد کی۔ یہاں "سماع" اجابت و قبول کے معنی میں ہے جیساکہ حدیث میں وارد ہے: اعوذ بك من علم لا ینفع و من قلب لا یخشع و من نفس لا تشبع و من دعاء لا یسمع"، (تیری پناہ اُس علم سے جو نفع نہ پہنچائے، اُس قلب سے جسمیں خشوع نہ ہو، اُس نفس سے جو سیر نہ ہو، اُس دعا سے جو قبول نہ ہو) اور جیساکہ قرآن میں ہے:

(۱) اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (۱۴ : ۱۸)	میرا رب دعا قبول کرنے والا ہے۔
(۲) وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ۔ (۱۰ : ۱۴)	تم میں اُنکی ماننے والے ہیں۔

اسی لئے مصلی کو حکم دیا گیا ہے کہ حمد و ثنا کے بعد دعا کرے۔ نبی صلعم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے اور بغیر اللہ کی حمد اور اُسکے رسول پر درود کے دعا کرتے دیکھا تو فرمایا اِس نے جلدی کی، پھر اُسے بُلاکر فرمایا: اذا صلی احدکم فلیبدأ بحمد الله و الثناء علیه ولیصل علی النبی صلی الله علیه وسلم ولیدع بما شاء[1]" (جب نماز پڑھو تو اللہ کی حمد و ثنا سے شروع کرو، اُسکے نبیؐ پر درود بھیجو، پھر جو چاہو دعا کرو) عبداللہ بن مسعود رضؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ صلعم

[1] اخرجہ ابوداؤد والترمذی وصححہ۔

تشریف فرما تھے، ابوبکرؓ و عمرؓ ساتھ تھے، جب میں بیٹھا تو پہلے اللہ کی حمد کی پھر اُسکے نبیؐ پر درود بھیجا پھر اپنے حق میں دعا مانگی، اسپر نبی صلعم نے فرمایا: سَلْ تُعْطَہ[۵۱] (مانگ، دیا جائیگا) پس لفظ سمع کے معنی ادراکِ صوت اور معرفتِ معنی بھی ہیں، اور فہم کے ساتھ قبول و اجابت بھی۔ قرآن میں ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ (۹ : ۱۷)	اگر خدا ان میں کچھ بھی بھلائی جانتا تو انھیں سناتا۔

پھر فرمایا: لَوْ أَسْمَعَهُمْ " یعنی اگر انکی اس موجودہ حالت میں انھیں سُنائے بھی تو وہ حق کو قبول نہ کرینگے بلکہ " لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ "[۵۲] (روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے) پس انکی مذمت کی ہے کہ قرآن نہیں سمجھتے اور اگر سمجھیں تو عمل نہیں کرتے۔

اگر سائل کہے: " اسألك بالله " تو معنی ہونگے کہ مسئول کے ایمان باللہ کے حوالہ سے سوال کرتا ہے جو سوال کے پورا ہونے کا ایک سبب ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مخلوق پر احسان کو پسند کرتا ہے خصوصًا اگر سوال ظلم روکنے کیلئے ہو تو اُسکی نظر میں اَور بھی زیادہ مستحسن ہے کیونکہ وہ عدل کا حکم دیتا اور ظلم سے منع کرتا ہے، اور اُسکا حکم وہ سب سے بڑی چیز ہے جسے یاد دلاکر فاعل کو فعل پر آمادہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ حکمِ الٰہی سے بڑھکر اَور کونسا سبب ہوگا جو مسبب کا موجود کرنیوالا ہو؟

ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے نماز کیلئے جانے والوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی: " اسألك بحق السائلين عليك وبحق ممشاي هذا فاني لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا رياء ولا سمعة ولكن خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك "[۵۳]

---

۵۱ اخرجہ الترمذی وحسنہ۔ ۵۲ (۹ : ۱۷)

۵۳ رواہ احمد وابن ماجہ۔

خدا پر سائلوں کا حق

(تجھ پر سائلوں کے حق اور اپنی اِس چال کے حق کے حوالہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں غرور، گھمنڈ، ریاکاری اور دکھاوے کی غرض سے نہیں بلکہ تیرے غصّہ سے بچنے اور تیری خوشی حاصل کرنے کی غرض سے نکلا ہوں) اس سے معلوم ہُوا کہ خود خدا اپنے سائلوں کے حق کی وجہ سے اُن کا سوال پُورا کرتا اور اپنے پرستاروں کی عبادت کے سبب انھیں ثواب دیتا ہے اور یہ ایک ایسا حق ہے جو اُس نے خود اپنے ذمّہ لیا ہے۔ اسی طرح ایمان و عمل صالح کے واسطہ سے سوال ہوتا ہے جسے اُس نے اجابتِ دعا کا سبب بنا دیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ (۴۲:۲۵)

جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے خدا اُن کی دعا قبول کرتا اور اپنا مزید فضل دیتا ہے۔

اسی طرح اُس کے وعدہ کے حوالہ سے سوال ہوتا ہے کیونکہ اسکے وعدہ کا اقتضا یہی ہے کہ پُورا ہو۔ مومنین کی دعا میں ہے:

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (۴:۱۱)

اے ہمارے رب! ہم نے پکارنے والے کی پکار سنی جو ہمیں ایمان کیلئے پکارتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، اے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخشدے، ہماری بُرائیاں معاف کر دے، اور ہمیں اچھوں کے ساتھ وفات دے۔

اور فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ۔ (۱۸:۶)

میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب، ہم ایمان لائے، پس ہمیں معاف کر، رحم کر، تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

اِسی سے مشابہ یوم بدر میں رسول اللہ صلعم کی دعا ہے: اَللّٰھم انجزلی ما

وعدتنی" (اے خدا اپنا وہ وعدہ پورا کر جو تونے مجھ سے کیا ہے) اسیطرح توراۃ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر خفا ہو گیا تو حضرت موسیٰؑ اپنے رب کو ابراہیمؑ کے وعدے یاد دلا کر دعا کرنے لگے۔

اعمالِ صالحہ کے واسطہ سے سوال کی ایک مثال اُن تینوں شخصوں کا سوال ہے جنھوں نے غار[۱] میں پناہ لی تھی۔ چنانچہ اُنمیں سے ہر ایک نے اپنے اُس عملِ عظیم کے حوالہ سے دعا کی جو خالصتہً لوجہ اللہ کیا تھا: ایک نے والدین کی اطاعت کا حوالہ دیا، دوسرے نے اپنی کامل عفت کا ذکر کیا، تیسرے نے اپنی امانت و احسان کا واسطہ دیا۔ اور یہ اُنھوں نے ٹھیک کیا کیونکہ خدا اس قسم کے اعمال سے محبت اور ایسی محبت کرتا ہے جسکا مقتضی یہی ہے کہ سائل کا سوال پورا ہو۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سحر کے وقت دعا کیا کرتے تھے: "اللھم امرتنی فاطعتك ودعوتنی فاجبتك و هذا سحر فاغفرلی" (الٰہی! تیرے حکم کی میں نے اطاعت کی، تیری دعوت پر لبیک کہی، یہ سحر کا وقت ہے، مجھے بخشدے) اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ صفا پر دعا کرتے تھے: "اللھم انك قلت و قولك الحق ادعونی استجب لکم، وانك لا تخلف المیعاد" (خدایا تونے کہا اور تیرا کہنا حق ہے کہ مجھے پکارو، سنونگا، اور تو اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا)۔

اس سے واضح ہوا کہ سائل کا کہنا: "اسألك بکذا" دو معنی رکھتا ہے، کبھی "ب" قسم کیلئے ہوتی ہے اور کبھی سبب کیلئے، کبھی اُس سے خدا کو قسم دلائی جاتی ہے اور کبھی اُسکے حوالہ سے سوال کیا جاتا ہے۔ اِن دونوں معنی میں پہلا معنی یعنی مخلوقات کی قسم دلانا، تو جب وہ خود مخلوق کے حق میں جائز نہیں تو خدا کے حق میں کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ رہا دوسرا معنی، یعنی کسی محترم چیز کے حوالہ سے سوال، مثلاً انبیاء کے حق کا واسطہ

اعمالِ صالحہ کے واسطہ سے دعا

---

[۱] سورہ کہف میں قصہ موجود ہے۔

دیگر سوال، تو اسکے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے اور ابو حنیفہؒ اور اُنکے اصحاب کی رائے اوپر گزر چکی کہ جائز نہیں۔

کسی کی جاہ و عزت کے حوالہ سے سوال

بنا بریں اگر خدا سے اس طرح سوال کیا جائے کہ "اے خدا تیرے ملائکہ و انبیاء و صالحین میں سے فلاں فلاں کے حق، عزت، حرمت کا تجھے واسطہ دیتا ہوں"، تو معنی یہ ہونگے کہ ان لوگوں کی خدا کے ہاں عزت و حرمت ہے، اور یہ صحیح ہے کہ خدا نے اُنھیں جو عزت و حرمت دی ہے وہ اُنکے رفع درجات و علوِ مقام اور اُنکی شفاعت مقبول ہونے کا ذریعہ ہے۔ حالانکہ خدا نے اسکے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے:

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ (۲:۳) | اُسکے حضور بغیر اسکی اجازت کے کون سفارش کریگا۔

نیز اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ ایسے اخیار کی اُن امور میں پیروی کرینگے جنمیں پیروی مشروع ہے تو وہ بھی سعادت یاب ہونگے۔ مگر خیال رہے کہ محض انکی قدر و منزلت اور عزت و حرمت کے حوالہ سے لازم نہیں کہ سائل کی دعا پوری ہو جائے۔ البتہ یہ چیز اُسوقت مفید ہوگی جب اُنکی لائی ہوئی ہدایت کی اطاعت و اتباع کیا جائے، نیز اُنکی دعا و شفاعت بھی مفید ہوگی اگر وہ دعا و شفاعت کریں۔ لیکن اگر خدانخواستہ اطاعت و اتباع موجود نہ ہو تو اُنکی عزت و حرمت کے حوالہ سے دعا کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ کیونکہ اِس صورت میں یہ چیز ایک اجنبی اور غیر متعلق چیز ہوگی اجابتِ دعا کا سبب نہ ہوگی۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی بادشاہ سے کہا جائے کہ "فلاں شخص تیرا حد درجہ مطیع ہے، تو اُسکی اطاعت کی وجہ سے اُس سے محبت کرتا ہے، اُسکی اطاعت کی وجہ سے تیری نظر میں جو اُسکی عزت ہے، میں تجھے اُسکا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ سوال پورا کر دے" تو یہ ایک ایسا سوال ہوگا جو ایک غیر متعلق چیز کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ اِسیطرح خدا کا اپنے مقربین پر احسان، اُن سے اُسکی محبت، اُنکی اطاعت و عبادت، اِنمیں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جسکا حوالہ سوال کے پورا

ہونے کا سبب بن سکے، کیونکہ دعا یا تو خود سائل کی طرف سے کسی سبب کی وجہ سے پوری ہوگی مثلاً یہ کہ ان مقربین کا مطیع ہو، یا خود ان مقربوں کی طرف سے کوئی سبب موجود ہو مثلاً یہ کہ اُسکے حق میں سفارش کریں۔ اور جب نہ یہ نہ وہ کوئی سبب بھی موجود نہ ہو تو پھر دعا کیسے مقبول ہوگی؟

دعا قبول ہونیکا سب سے بڑا سبب

ہاں اگر سائل محمد صلعم پر اپنے ایمان، آپکی محبت واطاعت واتباع کا حوالہ دے کر سوال کرے تو بلاشبہ یہ دعا ایک بڑے سبب پر مبنی ہوگی جو اجابت دعا کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ سب سے بڑا سبب اور سب سے بڑا وسیلہ ہے جو دعا کے قبول ہونے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ مگر نبی صلعم نے صاف فرمادیا ہے کہ آخرت میں آپکی شفاعت صرف موحدین کیلئے ہوگی مشرکین کیلئے نہ ہوگی۔ نیز خاص طور پر اُن لوگوں کیلئے ہوگی جو آپ کیلئے "وسیلہ" کی دعا کرینگے جیساکہ صحیح بخاری میں ہے: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ مرۃ صلی اللہ علیہ عشرا ثم سلوا اللہ لی "الوسیلۃ" فانہا درجۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ہو ذلک العبد، فمن سأل اللہ لی الوسیلۃ حلت علیہ شفاعتی یوم القیامۃ"۔ (جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجیگا خدا اُسپر دس مرتبہ درود بھیجیگا، پھر میرے لئے "وسیلہ" طلب کرو، کیونکہ وہ جنت میں ایک درجہ ہے اور خدا کے بندوں میں سے صرف ایک ہی کیلئے سزاوار ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں، جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی قیامت میں اُس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی) نیز صحیح بخاری میں ہے کہ ابوہریرہ رض نے سوال کیا "قیامت میں آپکی شفاعت سے سب سے زیادہ شادکام کون ہوگا؟ فرمایا: من قال لا الہ الا اللہ خالصًا من قلبہ" (جس نے لا الہ الا اللہ خلوص قلب سے کہا) اِسمیں آپنے پوری طرح واضح کردیا کہ آپکی شفاعت

کے سب سے زیادہ حقدار وہ ہونگے جو سب سے زیادہ توحید و اخلاص کے مالک ہونگے۔ کیونکہ
یہی دین کی بنیاد ہے، خدا شرک کو معاف نہیں کرنے کا اور جو کچھ اس سے کم ہے اُسے
جسکے حق میں چاہیگا معاف کر دیگا، اُسکے حضور میں بغیر اُسکی اجازت کے کوئی شفاعت
نہ کرسکیگا، جب محمد صلعم شفاعت کیلئے بڑھینگے تو خدا آپ کے لئے ایک حد مقرّر کر
دیگا اور اُس حد کے اندر کے سب لوگونکو جنّت میں داخل کر دیگا، اور یہ اُنکے قلوب
کی توحید و ایمان کے اعتبار سے ہوگا۔ نبی صلعم نے صاف کر دیا ہے کہ جو کوئی آپکے
لئے "وسیلہ" کی دعا کریگا قیامت میں آپکی شفاعت اُس کیلئے ہوگی۔ یعنی آپکی شفاعت
آپ کی لائی ہوئی توحید و ایمان کے اتباع اور آپ کے لئے اُس دعا کی بنا پر شامل
حال ہوگی جسکا آپ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

کیا خدا پر مخلوق کا حق ہے؟

کسی کے حق کے حوالہ سے سوال دو مسئلوں پر مبنی ہے: ایک یہ کہ کیا خدا پر
کسی کا کوئی حق ہے؟ اور دوسرے یہ کہ کیا جاہ و حرمت کی طرح اس حق کی بنا پر بھی سوال
درست ہے؟ پہلے مسئلہ میں معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہاں جسطرح خالق کا مخلوق پر حق ہے
اُسی طرح مخلوق کا بھی خالق پر حق ہے۔ برخلاف اُنکے جہمیّہ و اشعریّہ وغیرہ فرقے جو اہلِ
سنّت ہونیکے مدّعی ہیں کہتے ہیں کہ مخلوق کا خالق پر کسی حال میں بھی کوئی حق نہیں لیکن
وہ اپنے وعدہ اور فرمان کے بموجب عمل ضرور کرتا ہے۔ ایک تیسری جماعت بھی ہے
جسکی راہ بین بین ہے، وہ کہتی ہے "خدا نے جس طرح اپنے لئے ظلم حرام کر لیا ہے ٹھیک
اُسی طرح اپنے اوپر رحمت فرض کرلی اور اپنے مومن بندوں کا حق واجب کر لیا ہے۔
اُسپر یہ پابندیاں کسی مخلوق نے عائد نہیں کی ہیں اور نہ اُسے مخلوقات پر قیاس کرنا چاہئے،
بلکہ اُس نے محض اپنی رحمت و حکمت و عدالت کے بموجب اپنے اوپر رحم و کرم لازم اور
ظلم و جور حرام کیا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: یا عبادی! انی حرمت الظلم
عن نفسی وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا" (اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر

ظلم حرام کرلیا ہے اور تمہارے مابین بھی اُسے حرام قرار دیا ہے پس باہم ظلم نہ کرو) قرآن میں ہے :

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۷ : ۱۲) | تمہارے ربنے اپنے اوپر رحمت فرض کرلی ہے۔

صحیحین میں معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے اُن سے فرمایا "یا معاذ اتدری ما حق اللہ علی عبادہ ؟ قلت اللہ و رسولہ اعلم، قال حقہ علیھم ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاً، یا معاذ اتدری ما حق العباد علی اللہ اذا فعلوا ذٰلک ؟ قال حقھم علیہ ان لا یعذبھم" (اے معاذ تجھے معلوم ہے خدا کا حق اُسکے بندوں پر کیا ہے ؟ میں نے عرض کی خدا اور اسکا رسُول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: اُن پر اسکا حق یہ ہے کہ اُسکی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں اے معاذ، تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا خدا پر کیا حق ہے اگر وہ ایسا کریں ؟ اسپر اُن کا حق یہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے) پس اس آخری قول کے مطابق انبیاء و صالحین کا خداوند عالم پر حق ہے جو اُسنے اپنے اوپر فرض کرلیا ہے اور جسکی خبر بھی دیدی ہے اور دوسرے قول کے مطابق صورتِ مسئلہ یہ ہوگی کہ جو وعدے خدا نے انبیا و صالحین سے کئے ہیں وہ قطعًا پورے ہونگے اگرچہ وہ اسپر مجبور نہیں۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی ایسا حق نہیں جسکی بنیاد پر سوال کیا جاسکے، جیساکہ روایت کیا جاتا ہے کہ خدا نے حضرت داؤدؑ سے کہا: بھلا ابا بیل کا مجھ پر کیا حق ہے ؟ تو یہ خیال صحیح ہے اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ خدا پر کسی مخلوق کا ویسا حق نہیں جیسا مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے، جیساکہ بہت سے جاہل عابد خیال کر بیٹھتے ہیں کہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے خدا پر اُن کا حق ہوگیا ہے۔ ان سادہ لوحوں کو یہ خیال اِس وجہ سے ہوجاتا ہے کہ جہالت و بلادت کی موجودگی میں انسان اِس وہم میں پڑجاتا ہے کہ عبادت و علم کے سبب فانی انسان کا خدا پر ویسا ہی حق ہو

جاتا ہے جیسا مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے - یہ عبد و معبود کو بادشاہ اور اُسکے خادموں پر قیاس کرتے ہیں جو اپنے آقاؤں کی خدمت کرتے ہیں، نفع پہنچاتے ہیں، نقصان سے بچاتے ہیں جسکی وجہ سے اُن کا اپنے آقاؤں پر حق ہو جاتا ہے جسکے صلہ کے ہمیشہ خواہشمند رہتے اور ذراسی بے قدری پر، اگر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے کہدیتے ہیں کیا میں نے تیرے لئے یہ اور وہ نہیں کیا ؟

اللہ تعالیٰ کا استغناء

خدا کی جناب میں اس طرح کا خیال انسان کے جہل و ظلم کا ثبوت ہے - وہ ذاتِ برتر مخلوق کی مشابہت سے ارفع و اعلیٰ ہے - اُسنے صاف فرما دیا ہے کہ انسان اپنے عمل سے خود ہی فائدہ اٹھاتا ہے، خدا کو اُس سے کوئی نفع نقصان نہیں، وہ جملہ مخلوقات سے مستغنی ہے - ارشاد ہوا ہے :

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا - (۱۵ : ۱)	اگر بھلائی کروگے تو اپنے لئے کروگے اور بُرائی کروگے تو اپنے لئے -

اور فرمایا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ - (۲۴ : ۲۰)	جس نے بھلائی کی، اپنے لئے کی اور جس نے برائی کی اپنے حق میں کی، تیرا رب بندوں کے حق میں ظالم نہیں -

اور فرمایا :

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ - (۲۳ : ۱۵)	اگر ناشکری کرو تو خدا تم سے بے پروا ہے (اگرچہ وہ) اپنے بندوں کیلئے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کرو تو اُسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے -
وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (۱۹ : ۱۸)	جس نے شکر کیا تو صرف اپنے فائدہ کیلئے کیا اور جس نے ناشکری کی تو میرا رب بے نیاز اور فیاض ہے

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ
كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ، وَقَالَ
مُوسَىٰ إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ
(۱۴ : ۱۳)

اگر شکر کروگے تو تمہیں اور زیادہ دونگا اور اگر
ناشکری کروگے تو میرا عذاب سخت ہے، موسیٰ نے
کہا اگر تم اور زمین کے سب لوگ ناشکری کریں
تو بھی خدا غنی و حمید ہے۔

اور فرمایا :

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي
الْكُفْرِ، إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا۔
(۴ : ۹)

جو لوگ کفر کی طرف پیشقدمی کرتے ہیں تجھے رنجیدہ
نہ کریں، وہ خدا کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا
سکتے۔

اور فرمایا :

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا
تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ
عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ
كُنْتُمْ صَادِقِينَ - (۲۶ : ۱۴)

تجھ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے، کہہ
دے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ خدا
تم پر احسان جتاتا ہے کہ ایمان کی طرف تمہاری
رہنمائی کی اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔

اور فرمایا :

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ
يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَ
زَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ
وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ، أُولَٰئِكَ هُمُ
الرَّاشِدُونَ، فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً،

اور جان لو کہ تمہارے بیچ میں رسول اللہ ہیں اگر
بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانیں تو البتہ تم
تکلیف میں پڑو، لیکن اللہ نے تمہارے لیے
ایمان محبوب بنا دیا ہے اور اُسے تمہارے دلوں
میں خوبصورت کر دیا ہے اور کفر و فسق اور نافرمانی
سے تمہیں متنفر کر دیا ہے، یہی بھلائی پانے والے

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ (۲۶ : ۱۳) | لوگ ہیں اللہ کے فضل و نعمت سے لئے

حدیث قدسی

حدیث قدسی میں ہے: "یا عبادی لو ان اوّلکم و آخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذالک من ملکی شیئاً، یا عبادی لو ان اوّلکم و آخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذالک فی ملکی شیئاً، یا عبادی لو ان اوّلکم و آخرکم و انسکم و جنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان منهم مسألته ما نقص ذالک مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر" (اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انس و جن، تم میں سے فاجر ترین شخص کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہی میں سے کوئی کمی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انس و جن، تم میں زیادہ سے زیادہ پرہیزگار کی طرح ہو جائیں تو بھی اس سے میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انس و جن سب کے سب ایک ہی زمین پر کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں اُنہیں سے ہر ایک کا سوال پورا کر دوں، تو بھی اس سے میرے خزانہ میں ذرا بھی کمی نہیں ہو سکتی بجز اُتنی کمی کے جتنی سمندر میں سُوئی ڈالکر نکالنے سے ہوتی ہے)۔

اللہ اور مخلوق میں فرق

کہاں وہ ذاتِ یکتا جو ما سوا سے ہر طرح بے نیاز ہے اور کہاں یہ گوشت پوست والے فانی آقا اور بادشاہ جو دوسروں کے قطعاً محتاج ہیں؟ خالق و مخلوق کے مابین ادنیٰ مشابہت کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا، دونوں میں بیشمار فرق ہیں مثلاً یہ کہ اگرچہ وہ اعمالِ صالحہ کو پسند کرتا اور توبہ کرنے والوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے، لیکن اصل میں وہی اعمالِ صالحہ اور توبہ کو خلق کرتا ہے اور آسان بناتا ہے۔ پس اُسکی محبوبات بھی خود اُسی کی قدرت و مشیئت سے وقوع پذیر ہوتی ہیں جیسا کہ ظاہر اور اہلِ سنّت کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ خدا ہی اپنے بندوں کو ایمان کی توفیق دیتا ہے، بخلاف قدریہ کے جو دوسرا خیال

رکھتے ہیں۔ لیکن مخلوق کی یہ حالت نہیں، اُسکی جملہ محبوبات و مشتہیات ہمیشہ اُس کے اپنے افعال نہیں ہوتیں بلکہ کبھی دوسروں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو وہی حکم دیا ہے جسمیں اُنکی بھلائی ہے اور اُسی سے منع کیا ہے جسمیں اُن کیلئے بُرائی ہے جیسا کہ قتادہ رضؓ نے کہا "خدا نے بندوں کو جو حکم دیا ہے اپنی کسی احتیاج کی وجہ سے نہیں دیا اور جو ممانعت کی ہے کسی بخل کی وجہ سے نہیں کی، بلکہ جو کچھ بھی امر و نہی ہے بندوں ہی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے"۔ برخلاف مخلوق کے جو اُسی بات کا حکم دیتی ہے جسکی اُسے ضرورت ہو اور اُسی سے منع کرتی ہے جسمیں اُسے بخل ہے۔ یہ بھی ظاہر اور سلف صالح اور اہلِ سنّت کا مذہب ہے جو اللہ کی حکمت و رحمت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے بندوں کو وہی حکم دیا ہے جو اُن کیلئے مفید ہے، اور اُسی سے منع کیا ہے جو اُن کیلئے مضر ہے۔ برخلاف جبریہ کے جو کہتے ہیں وہ کبھی ایسی بات کا بھی حکم کرتا ہے جو بندوں کیلئے مضر اور ایسی بات سے منع کرتا ہے جسمیں اُن کا نفع ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیغمبر بھیجکر اور کتابیں نازل کر کے مخلوق پر احسان کیا ہے، اُسی نے قدرت و عقل و حواس بخشے ہیں جنکے ذریعہ سے علم و عمل صالح کا حصول ہوتا ہے، وہی اپنے بندوں کا رہبر ہے اور اُسی سے تمام تر قوت و قدرت حاصل ہوتی ہے، اسی لئے اہلِ جنّت کہینگے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ (۸ : ۱۲)

ستائش خدا کیلئے جس نے ہمیں اسکی ہدایت کی ورنہ اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، بلا شک ہمارے رب کے رسُول حق لائے تھے۔

برخلاف مخلوق کے جو اِس طرح کی کسی چیز پر بھی قادر نہیں۔ اور یہ کہ خدا کے اپنے بندوں پر احسان اتنے ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عبادت،

احسان کا بدلہ ہے تو بڑی سے بڑی عبادت بھی اُسکے ادنیٰ احسان کا شکریہ نہیں بن سکتی، پھر اُس منعم کا شکر کیونکر ادا ہو جبکہ عبادت بھی اُسی کی بخشی ہوئی ایک نعمت ہے۔ اور یہ کہ بندے ہمیشہ اُسکی جناب میں قاصر اور اُسکے عفو و مغفرت کے محتاج ہیں، کوئی بھی اپنے عمل کے زور سے جنت نہیں پا سکتا، کوئی نہیں جو قصوروار اور مغفرت کیلئے اسکی رحمت کا محتاج نہ ہو۔ فرمایا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ" (۲۲:۱۷)	اگر خدا لوگوں سے اُنکے گناہوں کا مؤاخذہ کرتا تو زمین پر ایک بھی ذی روح نہ چھوڑتا۔

جنت عمل کا بدلہ نہیں

حدیث میں ہے: لن يدخل احد منكم الجنة بعمله" (تم میں سے کوئی اپنے عمل کے زور سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا) اسپر آیت: جَزَآءً بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۱: ۱۵) (تمہارے اعمال کا بدلہ) سے اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث میں جو نفی ہے وہ "بائے مقابلہ و معاوضہ"[1] کے ساتھ ہے یعنی جنت کسی کے عمل کا معاوضہ نہیں ہو سکتی، اور آیت میں جو اثبات ہے وہ "بائے سبب" کے ساتھ ہے، یعنی جنت اُنکے اعمالِ حسنہ کے سبب اُنھیں ملیگی۔ دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، عمل، ثواب کا بدلہ و معاوضہ نہیں ہو سکتا بلکہ ثواب کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے جو کوئی خیال کرے کہ اُس نے وہ سب انجام دیدیا جو اُسپر فرض ہے اور یہ کہ وہ خدا کی مغفرت و عفو کا محتاج نہیں تو وہ جاہل و گمراہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا:

لن يدخل احد الجنة بعمله قالوا ولا انت يا رسول الله قال ولا انا الا ان يتغمدني الله برحمة منه و فضل" (کوئی بھی اپنے عمل کے زور سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، صحابہؓ نے عرض کی اور نہ آپ اے رسول اللہ؟ فرمایا اور نہ میں اِلّا یہ کہ

[1] (ب) کا استعمال جب کسی لفظ کے ساتھ ہوتا ہے تو کبھی مقابلہ و معاوضہ کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں: بعته بكذا" (اُسے اسکے مقابلہ یا معاوضہ میں فروخت کر ڈالا۔) (مترجم)

اللہ کی رحمت وفضل میرے شامل حال ہو) اسی قبیل سے سنن والی حدیث ہے کہ: "ان اللہ لو عذب اھل سماواتہ واھل ارضہ لعذبھم وھو غیر ظالم ولو رحمھم لکانت رحمتہ لھم خیراً من اعمالھم" (اگر خدا اپنے آسمانوں اور اپنی زمین کے سب رہنے والوں کو عذاب میں ڈالدے تو بھی وہ ظالم نہیں، اور اگر ان پر رحم کرے تو اسکی رحمت انکے اعمال سے بہتر ہوگی) -

جن لوگوں کا خیال ہے کہ خالق پر مخلوق کا حق ہے، تو یہ بھی درست ہے اگر اس سے مراد وہ حق ہے جسکے وقوع کی خود اس نے خبر دی ہے، کیونکہ وہ صادق ہے، اور اسی نے اپنی حکمت وفضل ورحمت کی بنا پر اپنے اوپر یہ حق واجب کیا ہے - پس اس حق کا مستحق اگر اسکا حوالہ دیکر سوال کرے تو گویا اسکے وعدہ کا ایفا چاہتا ہے - یا یہ کہ ان اسباب کے ساتھ سوال کرے جن پر خدا نے مسببات کو معلق کیا ہے، مثلاً اعمالِ صالحہ، اور یہ سوال مستحسن ہے - لیکن اگر غیر مستحق، مستحق کے حق کا حوالہ دیکر مانگتا ہے تو یہ ایسا مانگتا ہے جیسا اسکی عزت وحرمت کے حوالہ سے مانگا جائے جو سائل سے ایک اجنبی چیز اور کسی ایسے سبب پر مبنی نہیں ہے جو اجابتِ دعا سے مناسبت رکھتا ہو - لیکن خدا سے اسکے ان اسماء وصفات سے سوال کرنا جو بندوں کے لئے اسکی ہدایت، رزق، نصرت وغیرہ افعال کے مقتضیات ہیں تو یہ سوال کا بہترین طریقہ ہے - بنا بریں یہ کہنا کہ انبیاء کے حق کے ساتھ سوال جائز نہیں، کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا حق نہیں، صحیح نہیں - اسلئے کہ صحیحین کی مذکورہ بالا حدیثِ معاذ رض سے ثابت ہے کہ بندوں کا خدا پر حق ہے - اور قرآن میں ہے:

(۱) كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ - (۷ : ۱۲)	تمہارے ربنے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے -
(۲) وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ - (۳۰ : ۴۷)	ہم پر مومنین کی نصرت ضروری ہے -

اصل بحث

مخالف کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں بحث دو مسئلوں میں ہے : خدا پر بندوں کا حق۔ اور اِس حق کی بنا پر سوال۔ پہلے مسئلہ کی بابت کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ خدا نے اپنے فرمانبرداروں سے وعدہ کیا ہے کہ اُنھیں ثواب دیگا، اور سائلوں سے وعدہ کیا ہے کہ اُنکی دعا قبول کریگا، اور معلوم ہے خدا اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا۔ فرمایا :

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ۔ (۴ : ۱۲۲)	خدا کا وعدہ سچا ہے، خدا سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔
وَعْدَ اللّٰهِ ۖ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (۳۰ : ۶)	خدا کا وعدہ، اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۔ (۱۴ : ۴۷)	یہ نہ سمجھنا کہ خدا رسولوں سے اپنا وعدہ خلاف کریگا۔

پس خدا کا اپنے وعدے کے بموجب عمل کرنا، باتفاق جملہ علماءِ اسلام ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ وعدے کے علاوہ بھی خدا پر کسی مخلوق کا کوئی حق ہے تو اِسمیں علماء کا اختلاف ہے جیساکہ اوپر بیان ہوچکا۔ بعض کہتے ہیں کہ وعدہ کے سوا خدا پر کچھ بھی واجب نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مخلوق کی طرح اسپر بھی واجبات و محرمات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خود اُس نے اپنے اوپر بعض چیزیں واجب کرلی ہیں اور بعض حرام، اُسپر وہی واجب ہے جو خود اُس نے واجب کیا ہے اور وہی حرام ہے جو خود اُس نے حرام کیا ہے جیساکہ صحیح بخاری کی مذکور الصدر حدیث ابو ذرؓ سے ثابت ہے۔ رہا ظلم تو باتفاق جملہ علماء خدا کے حق میں محال ہے۔ لیکن اُس ظلم میں اختلاف ہے جو واقع نہیں ہوتا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ بھی محال ہے کیونکہ ہر ممکن جو خدا سے صادر ہو، عدل ہے ظلم نہیں کیونکہ ظلم کے معنی یہ ہیں کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کیا جائے یا اُس حکم سے سرتابی کی جائے جس کی پابندی ضروری ہے، اور یہ دونوں صورتیں خدا کے حق میں محال ہیں۔ ایک اور

خدا ظلم نہیں کرتا

گروہ کا خیال ہے کہ بندوں کا ظلم خود خدا کا ظلم ہے۔ بعض کہتے ہیں ظلم ' وضع الشیئ فی غیر موضوعہٖ ' (چیز کا اُسکی جگہ پر نہ رکھنا) کا نام ہے اور اسکا تصور بھی خدا کی نسبت نہیں ہو سکتا وہ عادل حقیقی، عدل کرتا ہے، کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ فرمایا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا۔ (۱۶ : ۱۵)	جو ایمان کی حالت میں اعمال صالحہ کرے تو اُس کے لئے نہ ظلم کا کھٹکا ہے نہ حق تلفی کا۔

مفسرین نے آیت میں "ظلم" و "ہضم" کی تفسیر یہ کی ہے کہ ظلم ' ایک کے گناہ دوسرے پر رکھنا اور سزا دینا ہے اور ہضم ' یہ ہے کہ کسی کی نیکیاں ضبط کر لی جائیں۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۵ : ۳)	اللہ ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، اگر نیکی ہو تو اُسے دونا کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بڑا عوض دیتا ہے۔
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ (۱۲ : ۹)	ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے خود اپنے او پر ظلم کیا۔

کسی کے حق سے سوال جائز ہے یا نہیں؟

دوسری بحث یہ ہے کہ خدا اور اُسکے رسولؐ نے جسکے بارے میں فرما دیا ہے کہ وہ خدا پر بندوں کا حق ہے تو تسلیم کیا جائیگا کہ وہ حق ہے۔ لیکن گفتگو اِس حق کی بنیاد پر سوال کرنے میں ہے کہ درست ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ جس حق سے سوال کیا گیا ہے اگر وہ قبولیت کا سبب ہے تو سوال مستحسن ہے مثلاً اُس حق کی بنیاد پر سوال کیا جائے جو اُس نے اپنے سائلوں اور عابدوں کا اپنے ذمہ عاید کر لیا ہے۔ یہ مسئلہ صاف ہے البتہ غور طلب یہ ہے کہ دوسروں کے حق کی بنیاد پر سوال کرنا کیسا ہے؟ تو اگرچہ اُن لوگوں کا خدا پر اُسکے وعدہ کے رُو سے حق ہے کہ اُنھیں عذاب نہ دے بلکہ ثواب دے اور درجے اونچے کرے، مگر کسی اَور کو اُنکے حق کی بنا پر کیا استحقاق حاصل ہے کہ اُسکا بھی سوال پُورا ہو جائے؟ کیونکہ اِن بزرگوں کو جو کچھ بھی استحقاق حاصل ہوا

ہے اُن کے ایمان وطاعت کی وجہ سے ہُوا ہے اور یہ بات سائل کو حاصل نہیں۔ اُنکی بزرگی اِسکی قبولیت دعا کا سبب کیونکر بن سکتی ہے؟ اگر کہا جائے اُنکی شفاعت و دعا سبب ہے تو بلا شبہ یہ درست ہے بشرطیکہ وہ اس کیلئے شفاعت و دعا کریں لیکن اگر نہ کریں تو پھر وہاں کوئی سبب بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر کوئی کہے رسول اللہ سے میری محبت و موالات اور آپ پر ایمان اجابتِ دعا کا سبب ہے تو یقیناً یہ ایک شرعی سبب ہے اور اسکے معنی یہ ہونگے کہ سائل، اللہ سے سوال کرتا اور اُسکے حضور اپنے ایمان اور اُسکے رسولؐ سے اپنی محبت وطاعت کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہے۔ لیکن اللہ اور غیر اللہ کی محبت میں فرق کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو کوئی مخلوق سے ویسی محبت کرتا ہے جیسی خالق سے کی جاتی ہے تو درحقیقت شرک کا مرتکب ہوتا ہے اُسکی محبت مفید ہونے کے بجائے اُسکے حق میں کانٹا بنیگی۔ لیکن جس نے اپنے دل میں اللہ کی محبت کو سب سے زیادہ جگہ دی اور اُسکے نبیوں اور نیک بندوں سے اُسکی محبت کی وجہ سے محبت کی تو اُس کیلئے اللہ کی محبت سب سے زیادہ نفع بخش ہوگی۔ اِن دونو چیزوں میں فرق کرنا بہت بڑی بات ہے۔

اعتراض کس پر ہے؟

ممکن ہے کہا جائے کہ اگر رسول اللہ پر ایمان اور آپکی محبت وطاعت سے وسیلہ چاہنا کبھی خدا کے ثواب وجنّت کیلئے ہوتا ہے، جو بقول تمہارے سب سے بڑا وسیلہ ہے، اور کبھی اجابتِ دعا کیلئے ہوتا ہے جیسا تم مثالوں میں بتا چکے ہو، تو "اسألك بنبيك محمد" کو اِس معنی پر کیوں نہ محمول کیا جائے کہ "مَیں محمد (صلعم) کے ایمان و محبت کے ساتھ سوال کرتا اور اِس ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں" وغیرہ معانی اور تم کہہ چکے ہو کہ یہ بلا نزاع جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر سائل کی نیت میں یہ معنی ہوں تو اِسکے درست ہونے میں کلام نہیں، اور اگر یہی معنی بعض صحابہؓ و تابعینؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے نبی صلعم کو وصال کے بعد بھی وسیلہ قرار دینے کے لئے جائیں تو ٹھیک ہے۔

اِس صورت میں مسئلہ صاف اور مسلّم ہے۔ لیکن بہت سے عوام اس طرح کے الفاظ بول کر یہ معنی مراد نہیں لیتے، جو کچھ اعتراض و انکار ہے اِنھیں پر ہے۔

اسی طرح اگر اِس لفظ سے نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا مراد ہو جیساکہ صحابہؓ کا دستور تھا تو یہ بھی بلا نزاع جائز ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر لوگ اِن الفاظ سے یہ معنی مراد نہیں لیتے۔

نمبر ۳۱

رشتہ کے حوالے سے سوال

اگر کہا جائے رشتہ کا حوالہ دیکر سوال کرنا کیسا ہے؟ تو ہم کہینگے درست ہے۔ کیونکہ رشتہ سے انسان کا اپنے رشتہ دار پر حق ہوتا ہے جیساکہ قرآن میں ہے:

وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ (۴ : ۱)	اُس خدا سے ڈرو جسکے اور رشتوں کے ذریعہ باہم مانگتے ہو۔

اور حدیث میں ہے: الرحم شجنة من الرحمٰن من وصلها وصله الله و من قطعها قطعه الله " (رحم (رشتہ) رحمٰن کی ایک شاخ ہے، جس نے اُسے جوڑا، خدا بھی اُسے جوڑیگا، جس نے اُسے کاٹا خدا بھی اُسے کاٹیگا) اور فرمایا: ولما خلق الله الرحم تعلقت بحقوی الرحمٰن و قالت هذا مقام العائذ بك من القطیعة، فقال: الا ترضین ان اصل من وصلك و اقطع من قطعك؟ قالت: بلیٰ قد رضیت" (جب رحمٰن نے رحم (رشتہ) کو پیدا کیا تو وہ رحمٰن کی کمر سے لٹک گئی اور کہنے لگی یہ قطع رحم سے تیری پناہ مانگنے کی جگہ ہے۔ خدا نے فرمایا کیا تو اسپر خوش نہیں کہ اُسے میں جوڑوں گا جو تجھے جوڑے اور اُسے کاٹوں گا جو تجھے کاٹے؟ کہنے لگی، ہاں میں خوش ہوگئی) اور فرمایا: یقول الله تعالیٰ انا الرحمٰن خلقت الرّحم وشققت لها اسما من اسمی فمن وصلها وصلته و من قطعها بتته " (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمٰن نے رحم (رشتہ) کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اسکے لئے نام نکالا، پس جو اُسے جوڑیگا میں بھی اُسے جوڑونگا اور جو اُسے کاٹیگا میں بھی اُسے کاٹونگا۔) حضرت علیؓ

کے متعلق مروی ہے کہ آپکے بھتیجے جب اپنے باپ جعفرؓ کا حق یاد دلا کر آپ سے مانگتے تو دیدیتے تھے کیونکہ جعفرؓ آپ کے بھائی تھے اور حق رکھتے تھے۔ رشتہ دار کا حق اُس کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے جیساکہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ، کیا والدین کے مرجانے کے بعد بھی مجھ پر اُن کا کوئی حق باقی رہ گیا ہے جسے ادا کروں؟ فرمایا: نعم، الدعاء لهما والاستغفار لهما وانفاذ وعدهما من بعدهما وصلة رحمك التي لا رحم لك الا من قبلهما، (ہاں اُن کیلئے دعا اور استغفار اور اُنکے بعد اُن کے وعدہ کا پورا کرنا اور اپنے رشتہ داروں کا پاس کرنا کہ جن کا رشتہ تیرے والدین کی وجہ سے قائم ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تشریح

رہا ابوحنیفہؒ، اُن کے اصحاب اور دوسرے علماء کا یہ کہنا کہ خدا سے کسی مخلوق کے بھی واسطہ سے سوال جائز نہیں، عام اس سے کہ انبیاء ہوں یا کوئی اور۔ تو اسکے دو مطلب ہیں جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ ایک یہ کہ خدا کو اُسکی مخلوق کی قسم دلانا اور یہ، جیساکہ بیان ہوچکا، باتفاق جماہیر علماء اُسی طرح ممنوع ہے جس طرح باتفاق علماء کعبہ ومشاعر کی خدا کو قسم دلانا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال و دعا، تو اسے بعض لوگوں نے جائز بتایا ہے۔ اور بعض سلف سے بھی اس باب میں آثار منقول ہیں اور بہت سے لوگوں کی دعاؤں میں بھی اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن نبی صلعم سے اس بارے میں جو کچھ مروی ہے، ضعیف بلکہ موضوع ہے، کوئی حدیث بھی ثابت نہیں کہ جس سے استدلال کیا جاسکے بجز ایک نابینا والی حدیث کے جسمیں ہے کہ نبی صلعم نے اُسے تلقین کی کہ: اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة، (تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے ذریعہ)

اس باب میں نبی صلعم سے کوئی حدیث ثابت نہیں

حدیث نابینا

لیکن یہ حدیث بھی حجت نہیں ہوسکتی کیونکہ صاف بتارہی ہے کہ اندھے نے نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہا تھا۔ واقعہ یہ ہے اُس نے آپ سے دعا کی درخواست

کی اور آپ نے اُسے تلقین کی کہ کہہ "اے خدا، محمدؐ کو میرا شفیع بنا دے" اسی لئے جب آپ نے دعا کی تو خدا نے اُسکی بینائی لوٹا دی۔ یہ آپ کے معجزات کی قسم سے ہے، ورنہ اگر اَور اندھے جنکے حق میں آپ نے دعا نہیں کی اسطرح کا وسیلہ چاہتے یا چاہیں تو اُنکا یہ حال نہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی دعا

رہی امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کی استسقا میں دعا جو مہاجرین و انصار میں مشہور ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ: اللھم انا کنا اذا اجدبنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا" (خدایا، جب ہم قحط میں پڑتے تھے تو تیرے حضور اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) تو صاف دلالت کرتا ہے کہ جس طرح کا وسیلہ چاہنا صحابہؓ میں مشہور و معروف تھا وہ آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ تھا نہ کہ آپکی ذات کو درمیان میں رکھکر سوال کرنا۔ کیونکہ اگر یہ مشروع ہوتا تو حضرت عمرؓ اور مہاجرینؓ انصار آپکو چھوڑکر دعا میں حضرت عباسؓ کا حوالہ نہ دیتے۔

سوال اور قسم

انبیاء و صالحین کے حوالہ سے دعا میں نزاع ہو سکتی ہے برخلاف خدا کو قسم دلانے کے۔ کیونکہ سوال اور قسم میں فرق ہے۔ سوال عاجزی و خوشامد ہے اور ایک ایسا سبب ہے جو دعا کے مستجاب ہونے سے مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن قسم اِس سے مختلف ہے، اِسمیں سوال پورا کر دینے کی تاکید ہوتی ہے۔ قسم دینے والا اُسی کو قسم دلاتا ہے جسے سمجھتا ہے کہ اُسکی قسم پُوری کر دیگا۔ خدا کی جناب میں ہر کہ و مہ اِس خیال کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ اُسکی قسم پُوری کر دیگا، کیونکہ اُس نے اس طرح کی قسمیں پوری کر دینے کا امتیاز اپنے خاص خاص بندوں ہی کو دیا ہے۔ البتہ سوال و دعا کو عام رکھا ہے، چنانچہ وہ سب کے سوال پورے کرتا ہے، سب کی دعائیں قبول کرتا ہے، محتاج کی بھی، مظلوم کی بھی، مومن کی بھی، کافر کی بھی۔ صحیح بخاری

میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: ما من داع یدعو اللہ بدعوۃ لیس فیھا اثم ولا قطیعۃ رحم الا اعطاہ اللہ بھا احدی خصال ثلاث اما ان یعجل لہ دعوتہ، واما ان یدخر لہ من الخیر مثلھا، واما ان یصرف عنہ من الشر مثلھا "قالوا: یارسول اللہ اذاً نکثر قال" اللہ اکثر" (جو دعاکرنیوالا بھی خدا سے ایسی دعا کرتا ہے جسمیں نہ گناہ ہوتا ہے نہ رشتہ کٹتا ہے تو خدا اُسے تین باتوں میں سے ایک بات ضرور دیتا ہے' یا تو اُسکی دعا قبول کرلیتا ہے' یا اُس کیلئے ویسی ہی بھلائی جمع کر رکھتا ہے' یا اُس سے ویسی ہی بُرائی ہٹا دیتا ہے)۔

مذہب امام مالکؒ

انبیاء سے اِس معنی میں وسیلہ چاہنا کہ اُنکے حوالہ سے سوال ہو جائے، تو اُسے جیسا کہ مذکور ہوا ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحابؒ وغیرہ نے ناجائز قرار دیا ہے[۱] اور مشہور مذہب مالکؒ میں اسکے مخالف کوئی بات نہیں ملتی۔ جو کوئی مذہب مالکؒ سے ایسی بات پیش کرتا ہے جسمیں قسم یا سوال کے معنی میں وسیلہ کو جائز بتایا گیا ہے تو وہ ایک بے بنیاد بات پیش کرتا ہے۔ کیونکہ مالکؒ اور اُنکے اصحابؒ سے اس بارے میں کوئی روایت منقول نہیں بلکہ مالکؒ سے تو یہاں تک مشہور ہے کہ اُنھوں نے دعا میں "یا سیدی یا سیدی" کہنے کو بھی مکروہ قرار دیا اور تاکید کی ہے کہ انبیاء کی طرح "یارب' یارب' یا کریم" کہا کرو۔ نیز "یا حنّان' یا منّان" کہنے کو بھی مکروہ بتایا ہے۔ کیونکہ نبی صلعم سے ماثور نہیں۔ پس اگر مالکؒ اس طرح کی دعا بھی ناپسند کرتے تھے جو اُنکے خیال میں مشروع نہیں، تو پھر کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے خدا سے مخلوق کا حوالہ دیکر سوال کرنے کو جائز قرار دیا ہوگا عام اس سے کہ مخلوق انبیاء ہوں یا غیر انبیاء۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اُنھیں خوب معلوم تھا کہ "عام الرّمادہ" میں جب صحابہؓ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو اُنھوں نے نبیؐ اور غیر نبی کسی مخلوق کی بھی ذات کے حوالہ سے دعا

---

[۱] لیکن آجکل کے حنفی قبر پرستی اور اس طرح کی دعاؤں کو حنفیت کی علامت سمجھتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

نہیں مانگی بلکہ حضرت عمرؓ نے کہا: "اے خدا جب ہم قحط میں پڑتے تھے تو تیری پاس اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے، اب ہم تیرے پاس اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں، ہمیں سیراب کر" یہی صحیح بخاری میں ابن عمر و انس وغیرہ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ جب کبھی قحط پڑتا تھا تو وہ نبی صلعم کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے۔ کہیں مذکور نہیں کہ صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی خود آپکی زندگی میں آپکی ذات یا کسی اور مخلوق کی ذات کے واسطہ سے استسقا یا کسی اور موقع پر سوال کیا ہو۔ رہی حدیثِ اعمیٰ تو اسپر عنقریب گفتگو کی جائیگی۔ اور اگر آپ کی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا صحابہؓ میں رائج ہوتا تو وہ حضرت عمرؓ سے ضرور کہتے کہ رسولؐ اللہ کی ذات سے سوال و وسیلہ، عباس رضؓ کے ذریعہ سوال و وسیلہ سے کہیں افضل و اولیٰ ہے ہم اُس مشروع فعل سے روگردانی نہیں کرسکتے جو آپ کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ہم افضلِ خلق کا وسیلہ چھوڑ کر آپکے بعض رشتہ داروں سے وسیلہ نہ چاہینگے۔ کیونکہ اس سے سنّت مشروعہ کا ترک، افضل و اولیٰ سے روگردانی اور اعلیٰ سبب کو چھوڑ کر ادنیٰ سبب سے سوال کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ ہم نہایت سخت خشک سالی میں مبتلا ہیں اور فورًا اپنی مصیبت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا تھا وہی بہت سے صحابہؓ کی موجودگی میں معاویہؓ نے کیا کہ یزید بن الاسود الجرشی رضؓ کے ذریعہ سے دعا کی۔

اسی طرح شافعیؒ و احمدؒ کے اصحاب وغیرہ نے کہا ہے کہ استسقا میں اہلِ خیر و صلاح کی دعا کا وسیلہ ڈھونڈنا چاہیے، اگر رسول اللہ صلعم کے رشتہ دار موجود ہوں تو حضرت عمرؓ کی پیروی میں اُن کا وسیلہ افضل ہے۔ لیکن کسی اہلِ علم نے بھی نہیں کہا کہ نبیؐ یا غیر نبی کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے استسقا میں دعا کرنا روا ہے۔

اسی طرح جو کوئی روایت کرے کہ امام مالکؒ نے رسول اللہ صلعم یا کسی اور سے اُسکی موت کے بعد سوال جائز بتایا، یا مالکؒ کے علاوہ کسی دوسرے امام مثلاً شافعیؒ احمدؒ وغیرہ کی طرف اُسے منسوب کرے تو وہ جھوٹا ہے اور ان ائمہؒ پر تہمت رکھتا ہے

امام مالکؒ پر تہمت

لیکن بد قسمتی سے بعض جاہل ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اس طرح کی ایک بات امام مالکؒ کے سر تھوپ دی ہے اور دلیل میں ایک جھوٹی حکایت اُنکی جانب منسوب کر دی ہے، جو اگر صحیح ثابت ہو جائے تو بھی اِس سے وسیلہ کی یہ مابہ النزاع صورت جائز نہیں ہوتی بلکہ قیامت میں آپ کی شفاعت سے وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اِس حکایت کے ماننے سے قطعی انکار ہے، کیونکہ بالکل بے بنیاد اور سراسر من گھڑت ہے جیساکہ ذیل میں مفصّل مذکور ہے۔

نبی صلعم سے سلف کی محبت

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب کے باب "زیارۃ قبر النبی صلعم" میں اِس حکایت کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف وہ روایتیں نقل کی ہیں جو مالکؒ و اصحاب مالکؒ سے مشہور ہیں۔ بلا شبہ اُنھوں نے اُسے اِس بحث کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ نبی صلعم کی عزّت و حرمت، وفات کے بعد بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسی حیات میں تھی۔ چنانچہ امام مالکؒ کی بابت نقل کیا ہے کہ اُن سے ایوب سختیانیؒ کی نسبت سوال کیا گیا تو کہا:
"جتنے لوگوں سے حدیث روایت کرکے میں تمھیں سناتا ہوں، اُن سب سے ایوبؒ افضل ہیں۔ اُنھوں نے دو حج کئے۔ میں اُنھیں بغور دیکھا کرتا تھا، میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ جب کبھی نبی صلعم کا ذکر کرتے تو اِتنا روتے کہ مجھے ترس آجاتا! جب میں نے یہ باتیں خصوصاً آنحضرتؐ کی اِسقدر تعظیم دیکھی تو اُن سے حدیث لکھی"
مصعب بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ "امام مالکؒ جب رسول اللہ صلعم کا ذکر کرتے تو اُنکا رنگ بدل جاتا اور جُھک جاتے یہانتک کہ اُنکے ہمنشیں پریشان ہو جاتے! ایک مرتبہ اُن سے اِس بارے میں کہا گیا، فرمانے لگے": اگر تم وہ دیکھتے جو میں نے

دیکھا ہے تو معترض نہ ہوتے۔ میں نے محمد بن المنکدرؒ کو دیکھا، جو سید القراء تھے، جب کبھی ہم اُن سے کسی حدیث کے متعلق سوال کرتے تو ضرور روتے اور اسقدر روتے کہ ہمیں ترس آجاتا! میں نے جعفرؒ بن محمدؒ کو دیکھا، جو بہت ہنس مکھ اور زندہ دل تھے، لیکن جوں ہی رسول اللہ کا ذکر آتا اُنکا رنگ زرد ہو جاتا، کبھی رسول اللہ کی حدیث بغیر طہارت روایت نہ کرتے۔ میں ان کے پاس ایک مدت تک آتا جاتا رہا اور ہمیشہ اسی حالت میں دیکھا کہ یا نماز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے یا تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے، غیر ضروری گفتگو نہ کرتے تھے۔ وہ اُن علماء و عُبّاد میں سے تھے جو خدا سے ڈرتے ہیں! میں نے عبدالرحمن بن القاسمؒ کو دیکھا کہ جب نبی صلعم کا ذکر کرتے تو ہیبت سے اُنکی یہ حالت ہو جاتی کہ زرد پڑ جاتے گویا جسم میں خون سوکھ گیا ہے اور منہ میں زبان خشک ہو گئی ہے! میں عامر بن عبداللہ بن الزبیرؓ کے پاس بھی آتا جاتا تھا، جب کبھی رسول اللہ صلعم کا ذکر آجاتا تو رونا شروع کر دیتے یہانتک کہ آنکھیں سوکھ جاتیں! میں نے زہریؒ کو دیکھا ہے جو نہایت ہی خوش باش اور ملنسار تھے، مگر نبی صلعم کا ذکر آتے ہی ایسے ہو جاتے گویا نہ تمھیں جانتے ہیں نہ تم اُنھیں! میں صفوان بن سلیمؒ کے پاس بھی آتا جاتا تھا، نہایت عبادت گزار آدمی تھے، جب نبی صلعم کا ذکر سُن لیتے تو روتے اور اسقدر روتے کہ لوگ اُکتا کر اُنھیں مجلس میں اکیلا چھوڑ کے اُٹھ جاتے!

یہ تمام روایتیں درست اور قاضی عیاضؒ نے اصحاب مالکؒ کی مشہور کتابوں سے نقل کی ہیں۔ پھر غریب و منقطع اسناد کے ساتھ وہ حکایت درج کی ہے جو امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے۔ لکھتے ہیں: حدثنا ابو العباس احمد بن عمر بن دلہات قال حدثنا ابو الحسن علی بن فہر، حدثنا ابو بکر بن محمد بن احمد بن الفرج، حدثنا ابو الحسن عبد اللہ بن المنتاب، حدثنا یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل، حدثنا ابن حمید قال: "امیر المومنین ابو جعفر نے امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا اور

موضوع حکایت

چلّا کر بولے۔ مالکؒ نے خلیفہ کو ٹوک دیا کہ "اس مسجد میں غُل نہ مچاؤ، کیونکہ خدا نے ایک گروہ کو یہ کہکر ادب سکھایا ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" (۲۶: ۱۳) (نبیؐ کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو) اور دوسرے کی تعریف میں فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ الخ" (۲۶: ۱۳) (جو رسُول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں) اور تیسرے کی مذمت کی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ الخ" (جو تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں) مرنے پر بھی آپکی عزت وہی ہے جو جیتے میں تھی"۔ یہ سُنکر خلیفہ دھیما پڑگیا اور کہنے لگا اے ابوعبداللہ (مالکؒ) میں قبلہ کی طرف متوجّہ ہوکر دعا کروں یا رسُول اللہ کی طرف؟ مالکؒ نے جواب دیا "رسُول اللہ سے کیوں رُوگردانی کرو جبکہ وہ قیامت میں خدا تک تمہارا وسیلہ اور تمہارے باپ آدم (علیہ السّلام) کا وسیلہ ہیں بلکہ آپ کی طرف رُخ کرو اور آپ کی شفاعت طلب کرو، خدا یہ شفاعت قبول کریگا۔ کیونکہ وہ خود ہی فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (۵: ۶) (جب اپنے اوپر اُنھوں نے ظلم کیا تھا تو اگر تیرے پاس آتے اور خدا سے مغفرت چاہتے اور رسول اُن کیلئے مغفرت چاہتا تو البتہ خدا کو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا پاتے)۔

حکایت بول بھول جھوٹی ہے

یہ حکایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن حمید الرازی نے مالک کو نہیں پایا، خصوصًا ابوجعفر منصور کے زمانہ میں۔ کیونکہ ابوجعفر نے ۱۵۸ھ میں مکّہ میں وفات پائی، اور مالک ۱۷۹ھ اور محمدؒ بن حمید ۲۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن حمید کبھی وطن سے باہر نہیں گئے اور جب طلب علم کیلئے نکلے تو اچھی عمر کے ہوچکے تھے۔ مزید براں یہ کہ اکثر اہلِ حدیث کے نزدیک وہ ضعیف ہیں۔ ابوزرعہ اور ابن وارہ نے اُنھیں جھوٹا بتایا ہے۔ صالح بن محمد الاسدی کہا کرتے تھے "میں نے محمد بن حمیدؒ سے زیادہ کسی کو اللہ

ایضًا (۲۶: ۱۳)

پرجری اور دروغ بافی میں ماہر نہیں دیکھا" یعقوب بن شیبہؒ کی رائے ہے "سخت منکر روایتوں والا" نسائیؒ کا قول ہے "ثقہ نہیں" ابن حبانؒ کہتے ہیں "ثقات سے الگ ہو کر مقلوبات روایت کرتا ہے"۔ امام مالکؒ سے مؤطا کے سب سے آخری راوی ابو مصعب ہیں جو ۲۴۲ھ میں فوت ہوئے اور سب سے آخری علی الاطلاق روایت کرنیوالے احمد بن اسمٰعیل السہمی ہیں جو ۲۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ حکایت روایت نہیں کی۔ پھر اسناد میں ایسے لوگ موجود ہیں جنکی حالت مجہول ہے۔

امام مالکؒ کے مشہور اصحاب میں سے کسی نے بھی یہ حکایت ذکر نہیں کی۔ محمدؒ بن حمید اگر اسناد سے روایت کریں تو بھی اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں، پھر اگر ارسال کریں تو ظاہر ہے اُنکی روایت کس درجہ کی ہوگی۔ اصحاب مالکؒ متفق ہیں کہ اُن کے امام سے اِس طرح کی کوئی روایت کسی فقہی مسئلہ میں بھی معتبر نہیں۔ بلکہ اگر اُن سے شامی مثل ولید بن مسلم اور مروان بن محمد الطاطری روایت کرتے ہیں تو اُنکی روایت بھی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اُن کے ہاں صرف مدنیوں اور مصریونکی روایت معتبر ہے۔ جب حالت یہ ہے تو ایک ایسی حکایت پر کیا حکم لگایا جائیگا جو مالک کے مشہور مذہب کے بالکل خلاف پڑتی ہے اور صرف ایک ایسے خراسانی کی زبانی سنی گئی ہے جس نے مالکؒ کو پایا نہیں اور جسکی محدثین نے تضعیف کی ہے؟

حکایت کی تشریح

پھر اِس حکایت سے وہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی جسے لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ امام مالکؒ کا یہ کہنا کہ 'رسول اللہ تیرے اور تیرے باپ آدمؑ کا خدا کے پاس قیامت میں وسیلہ ہیں' صاف بتا رہا ہے کہ آدمؑ اور اولاد آدمؑ قیامت میں آپ کا وسیلہ چاہیں گے، یعنی آپ کی شفاعت کے خواستگار ہونگے۔ اور یہ درست ہے، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ جب قیامت میں لوگ آدم (علیہ السّلام) کے پاس پہنچیں گے اور شفاعت چاہینگے تو وہ اُنھیں نوح (علیہ السّلام) کے پاس بھیجینگے

پھر نوح، ابراہیم (علیہ السّلام) کے پاس اور ابراہیم، موسیٰ (علیہ السّلام) کے پاس اور موسیٰ، عیسیٰ (علیہ السّلام) کے پاس اور عیسیٰ حضرت محمد (صلعم) کے پاس۔ اور جیساکہ ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا: "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر، آدم فمن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ ولا فخر"۔ (میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں، فخر نہیں۔ آدم اور جو اُنکے بعد ہیں قیامت میں سب میرے جھنڈے تلے ہونگے، فخر نہیں)۔

رسول اللہ صلعم پر سلام کا طریقہ

علاوہ ازیں یہ حکایت متعدد وجوہ سے مذہب مالکؒ کے بالکل خلاف ہے۔ ایک یہ کہ جب امام مالکؒ سے خلیفہ نے پوچھا کہ قبلہ کی طرف رُخ کروں یا رسول اللہ کی طرف؟ تو اُنھوں نے کہا "رسول اللہ سے کیوں روگردانی کرو جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم کا وسیلہ ہیں" کیونکہ مالکؒ اور دوسرے ائمہؒ اور جملہ صحابہؓ و تابعین و سلف صالح کا قول و عمل اسکے خلاف ثابت ہے۔ سب نے یہی کہا ہے کہ مسجدِ نبویؐ میں رسول اللہ پر سلام کے بعد اگر اپنے لئے دعا کا ارادہ ہو تو قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہیئے نہ کہ آپکی قبر کی طرف۔ ہاں سلام اور آپ کیلئے دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رُخ کرنا چاہیئے۔ یہی قول اکثر علماء مثل مالکؒ (فی احدی الروایتین) اور شافعیؒ و احمد وغیرہم کا ہے، اور اصحاب ابوحنیفہؒ تو سلام کے وقت بھی قبر کی طرف رُخ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سلام کے وقت حجرہ کو بائیں ہاتھ کی طرف کرے جیساکہ ابن وہبؒ نے مالکؒ سے روایت کیا ہے اور بعض نے کہا بلکہ حجرہ کو پشت پر کرنا چاہیئے، اور اسی پر اُس زمانہ میں عمل تھا۔ لیکن ہر حال میں یہی ثابت ہے کہ امام مالکؒ نے قبر کے پاس زیادہ دیر کھڑے ہونیکو مکروہ قرار دیا ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ نے مبسوط میں مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ "میرے نزدیک قبر نبویؐ پر کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہیئے بلکہ سلام کرکے ہٹ جانا چاہیئے، کیونکہ نافعؓ کہتے تھے کہ ابن عمرؓ کو میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا کہ قبر مبارک پر آتے اور کہتے "نبیؐ

صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام، ابوبکرؓ پر سلام، میرے باپ پر سلام!" پھر چلے جاتے"۔ نیز ابن عمرؓ کو دیکھا گیا کہ منبر پر نبی صلعم کی نشست پر ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر رکھتے۔ ابن ابی قسیطؒ اور قعنبیؒ سے روایت ہے کہ جب مسجد خالی ہوتی تو صحابہؓ منبر کے اُس بازو میں جو قبر کے سامنے ہے جھکتے اور پھر قبلہ رخ ہوتے اور دعا کرتے۔ یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ قبر نبویؐ پر کھڑے ہوتے اور نبی صلعم پر اور ابوبکرؓ و عمر (رضی اللہ عنہما) پر صلوٰۃ بھیجتے۔ ابن القاسم اور قعنبیؒ کی روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے دعا کرتے۔ روایتِ ابن وہبؒ میں مالکؒ کا قول ہے کہ کہتے "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته۔ اور مبسوط میں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ پر سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں "میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نبی صلعم کیلئے لفظ صلوٰۃ سے دعا کی جائے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے لفظ رحمت سے کیونکہ ابن عمرؓ کی حدیث میں خلاف واقع ہو گیا ہے،" یہ دعا اُس دعا کی تفسیر کرتی ہے جو روایتِ ابن وہبؒ میں ہے کہ مالکؒ نے کہا "جب نبی صلعم پر سلام کرے اور دعا کرے تو اس طرح کھڑا ہو کہ منہ قبر کی طرف ہو، قریب ہو کر سلام کرے مگر قبر نہ چھوئے۔" یہ آپ پر سلام ہے، رہی صلوٰۃ کے ساتھ دعا تو اُس کا بیان ہو چکا۔

قبرِ نبوی کی زیارت اہلِ مدینہ اور پردیسیوں کیلئے

اسی طرح ہر وہ دعا ہے جسے اصحابِ مالکؒ نے نقل کیا ہے جیسا کہ ابن حبیبؒ نے واضحہ میں اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ مالکؒ نے مبسوط میں کہا "اہلِ مدینہ میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو یا باہر نکلے، اُس کیلئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں، یہ صرف پردیسیوں کیلئے ہے۔" نیز مبسوط میں مالکؒ کا قول ہے کہ "سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والے کیلئے کوئی مضائقہ نہیں اگر قبر اطہر پر کھڑا ہو، رسول اللہؐ پر درود بھیجے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے دعا کرے۔" لوگوں نے کہا کہ مدینہ کے بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر کسی سفر کے بھی ایسا کرتے ہیں، کبھی دن میں ایک مرتبہ، کبھی اس سے بھی زیادہ،

بعض جمعہ میں ایکمرتبہ، بعض اَور دنوں میں ایک دو، اور کئی کئی دفعہ قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں، سلام کرتے ہیں اور دیر تک دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا "اپنے اِس شہر کے اہلِ فقہ سے مجھے اِسطرح کی کوئی بات نہیں پہنچی، اِسکا ترک ہی بہتر ہے، اِس امّت کا آخر بھی اُسی چیز سے درست ہوگا جس سے اُس کا اوّل درست ہوا ہے[1]، مجھے اِس امّت کے اوّل سے نہیں پہنچا کہ کوئی ایسا کرتا ہو، یہ صرف سفر پر جانے اور سفر سے آنے والوں کیلئے مباح ہے اور مدینہ کے باشندوں کیلئے مکروہ" ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ میں نے اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ جب سفر پر جانے لگتے یا سفر سے واپس آتے تو قبر پر جاتے اور سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ اور پردیسیوں کے مابین فرق ہے، کیونکہ پردیسی اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہلِ مدینہ تو یہیں کے باشندے ہیں، قبر اور سلام کیلئے کہیں باہر سے نہیں آئے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اشتد غضب اللہ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیا ئھم مساجد" (خدایا میری قبر کو بُت نہ کیجیو کہ پوجی جائے۔ غضب الٰہی اُن لوگوں پر سخت ہوگیا جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دیا) اور فرمایا: لا تجعلوا قبری عیدًا" (میری قبر کو بار بار آنے جانے کی جگہ نہ بناؤ) احمد بن شعبہؒ کی کتاب میں ہے کہ جو کوئی قبر شریف پر جائے تو اُس سے ملے نہیں نہ اُسے چھوئے نہ دیر تک کھڑا رہے۔ عتبیہ بن مالکؒ کا قول ہے "سلام سے پہلے مسجد نبویؐ میں تحیۃ المسجد ادا کرے، نوافل کیلئے میں نبی صلعم کے مصلّٰی کو پسند کرتا ہوں، رہے فرائض تو اُن کیلئے اگلی صفیں بہتر ہیں، پردیسیوں کیلئے میں نفل نماز بہ نسبت گھر کے مسجد میں پڑھنے کو ترجیح دیتا ہوں"۔

---

[1] اس جملہ میں حضرت امام مالکؒ نے اصلاح کا سب سے بڑا قاعدہ بیان کر دیا ہے کہ مسلمان آخر زمانہ میں بھی اُسی سے سدھر ینگے جس سے اوّل زمانہ میں سدھر چکے ہیں۔ وہ چیز کیا تھی؟ کتاب و سنّت! پس اگر مسلمان اپنی حالت درست کرنا چاہتے ہیں تو کتاب و سنّت پر قائم ہو جائیں۔ (مترجم)

سلف صالح قبر نبوی پر کس لئے جاتے تھے

یہ ہیں مالکؒ اور اصحاب مالکؒ کے اقوال اور صحابہؓ وتابعینؒ سے اُنکی روایات جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلف صالح، قبر شریف پر صرف نبی صلعم کے سلام اور خود آپ کیلئے دعا کرنے کو جاتے تھے ۔ مالکؒ نے وہاں دیر تک کھڑے رہنے کو بھی مکروہ اور اہل مدینہ کیلئے ہر مرتبہ مسجد میں آنے اور جاتے وقت قبر پر جانے کو مکروہ قرار دیا ہے، یہ صرف پردیسیوں کیلئے ہے یا اہل مدینہ میں سے اُن لوگوں کیلئے جو سفر پر جا رہے ہوں یا واپس آئے ہوں، کیونکہ یہ نبی صلعم کیلئے سلام وتحیۃ ہے ۔ رہی انسان کی خود اپنے لئے دعا تو اُسکے لئے مسجد نبویؐ ہے جسمیں قبلہ رُخ ہو کر دعا مانگنا چاہیئے جیساکہ مالکیوں وغیرہ نے صحابہؓ سے روایت کیا ہے ۔ کسی صحابیؓ سے بھی منقول نہیں کہ اُس نے اپنے لئے دعا قبر نبویؐ کے پاس کی ہو ۔ اپنے لئے دعا کیا معنی خود نبی صلعم کیلئے بھی دعا قبر کے پاس دیر تک ٹھیر کر کی ہو ۔

قبر نبوی کے پاس اپنے لئے دعا

رہا نبی صلعم سے آپکی قبر کے پاس یا آپکے وصال کے بعد دعا کرنا، مرادیں مانگنا، سفارش وشفاعت کا خواستگار ہونا تو یہ سلف میں سے کسی ایک شخص نے بھی نہیں کیا ۔ خود آپ سے دعا وشفاعت تو بڑی چیز ہے، اگر قبر شریف کے پاس دعا کرنا یا آپکے حوالہ سے سوال کرنا بھی مشروع ہوتا تو ظاہر ہے صحابہؓ وتابعینؒ ضرور کرتے ۔ اس سے معلوم ہوُا کہ مذکورہ بالا منقطع حکایت میں امام مالکؒ کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا کہ "رسول اللہ کی طرف رُخ کرو اور آپ سے شفاعت چاہو" مالکؒ پر بہتان رکھنا ہے، یہ قول خود اُن کے اپنے اور جملہ صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال وافعال کے خلاف ہے، کہ جن پر خود امام مالکؒ اور اُنکے اصحاب کا عمل تھا اور جنھیں تمام علماء نے نقل کیا ہے ۔ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی قبر کی طرف رُخ کرکے کبھی خدا سے اپنے لئے دعا نہیں مانگی، کجا قبر کی طرف منہ کرکے خود رسول اللہؐ سے عرض کرنا کہ "اے آقا! میرے لئے شفاعت کیجیے، دعا کیجیے" یہ بھی نہیں ہوُا کہ آپ سے دنیاوی یا دینی

تکالیف و مصائب کا شکوہ کیا گیا ہو، یا آپ سے یا کسی اَور مُردہ سے خواہ انبیاءؑ میں سے ہو یا صالحین میں سے یا ملائکہ میں سے، خواہش کی ہو کہ وہ شفاعت کرے، مصائب دُور کرے - یہ باتیں مسلمانوں کی نہیں، نصاریٰ وغیرہ کفّار و مشرکین اور اِس امّت میں سے اُن کے ہم مشربوں کی ہیں - یہ افعال، سابقین اوّلین من المہاجرین والانصار کے نہیں، نہ تابعین لہم باحسان کے ہیں، نہ ائمہؒ میں سے کسی نے اُنکا حکم دیا ہے - نبی صلعم پر سلام درست ہے اور وہ سلام کرتے تھے، آپ قریب کا سلام خود سُنتے اور دُور کا سلام معلوم کر لیتے ہیں -

قبر نبوی کے پاس سلام

قبر شریف کے پاس سلام کو امام احمدؒ اور دوسرے اماموں نے حَیوٰۃ ابن شُریح المصریؒ کی حدیث کی بنا پر جائز بتایا ہے اُس میں ہے: "ما من احد یسلم علی الا رد اللّٰہ علی روحی حتیٰ ارد علیہ السلام" (جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے خدا اُسے میری روح تک پہنچا دیتا ہے تاکہ میں بھی اُسے سلام کا جواب دوں)-

قبر نبوی کی زیارت کی حدیثیں

رہیں قبر انور کی زیارت کی حدیثیں تو سب کی سب ضعیف اور نا قابلِ التفات ہیں، اسی لئے اصحابِ صحاح و سُننؒ نے اُن میں سے کوئی ایک بھی روایت نہیں کی - اُن میں سب سے زیادہ قوی حدیث عبد اللہ بن عمر العمریؓ کی ہے، مگر فی نفسہٖ وہ بھی ضعیف اور جھوٹ کی سیاہی سے کالی ہو رہی ہے - مثلاً بقول راوی فرمایا: "من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی" (جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا زندگی ہی میں میری زیارت کی) اِسکا باطل اور مخالفِ دین ہونا بالکل ظاہر ہے - کیونکہ جس نے ایمان کے ساتھ آپکی زندگی میں زیارت کی، صحابی ہے، اور اگر آپ کی طرف ہجرت کی یا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہُوا تو اَور بھی بڑے درجہ کا مستحق ہے - اور معلوم ہے کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنا ہی بڑھ جائے صحابہؓ کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "لا تسبوا اصحابی

فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل اُحُد ذھباً ما بلغ مد احدھم ولانصیفه"
(میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو، کیونکہ قسم ہے اُسکی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اُحُد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو بھی اُن کی ایک مُٹھی کو نہ پہنچو گے)۔ پس اگر بعد کا کوئی مسلمان فرض و واجب اعمال و عبادات مثلاً حج، جہاد، صوم، صلوۃ کے ذریعہ سے بھی صحابہؓ کے برابر نہیں ہوسکتا تو ایک ایسے فعل (زیارتِ قبرِ نبویؐ) کے ذریعے سے کیونکر اُن کا ہم رتبہ یا اُنکے مانند ہو سکتا ہے جو باتفاقِ جملہ اہلِ اسلام فرض و واجب نہیں، بلکہ اُسکے ارادہ سے سفر کا بھی حکم نہیں دیا گیا، حکم کیا معنی، اس قسم کے سفر ہی سے منع کر دیا گیا ہے! ہاں مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کیلئے سفر مستحب اور حج کیلئے کعبہ کا سفر فرض ہے، مگر اس مستحب و فرض سفر سے بھی کوئی شخص صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کجا ایسے سفر سے جسکی ممانعت ثابت ہے؟ تمام ائمہؒ متفق ہیں کہ اگر نبی صلعم یا دوسرے انبیاء وصالحین کی قبروں کی زیارت کیلئے منّت مانی گئی تو اُسے پورا کرنا روا نہیں، اسکے خلاف مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی منّت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اِس بارے میں امام شافعیؒ سے دو قول مروی ہیں: ایک یہ کہ اِس منّت کا پورا کرنا واجب ہے اور یہی امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے جن کا اصول ہی یہ ہے کہ نذر اُسی فعل کی واجب ہوگی جو شرعًا خود واجب ہے اور چونکہ اِن دونوں مسجدوں کا سفر شرعًا واجب نہیں اسلئے اُنکے نزدیک اس سفر کی نذر بھی واجب نہیں۔ لیکن اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ عبادات وطاعات کی نذر پوری کرنی چاہیئے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: "من نذر ان یطع اللّٰہ فلیطعه ومن نذر ان یعصی اللّٰہ فلا یعصه"
(جسنے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی، چاہیئے کہ اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی، چاہیئے کہ نافرمانی نہ کرے)۔

لفظ "زیارت" اور امام مالکؒ

رہا قبورِ انبیاء و صالحین کی زیارت کیلئے سفر تو وہ نذر ماننے کی وجہ سے کسی امام کے نزدیک بھی واجب نہیں ہوتا - پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ جو ایسا کریگا صحابہؓ کا ہم درجہ ہو جائیگا ؟ خصوصًا ایسی حالت میں کہ امام مالکؒ اِس قول تک کو بُرا اور مکروہ قرار دیتے ہیں کہ "میں نے قبرِ نبویؐ کی زیارت کی" اور یہ اِس لئے کہ لفظ "زیارت" مجمل ہے جسمیں بدعی زیارت بھی داخل ہے جو شرک کی قسم سے ہے - کیونکہ قبورِ انبیاء و مؤمنین کی زیارت، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، دو قسم کی ہے : شرعی زیارت اور بدعی زیارت - شرعی زیارت سے مقصود نمازِ جنازہ کی طرح مُردہ پر سلام اور اُسکے حق میں دعا ہوتی ہے - بدعی زیارت مشرکین و مبتدعین کی زیارت ہے جو مُردوں سے دعائیں کرنے اور منّتیں ماننے جاتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس دعا مانگنا مسجدوں اور گھروں میں دُعا مانگنے سے افضل ہے، یا یہ کہ خدا کو اُنکی قسم دلانا یا اُنکی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا مشروع اور قبولیت دعا کا ذریعہ ہے، یہ بدعی زیارت ہے اور اِس سے منع کیا گیا ہے - پس چونکہ لفظ "زیارت" مشتبہ و مجمل اور حق و باطل دونوں کو محتمل تھا اسلئے امام مالکؒ نے اُسے ناپسند کیا اور ایسے الفاظ اختیار کئے جن میں اِس طرح کا اشتباہ نہیں، مثلاً نبی صلعم پر سلام وغیرہ - امام مالک کی اِس رائے پر قبرِ نبویؐ کی زیارت والی حدیثوں سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں جن سے دین میں کوئی کام نہیں لیا جا سکتا -

حدیث "ما بین قبری و منبری" الخ

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ" (میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنّت کے چمنوں میں سے ایک چمن ہے) یہ نہایت صحیح و ثابت حدیث ہے - لیکن بعضوں نے اِسے بالمعنی روایت کر دیا ہے کہ "ما بین قبری و منبری الخ" (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان) حالانکہ

آپ نے یہ اُسوقت فرمایا تھا جب آپ زندہ موجود تھے اور قبر کا نام و نشان تک نہ تھا ۔ اسی لئے جب صحابہؓ میں آپکی جائے دفن کے بارے میں اختلاف ہوُا تو کسی نے بھی اِس حدیث سے استدلال نہیں کیا ، ورنہ اگر یہ حدیث لفظ "قبری" کے ساتھ اُن کے سامنے ہوتی تو نصِ شرعی کا کام دیتی اور کوئی جھگڑا نہ پیدا ہوتا ۔ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کئے گئے ، پھر جب ولید بن عبد الملکؒ کی خلافت اور مدینہ پر عمر بن عبد العزیزؒ کی امارت کے زمانہ میں مسجدِ نبویؐ میں توسیع کی گئی تو ازواجِ مطہرات کے حجرے جو مشرق میں قبلہ کی طرف تھے خرید کر اسمیں ملا دئے گئے ، حضرت عائشہؓ کا حجرہ بھی اُسی وقت سے مسجد میں داخل ہو گیا اور بیرونی دیوار ترچھی بنا دی گئی ، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ " لا تجلسوا علی القبور و لا تصلوا الیھا " (نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُنکی طرف منہ کر کے نماز پڑھو) کیونکہ اِس سے خود قبر کیلئے سجدہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ مصلّی اپنی نماز خدا ہی کیلئے پڑھ رہا ہو ۔ اِسیطرح قبروں کو مسجد قرار دینے یعنی قصداً اُنکے قریب جا کر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اگرچہ مصلّی خدا ہی کیلئے نماز کیوں نہ پڑھ رہا ہو ۔ پس جو لوگ انبیاء و صالحین کی قبروں پر جاتے ہیں تاکہ وہاں نماز پڑھیں یا دعا کریں تو وہ بعینہٖ اُس حرام کے مرتکب ہوتے ہیں جسکی راہیں اللہ اور اُس کے رسُول نے بند کر دی ہیں ۔ ہاں مشروع سلام اور مُردہ کے حق میں دعا کیلئے جانا درست ہے جیساکہ مذکور ہوُا ۔

درود و سلام

سفیان ثوریؒ کی حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا :

"ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام" (خدا کے ایسے فرشتے بھی ہیں جو زمین میں گشت کرتے پھرتے ہیں اور میری امّت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں) اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ دُور کا سلام آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں ۔ حدیث

---

۵۱ رواہ النسائی و ابو حاتم فی صحیحہ ۔

مشہور میں ہے کہ فرمایا: "اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فی کل یوم جمعۃ فان صلاۃ امتی تعرض علیّ یومئذ فمن کان اکثرھم علیّ صلاۃ کان اقربھم منی منزلۃ" (ہر جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ اسی دن میری امت کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جو مجھ پر جتنا زیادہ درود بھیجتا ہے اُتنا ہی زیادہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے) مسند احمدؒ میں ہے کہ فرمایا: "لا تتخذوا قبری عیدا ولا تجعلوا بیوتکم قبورا وصلوا علیّ حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلغنی" (میری قبر کو زیارت گاہ نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ، جہاں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود مجھے پہنچ جائیگا) قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ کی حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ فرمایا: "من صلیٰ علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ" (جو میری قبر کے پاس درود پڑھیگا اُسے سُن لُونگا اور جو کہیں دُور پڑھیگا وہ مجھے پہنچ جائیگا) مسند ابی یعلیٰؒ موصلی میں حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبورا، ولا تتخذوا بیتی عیدا صلوا علیّ وسلموا فان صلاتکم وسلامکم یبلغنی" (اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور اُنھیں قبرستان نہ قرار دو، میرے گھر کو زیارت گاہ مت بناؤ بلکہ جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود وسلام بھیجو، تمہارا درود وسلام مجھے پہنچ جائیگا) سنن سعید بن منصورؒ میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے پوتے عبد اللہ بن الحسین نے ایک شخص کو بار بار قبر اطہر پر آتے جاتے دیکھا تو اُس سے کہا "یا ھذا! ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تتخذوا قبری عیدا وصلوا علیّ حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلغنی" فما انت ورجل بالاندلس منہ الا سواء" (اے شخص، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے "میری قبر کو زیارت گاہ مت جاؤ، (بلکہ) جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، مجھے پہنچ جائیگا" پس اس معاملہ میں تو اور وہ جو اسپین میں ہے، دونو برابر ہیں) بالکل یہی بات امام زین العابدینؓ

سے بھی مروی ہے (مختار الحافظ المقدسی) قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السّلام نے فرمایا " اذا دخلت فسلم علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال، لا تتخذوا بیتی عیدا ولا تتخذوا بیوتکم قبورا وصلوا علی حیث کنتم فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم " (جب تو داخل ہو تو نبی صلعم پر سلام بھیج، کیونکہ نبی صلعم نے فرمایا ہے: میرے گھر کو زیارت گاہ نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، جہاں کہیں ہو مجھپر درود بھیجو، کیونکہ جہاں کہیں بھی ہوگے تمہارا درود مجھے پہنچ جائیگا)۔

امام مالکؒ کی حکایت بے حقیقت

امام مالکؒ والی حکایت کو جو چیز اور بھی کمزور کر دیتی ہے یہ ہے کہ (بقولِ راوی) اُنھوں نے کہا " ولِمَ تصرف وجھك عنه وھو وسیلتك ووسیلة ابیك آدم یوم القیامة " (آپ سے (رسول اللہ سے) کیوں روگردانی کرو جبکہ آپ تمہارا اور تمہارے باپ آدمؑ کا قیامت میں وسیلہ ہیں) اِس سے صرف اِتنا ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں لوگ آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنائینگے۔ اور یہ درست ہے جیساکہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ یعنی قیامت میں لوگ آپکی شفاعت و دعا کو اُسی طرح وسیلہ بنائینگے جسطرح زندگی میں صحابہؓ کیا کرتے تھے۔ یعنی آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کرینگے۔ لیکن اگر اس سے کوئی یہ معنی لے کہ دنیا میں آپ کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر آپ سے دعا و شفاعت کی التجا کی جائے تو ظاہر ہے اِسکا نہ نبی صلعم نے امت کو حکم دیا نہ کسی صحابی اور تابعی نے اِسے کیا اور نہ کسی امام نے اِسے اچھا بتایا ہے۔ پھر اِس طرح کی بات امام مالکؒ کی طرف منسوب کرنیکا کیا موقعہ ہوسکتا ہے کہ جیسے کوئی ایسا ہی جاہل کہہ سکتا ہے جو شرعی دلائل اور قطعی احکام سے قطعًا بیخبر ہے نہ مالک جیسا جلیل القدر عالم متبحر، متبعِ سنّت اور دشمنِ بدعت امام! اس طرح کی بات کہنے والا اور اسکا حکم دینے والا بدعتی ہی ہوسکتا ہے، امام مالکؒ ہرگز نہیں ہوسکتے!

اگر اِس حکایت کے خلاف امام مالکؒ سے کوئی قول بھی موجود نہ ہوتا جب بھی یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ اُنھوں نے ایسا نہ کہا ہوگا کیونکہ یہ اُن کی شان کے سراسر خلاف ہے!

خدا کو سفارشی بنانا

پھر حکایت میں ہے کہ امام مالکؒ نے کہا "استقبله واستشفع به فیشفعك الله" (اسکی (قبر مبارک کی) طرف منہ کرو اور اُنھیں شفیع بناؤ پس اللہ آپؐ کو تمہارا شفیع بنا دیگا) لغت میں "استشفاع" کے معنی ہیں، شفاعت طلب کرنا، یعنی آپ سے شفاعت کی درخواست کرو جیساکہ زندگی میں صحابہؓ کرتے تھے اور قیامت میں مخلوق کریگی۔ اِسی سلسلہ کی سُنن میں ایک حدیث ہے کہ ایک بدّو نے آکر عرض کی: اے رسول اللہ جاندار ہلکان ہوگئے، اہل وعیال پر فاقہ ٹوٹا، مال ومتاع غارت ہوا، آپ خدا سے دعا کیجیے، ہم اللہ کی سفارش آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور آپکی سفارش اللہ کے سامنے۔ اِسپر رسول اللہ صلعم نے "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کہنا شروع کیا، یہانتک کہ خوف سے صحابہؓ کے چہرے متغیر ہوگئے۔ پھر آپنے فرمایا "ويحك اتدری ما تقول؟ شان الله اعظم من ذلك، انه لا يستشفع به على احد من خلقه الخ" (جو کچھ تو کہہ رہا ہے اُسے سمجھتا بھی ہے؟ خدا کی شان اِس سے کہیں برتر ہے، وہ کسی مخلوق کے سامنے بھی سفارشی نہیں بنایا جا سکتا) پس حدیث میں مخلوق کے سامنے اللہ کی سفارش لانے کے خیال کو بُرا بتایا گیا ہے، کیونکہ اللہ کے نام پر مخلوق سے سوال ہو سکتا ہے اور معاذ اللہ خدا کسی مخلوق کے سامنے سفارشی نہیں بن سکتا۔ اِسی لئے بدّو کے قول "نستشفع بك على الله" (ہم تیری شفاعت اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں) پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ آپ شافع ومُشفّع ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا۔ اور اِسی لئے حکایت کے آخر میں کہا "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ" (جب اُنھوں نے

اپنے اوپر ظلم کیا اگر تیرے پاس آتے الخ)۔

پس اگر وصال کے بعد بھی آپ سے شفاعت و استغفار طلب کرنا مشروع ہو اور آپ اِسے منظور کرلیں تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ اُن کیلئے استغفار کریں، اور آپکا استغفار، آپ کی دعا و شفاعت ہے کہ خدا اُنھیں بخشدے۔ پس اگر "استشفاع" کے معنی طلبِ شفاعت ہیں تو جملہ یُوں ہوگا "استشفع به فيشفعه الله فيك" نہ یوں "فيشفعك الله فيه"، یہ بات بالکل واضح اور قواعدِ لغت اور نبی صلعم، صحابہؓ اور جملہ علماء کے کلام میں معروف ہے۔

صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ کا مسلک

پھر یہ کہ وصال کے بعد اور قبر شریف کے پاس آپ سے شفاعت و دعا و استغفار کی درخواست کسی امام کے نزدیک بھی مشروع نہیں۔ ائمہ اربعہؒ اور اُنکے قدیم اصحاب نے اِسکا کہیں ذکر نہیں کیا، البتہ بعض متاخرین نے اِس طرح کی بات کہی ہے اور ایک حکایت بھی بیان کی ہے کہ ایک بدّو قبر نبوی پر حاضر ہوا اور آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ" پڑھی، پھر اُس نے خواب میں دیکھا کہ خدا نے اُسے بخشدیا۔ لیکن مجتہدین اصحابِ مذاہب میں سے کسی ایک نے بھی اسطرح کی کوئی چیز بیان نہیں کی اور یہ لوگ بھی جو کچھ بیان کرتے ہیں، بلا کسی شرعی دلیل کے ہے جسکا کوئی وزن نہیں۔ اور ظاہر ہے قبر کے پاس آپ سے دعا و شفاعت و استغفار کی التجا اگر جائز ہوتی تو صحابہؓ اور تابعینؒ اِسے سب سے پہلے جانتے اور اِسپر سب سے پہلے کاربند ہوتے، نیز ائمہ اسلام بھی اِسے نقل و روایت کرتے۔ امام مالکؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے "لا يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح اوّلها"، (اِس امت کا آخر بھی اُسی سے درست ہوگا جس سے اُسکا اوّل درست ہوا ہے) اور کہا "اِس امّت کے اوائل سے مجھے یہ بات نہیں پہنچی" پس ایسا امام جسکا یہ قول ہے کیا ایسا دین ایجاد کرے گا جو سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں اور امّت کو حکم دیگا کہ انبیاء و صالحین سے

اُنکی قبروں کے پاس دعا و شفاعت و استغفار طلب کریں؛ ایک ایسی بات جو سلف صالح میں سے کسی نے بھی نہیں کی اور نہ کہی ؟

لفظ "شفاعت" کی تحقیق

حکایت میں لفظ "شفاعت" اِس طرح آیا ہے جس طرح بہت سے عوام بولتے اور اُس سے "وسیلہ" کے معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں "ہم تیرے سامنے فلاں فلاں کی شفاعت پیش کرتے ہیں" اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وسیلہ لاتے ہیں۔ اِسی طرح جب دعا میں کسی نبیؑ یا ولی کا وسیلہ چاہتے ہیں تو کہتے ہیں "فلاں کی شفاعت حاصل ہوئی" عام اس سے کہ اُس بزرگ نے اُن کے حق میں دعا و شفاعت کی ہو یا نہ کی ہو، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ جس سے شفاعت چاہتے ہیں وہ غیر حاضر ہوتا ہے، نہ اُنکی بات سُنتا ہے نہ شفاعت کرتا ہے۔ "استشفاع" (طلب شفاعت) کا اس معنی میں استعمال نبی صلعم، صحابہؓ اور علماء اُمت کی بولی بلکہ لغتِ عرب کے بھی سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ استشفاع کے معنی ہیں شفاعت طلب کرنا۔ شافع، سائل کی شفاعت کرتا اور اُسکے حق میں مسئول سے دعا کرتا ہے۔ لیکن جسنے نہ شفاعت کی نہ سائل کی مراد مانگی بلکہ شاید اُسکے سوال سے واقف بھی نہیں ہُوا، تو اُس سے شفاعت چاہنا اور استشفاع کا لفظ اس موقع پر استعمال کرنا نہ لغۃً درست ہے اور نہ کسی ایسے شخص کے کلام میں آسکتا ہے جو سمجھ کی بات کرتا ہے۔ یہ استشفاع نہیں بلکہ اُس بزرگ کے وسیلہ سے سوال ہے۔ لیکن چونکہ اِن لوگوں نے شریعت کی طرح لغت میں بھی تحریف کردی ہے اِسلئے اِس طرح کے سوال و دعا کو استشفاع کا نام دیدیا اور کہنا شروع کردیا "استشفع بہ فیشفعك" یعنی تیری دعا پُوری کریگا۔ اِس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ حکایت کسی ایسے کو دن نے گھڑی ہے جو شریعت و لغت دونوں سے بالکل کورا ہے، ورنہ کہاں امام مالکؒ اور اُنکی فصاحت اور کہاں یہ حکایت

ممکن ہے اِس حکایت کی بنیاد صحیح ہو، امام مالکؒ نے خلیفہ کو مسجد نبوی میں چلّانے سے منع کیا ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے اور حکم الٰہی کے بموجب رسول اللہ کی تعظیم و توقیر کی نصیحت کی ہو، وغیرہ باتیں جو امام مالکؒ کے شایانِ شان ہیں۔ لیکن اِس سے اُن کا وہ مقصود ہرگز نہیں ہوسکتا جو اِس حکایت سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

فہم حدیث میں غلطی کی ایک بڑی وجہ

اس طرح کی غلطی ہر اُس شخص سے ہوسکتی ہے جو نبی صلعم اور صحابہؓ کرام کی زبان اور طرزِ خطاب سے ناواقف ہے۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ لوگ کسی خاص گروہ کی اصطلاح اور اسلوبِ بیان کے عادی ہوجاتے ہیں، پھر وہی الفاظ' اللہ' رسولؐ' صحابہؓ کے کلام میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اللہ' رسولؐ اور صحابہؓ کی بھی مراد اُن سے وہی ہے جو اصطلاح والوں کی ہے۔ حالانکہ کبھی ایسا نہیں ہوتا اور اللہ' رسولؐ اور صحابہؓ کی مراد بالکل دوسری ہوتی ہے۔

لغت میں اصطلاح کی تحریف

چنانچہ یہ صورتِ حال اسوقت بھی موجود ہے اور اہلِ کلام و فقہ و نحو اور عوام کی بڑی بڑی جماعتیں اِس غلطی میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو انبیاء اور اُنکے متبعین کے الفاظ کو قصداً ایسے معانی پہنا دیتے ہیں جو اُنکے اصلی معنی کے مخالف ہوتے ہیں۔ پھر وہ لوگ یہ الفاظ بولتے ہیں اور اپنے خود ساختہ معانی مراد لیتے اور بڑے شد و مد سے کہتے ہیں کہ ہم انبیاء کے مخالف نہیں بلکہ اُنکے پیرو اور اُنکی لائی ہوئی ہدایت کے قائل ہیں۔ یہ چیز بہت سے ملحد متفلسفہ' اسماعیلیہ اور اُنکے امثال و اشباہ ملحد متکلمہ و متصوفہ کے کلام میں بکثرت موجود ہے۔ مثلاً بعضوں نے "مُحدَث و مخلوق و مصنوع" کا اُس شئی پر اطلاق شروع کر دیا ہے جو معلول ہو' اگرچہ یہ معلول قدیم و ازلی ہی کیوں نہ ہو اور اُسے "حدوثِ ذاتی" کا نام دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم بھی قائل ہیں کہ عالم مُحدَث ہے' حالانکہ اِس سے اُنکی مراد' اپنے من مانے معانی ہوتے ہیں جو تمام قوموں کی بول چال کے بالکل خلاف ہیں' کیونکہ مُحدَث سے سب یہی سمجھتے ہیں کہ ایسی چیز

جو معدوم تھی اور وجود میں آئی۔

اسی طرح وہ لفظ "ملائکہ، جن، شیاطین" کا اطلاق عقول و قویٰ نفسیہ پر کرتے اور کہتے ہیں کہ انبیاء کی وحی پر جس طرح تمام امّت ایمان رکھتی ہے، ہم بھی رکھتے ہیں اور ملائکہ و جن و شیاطین کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص انبیاء کی مراد اور ان کی اصطلاحوں سے واقف ہے خوب جانتا ہے کہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

"عقل اوّل"

اسی طرح "عقلِ اوّل" سے وہ خاص معنی مراد لیتے ہیں۔ اُنکے زعم میں عقلِ اوّل ازل سے ابد تک رب العالمین کے ساتھ ہے، رب العالمین کے ماسوا جملہ کائنات کی موجد یا کم از کم اُسکے وجود کا ذریعہ ہے۔ "عقلِ فعّال" اُنکے ہاں وہ ہے جس سے فلکِ قمر کے نیچے جملہ امور و اشیا کا صدور ہوتا ہے۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم جاننے والا جانتا ہے کہ اُنکے ہاں ذاتِ باری کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں مانی جاتی جو جملہ کائنات کی یا فلکِ قمر کے نیچے جملہ موجودات کی پروردندہ، یا قدیم، ازلی ابدی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ نیز جانتا ہے کہ نبی صلعم سے جو یہ حدیث روایت کی جاتی ہے کہ:

"اوّل ما خلق اللہ العقل الخ" باطل ہے، اور اگر بفرض صحیح ہوتی تو خود ان ملحدوں ہی پر حجت ہوتی، کیونکہ پوری حدیث یوں بیان کی جاتی ہے "اول (بنصبه علی الظرفیة) ما خلق الله العقل، فقال له اقبل فاقبل ثم قال له ادبر فادبر، فقال وعزتی ما خلقت خلقا اکرم علی منك، فبك آخذ وبك اعطی وبك الثواب وبك العقاب" (جب خدا نے عقل پیدا کی تو شروع میں اُس سے کہا آگے آ، وہ آ گئی، پھر کہا لوٹ جا، لوٹ گئی، تب فرمایا قسم اپنے دبدبہ کی، میں نے تجھ سے زیادہ عزیز کوئی چیز پیدا نہیں کی، میں تیرے ذریعہ سے لونگا اور تیرے ہی ذریعہ سے دونگا، تجھی سے ثواب ہے اور تجھی سے عذاب ہے) ایک اَور روایت میں ہے "لما خلق الله العقل" (جو پہلی روایت میں لفظ "اوّل" کے منصوب علی الظرفیۃ ہونے

کی دلیل ہے۔ مترجم) پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو مطلب یہ ہوتا کہ خدا نے جب عقل پیدا کی تو سب سے پہلے اُس سے یہ فرمایا، اور یہ کہ اس سے پہلے اَور کچھ بھی خلق کرچکا تھا، اور یہ کہ اُسکے ذریعہ یہ چار باتیں واقع ہوتی ہیں نہ جملہ مصنوعات "عقل" مسلمانوں کی زبان میں ایک مصدر ہے: عَقَلَ یَعْقِلُ عَقْلاً " اور اس سے مراد وہ قوت ہے جسکے ذریعہ سے تمیز اور علوم و اعمال حاصل ہوتے ہیں۔ لغت میں کبھی بھی اُس سے ایسا جوہر مراد نہیں لیا گیا جو "قائم بنفسہٖ" ہو۔ ہم دوسرے مقامات میں عقل صریح سے ثابت کرچکے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، غلط ہے اور یہ کہ مجردات و مفارقات کی جنس سے جو کچھ اُنکی بکواس ہے، اس سے اُنکا مقصود اثباتِ نفس ہے۔ جسے موت کا ہاتھ جسم سے جدا کر دیتا ہے، نیز اُن علوم و معقولات کا اثبات ہے جو نفس سے قائم ہیں۔ یہ ہے وہ زیادہ سے زیادہ حق جسے وہ اِس باب میں ثابت کرتے ہیں۔

یہاں مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہؐ کو یہ لوگ اور اُنکے ہم مشرب بولتے تو ہیں مگر وہ مطلب نہیں لیتے جو اللہ اور رسُول کا ہے بلکہ خاص اپنے من گھڑت معنی مراد لیتے ہیں۔ مثلاً مصنف "الکتب المضنون بہا" اور اُسکے ہم مشربوں نے "لوح محفوظ" کو نفس ملکیہ قرار دیا ہے، "قلم" کو عقل اوّل، "ملکوت و جبروت و ملک" کو نفس و عقل بتایا ہے، "شفاعت" کو کہا ہے کہ وہ ایک فیض ہے جو طالب شفاعت پر شفیع کی طرف سے جاری ہوتا ہے اگرچہ خود شفیع کو بسا اوقات اِسکا پتہ نہیں چلتا وغیرہ خرافات جن میں ابن سینا کی تقلید ہے جیسا کہ کسی اَور جگہ مفصّل بیان ہوچکا۔ ×

مقصود یہ ہے کہ اِس قسم کے لوگ رسول اللہ صلعم کی زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے کیسی کیسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "قدیم" ہی کو دیکھو جسکے معنی رسولؐ کی

لفظ "قدیم"

زبان میں، کہ جسمیں قرآن اُترا، خلاف "حدیث" (یعنی نیا) ہیں اگرچہ اس سے پہلے کسی اَور کا بھی وجود ہو چکا جیسا کہ فرمایا : حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ "الْقَدِيْمِ"[۵۱] اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی زبانی کہا "اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ" "الْقَدِيْمِ"[۵۲] اور "اَفَرَاَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ" "الْاَقْدَمُوْنَ"[۵۳] حالانکہ اہلِ کلام کی اصطلاح میں یہ لفظ (قدیم) اُس چیز سے عبارت ہے جو ہمیشہ سے ہے یا جس سے پہلے اَور کوئی وجود نہ تھا ۔ اسی طرح لفظ "کلمہ"، قرآن و حدیث اور تمام عربی زبان میں جملۂ تامہ کو کہتے ہیں جیساکہ نبی صلعم نے فرمایا : "کلمتانِ "حبیبتان الی الرحمن، خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان : سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم" (دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو پسند ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں : سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم") اور فرمایا : ان اصدق "کلمۃ" قالھا شاعر "کلمۃ "لبید : الا کل شئ مَاخَلَا اللہ باطل" (سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، لبید کی بات ہے کہ : خدا کے ماسوا سب کچھ بے اصل ہے) اسیطرح قرآن میں ہے : كَبُرَتْ "كَلِمَةً" تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" (۱۵ : ۱۳) (اُن کے منہ سے بڑی بات نکلی ہے، وہ سراسر جھوٹ کہتے ہیں) اور فرمایا : قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى "كَلِمَةٍ" سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" (۳ : ۱۵) (اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مسلّم ہے) اور فرمایا : وَجَعَلَ "كَلِمَةَ" الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ "كَلِمَةُ" اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا"[۵۴] (کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کا بول بالا ہے) - عربی زبان میں "کلمہ" و "کلام" صرف اسی معنی میں بولا جاتا ہے لیکن

لفظ "کلمہ"

۵۱ (۲۳ : ۲) یہانتک کہ کھجور کی پُرانی شاخ کی طرح ہو گیا۔

۵۲ (۱۳ : ۵) تم اپنی پُرانی گمراہی میں پڑے ہو۔

۵۳ (۱۹ : ۹) کیا تم نے دیکھا کہ تم اور تمہارے پُرانے باپ دادا کس چیز کی پرستش کرتے تھے ؟

۵۴ (۱۰ : ۱۲)۔

نحویوں نے یہ اصطلاح بنالی ہے کہ تنہا اسم و فعل و حرف کو کلمہ کہتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِس اصطلاح کا عادی اِس وہم میں پڑ جاتا ہے کہ لغتِ عرب بھی یہی ہے ۔ اِسی طرح " ذوی الارحام " کتاب و سنت میں ماں باپ دونوں کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں ۔ اِسمیں عُصبہ و ذوی الفروض بھی داخل ہیں اور وہ بھی جو محجوب الارث ہیں ۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں یہ لفظ صرف اِن لوگوں کیلئے خاص ہو گیا ہے جس سے ناواقف دھوکا کھا جاتے ہیں کہ اللہ و رسولؐ اور صحابہؓ کے کلام میں بھی اِس لفظ کے یہی معنی ہیں ۔ اِس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں ۔

"وسیلہ و شفاعت کی تحقیق"

لفظ " توسّل " (وسیلہ لینا) و " استشفاع " (شفاعت چاہنا) میں بھی یہی صورت ہوئی ہے کہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ کی زبان میں تحریف ہو گئی ہے جسکی وجہ سے لوگونکو دین و لغت کے فہم میں سخت ٹھوکر لگی ہے ۔ علم کیلئے ضروری ہے کہ اُسکی نقل و روایت صحت کے ساتھ ہو اور محققانہ نظر سے اُسمیں کام لیا جائے ۔ اللہ ، رسولؐ ، سلف اور علماء سے جو کچھ نقل کیا جائے اُس کیلئے ضروری ہے کہ الفاظ کی صحت جانچی جائے اور اُنکی دلالت و مفہوم کی تحقیق میں کاوش کی جائے ۔ کتاب و سنّت متفق ہیں کہ خدا نے ہمیں نبی صلعم پر ہر جگہ درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے ۔ حدیثِ صحیح میں ہمیں ترغیب دیگئی ہے کہ آپ کیلئے وسیلہ و فضیلہ طلب کریں اور دعا کریں کہ حسب وعدہ خدا آپ کو مقامِ محمود میں اُٹھائے ۔ پس یہ وہ وسیلہ ہے جسکا اللہ سے طلب کرنا مشروع ہے جیسا کہ آپ پر درود و سلام مشروع ہے ۔ آپ کیلئے وسیلہ کی دعا امت پر آپ کا ویسا ہی حق ہے جیسا درود و سلام ایک حق ہے ۔ لیکن وہ وسیلہ جسکی جستجو کا خدا نے ہمیں حکم دیا ہے وہ اطاعت کے ذریعہ سے درگاہِ خداوندی میں تقرب ہے ۔ اِس وسیلہ کے ضمن میں وہ تمام احکام داخل ہو جاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے یا اللہ کے رسول کی طرف سے ہمیں پہنچے ہیں ۔ نیز اُسکے حصول کی اِسکے سوا کوئی

صورت نہیں کہ ایمان و طاعت کے ساتھ نبی صلعم کی پیروی کی جائے۔ اِس وسیلہ کی تلاش ہر فرد بشر پر فرض ہے۔ رہا آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ جیساکہ لوگ قیامت میں شفاعت کی درخواست کرینگے اور جیساکہ صحابہؓ استسقا وغیرہ موقعوں پر آپکی شفاعت کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور جیساکہ اندھے نے آپکی دعا کو وسیلہ بنایا اور خدا نے آپکی دعا و شفاعت کی برکت سے اُسکی بینائی لوٹا دی۔ تو یہ وسیلہ کی تیسری صورت ہے اور اُن امتیازات میں سے ہے جو خدا نے آپکو بخشے ہیں کہ آپکی بزرگی کی وجہ سے آپ کی دعا و شفاعت قبول فرمالیتا ہے۔ لیکن یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اِس وسیلہ میں آپ کا دعا و شفاعت کرنا شرط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ جن کے حق میں آپ کی دعا و شفاعت ہے اور جن کے حق میں نہیں، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے یہاں پر سخت دھوکا کھایا ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ صحابہؓ کا آپکو وسیلہ بنانا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ خدا کو آپ کی قسم دلاتے اور آپکی ذات کے حوالہ سے دعا کرتے تھے۔ اِس غلطی میں پڑکر دوسری غلطی اُنھوں نے یہ کی کہ اِس طرح کے غلط سمجھے ہوئے وسیلہ کو علی الاطلاق مشروع سمجھ لیا کہ ملائکہ و انبیاء بلکہ حقیقی و فرضی اولیاء و صالحین میں سے جسے چاہو اُسکے جیتے جی یا مرے پیچھے وسیلہ ٹھیرالو۔ اِس قسم کے وسیلہ کے بارے میں جتنی مرفوع حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اُن میں کوئی ایک بھی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں، نہ صحیحین میں نہ کتب سنن میں نہ معتمد مسانید مثل مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کسی میں بھی نہیں، البتہ وہ ایسی کتابوں میں ملتی ہیں جنکے متعلق معلوم ہوچکا ہے کہ اُنمیں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جو از سرتاپا موضوع اور دروغ بافوں کی خود ساختہ ہیں۔ حدیث کے راوی بھی کئی قسم کے ہیں، ایک تو وہ ہیں جو قصدًا جھوٹ بولتے ہیں، سو اُنکی روایت کسی معتبر محدث نے نہیں لی۔ اور ایک وہ ہیں جو کبھی غلطی کرجاتے ہیں مگر جان بوجھکر جھوٹ نہیں بولتے، سو اُنکی روایتیں سنن اور مسند امام احمدؒ وغیرہ میں موجود ہیں۔ امام احمدؒ نے

مسند امام احمدؒ اور موضوع حدیثیں

اپنی مسند میں کسی ایک جھوٹے سے بھی روایت نہیں لی ہے'، اِسی لئے حافظ ابو العلا ہمدانی اور شیخ ابوالفرج ابن جوزیؒ میں مباحثہ ہو پڑا کہ مسند میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں ؟ حافظ ابو العلاؒ کہتے تھے کہ مسند میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں اور ابن جوزیؒ کہتے تھے کہ اسمیں بعض ایسی حدیثیں ملتی ہیں جنکے متعلق یقین سے معلوم ہو چکا ہے کہ باطل ہیں - لیکن دونوں قولوں میں کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ ابن جوزیؒ کی اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جسکے بطلان پر دلیل قائم ہو جائے اگرچہ اُسکے راوی نے قصداً غلط بیانی نہ بھی کی ہو بلکہ سہو کا شکار ہوا ہو - یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی کتاب "موضوعات" میں اس قسم کی بہت سی حدیثیں درج کر دی ہیں اور علماء کی ایک جماعت نے اُنکی موضوع ٹھیرائی ہوئی بہت سی حدیثوں سے اختلاف کیا ہے - لیکن حق یہ ہے کہ موضوعات کے باب میں ابن جوزیؒ کی رائے باتفاق علما اکثر درست ہے - رہے حافظ ابوالعلاؒ اور اُنکے ہم مشرب تو اُنکی اصطلاح میں موضوع وہی حدیث ہے جسے راوی نے جان بوجھ کر گھڑا ہے'' اور معلوم ہے جھوٹ سلف میں کم تھا -

حضرت خضرؑ

چنانچہ بفضلِ خدا صحابہؓ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ رسول اللہؐ پر جھوٹ بولا ہو - اِسیطرح اُنمیں کوئی بھی خوارج، روافض، قدریہ، مرجیہ وغیرہ مبتدع کا ہمنوا نہ تھا - نیز کوئی ایسا نہ تھا جسنے دعویٰ کیا ہو کہ خضر سے راہ رسم رکھتا ہے، کیونکہ حضرت موسیٰؑ والے خضرؑ تو مر چکے جیسا کہ ہم کسی اَور جگہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ "حضرت خضرؑ" جو اکثر لوگوں کے پاس چھپے چھپے تشریف لایا کرتے ہیں، دراصل شریر جن ہے جو آدمی کا روپ بھر لیتا ہے یا وہ خود کوئی فریبی انسان ہی ہوتا ہے جو ان سادہ لوحوں کو بیوقوف بناتا ہے - ظاہر ہے وہ فرشتہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ فرشتے جھوٹ نہیں بولتے - جھوٹ کا چلن تو صرف جن و انس ہی میں ہے -

میں خود ایسے لوگونکو جانتا ہوں جنکے پاس خضر آیا، جیساکہ اُنھیں یقین تھا، لیکن وہ واقع میں جِنّ تھا۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر صحابہؓ ایسے کچے نہ تھے کہ اِس طرح کے شعبدوں میں آجاتے۔ اِسیطرح اُن میں کوئی ایسا نہ تھا جسے جِنّ، مکہ اور عرفات تک اُڑالے گئے ہوں کہ بے تکان حج حاصل ہوجائے جیساکہ بہت سے جاہل عابدوں پر اُنکی یہ عنایت ہوتی ہے! اور نہ اُنمیں ایسے بزرگ موجود تھے جن کے پاس جِنّ دوسروں کا مال اور کھانا چُرا لاتے ہوں اور اِسے کرامت سمجھا جاتا ہو۔

یہی حال تابعین کا تھا، مکہ، مدینہ، شام اور بصرہ کے تابعین کے متعلق معلوم نہیں ہوُا کہ قصداً جھوٹ بولے ہوں۔ برخلاف شیعہ کے جنمیں جھوٹ عام ہے تابعینؒ کے بعد جو لوگ آئے اُنمیں سے بعض جماعتوں میں جھوٹ پایا جاتا ہے۔ رہی بھول چوک تو کم آدمی اس سے محفوظ ہیں۔ بلکہ خود صحابہؓ میں ایسے لوگ موجود تھے جن سے کبھی سہو ہوجاتا تھا۔ اِسی لئے اُن کتب حدیث میں، جنمیں صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے ایسی حدیثیں موجود ہیں جنکا غلط ہونا معلوم ہے۔ اگرچہ صحیحین کے متن عام طور پر حق اور مسلّم ہیں۔ یہ بات نہیں کہ حافظ ابوالعلاءؒ غلط حدیثیں نہ جانتے ہوں، بلکہ خود امام احمدؒ نے اِسکی تصریح کردی ہے کہ مسند میں چند ایسی حدیثیں محض اسلئے روایت کردی ہیں کہ لوگ اُن سے خبردار ہوجائیں۔ لیکن وہ لوگ جو جان بوجھ کر جھوٹ بناتے تھے، سو امام احمدؒ نے اُن سے کوئی حدیث نہیں لی، حتیٰ کہ اُنھوں نے ایک ایسے گروہ کی حدیثوں سے بھی اپنی مسند پاک رکھی ہے جن سے ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ اصحاب سنن روایت کرتے ہیں مثلاً مشیخہ بن کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہٖ کہ جس سے ابوداؤد نے روایت کی ہے مگر احمدؒ نے نہیں کی۔ اِس سے معلوم ہوُا کہ مسندِ احمدؒ کی شرطِ روایت، سنن ابوداؤد کی شرط سے بہتر ہے۔

فضائل میں ضعیف روایتیں

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ جو احادیث اِس بارے میں روایت کی جاتی ہیں وہ اُن غریب، منکر بلکہ موضوع احادیث میں سے ہیں جنھیں فضائل و مناقب کے سلسلہ میں غث وثمین ہر طرح کی روایتیں جمع کرنے والوں نے روایت کیا ہے۔ اوقات و اماکن، عبادات واخلاق، انبیاء و صحابہؓ ..... کے فضائل میں لوگوں نے ہر طرح کی حدیثیں روایت کر دی ہیں جنمیں صحیح بھی ہیں، حسن بھی، ضعیف بھی، اور سراسر موضوع و کذب بھی۔ لیکن شریعت میں صرف صحیح و حسن احادیث ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے، ضعیف احادیث لینا روا نہیں۔ البتہ امام احمدؒ وغیرہ بعض علماء نے فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث کی روایت جائز رکھی ہے بشرطیکہ اُن کا جھوٹ ثابت نہ ہو گیا ہو۔ اور یہ اِس بنا پر کہ جب کوئی عمل، دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ مشروع ہے اور اُسکی فضیلت میں ضعیف حدیث روایت کیگئی (بشرطیکہ جھوٹی نہ ہو) تو خیال ہوتا ہے کہ ثواب درست ہو۔ لیکن کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل بھی واجب یا مستحب قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے مخالفِ اجماع ہے۔

اسیطرح کوئی چیز بغیر دلیل شرعی کے حرام نہیں ٹھیرائی جا سکتی۔ لیکن اگر حرمت ثابت ہو گئی پھر اُسکی وعید میں کوئی حدیث روایت کیگئی تو اُسکی روایت جائز ہے، بشرطیکہ اُسکا کذب ثابت نہ ہوا ہو۔ بنابریں ترغیب و ترہیب میں غیر موضوع احادیث کی روایت جائز ہے مگر شرط یہی ہے کہ دوسرے قوی دلائل سے معلوم ہو گیا ہو کہ خدا کی طرف سے اُس فعل کی ترغیب یا ترہیب ہوئی ہے، ورنہ نہیں۔

اسرائیلیات

اسیطرح اُن اسرائیلیات کی روایت بھی جائز ہے جن کا بطلان ثابت نہ ہوا ہو، مگر صرف اُنھیں اعمال کی ترغیب یا ترہیب میں جنکے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ خدا نے ہماری شریعت میں اُن کا حکم دیا یا اُن سے منع کیا ہے۔ لیکن محض اسرائیلیات کو دلیل شرعی قرار دینا اور اُن سے کسی فعل کی حلت یا حرمت ثابت کرنا جائز نہیں۔ اِس طرح کی

بات کوئی عالم بھی نہ کہیگا - چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور کسی امام نے بھی اِس قسم کی احادیث کو شریعت میں معتمد علیہ قرار نہیں دیا ہے - بنا بریں جو کوئی کہتا ہے کہ امام احمدؒ ایسی ضعیف حدیث سے، جو نہ صحیح ہے نہ حسن، حجت لاتے ہیں، تو وہ سخت غلطی پر ہے اور امام احمدؒ کے مسلک سے بالکل ناواقف ہے - امام احمدؒ اور اُن سے پہلے کے علماء کی اصطلاح میں حدیث کی یہ تقسیم ہی نہ تھی کہ ایک صحیح ہے اور ایک ضعیف، پھر ضعیف کی دو قسمیں ہیں: متروک اور ضعیف حسن -

حدیث حسن

سب سے پہلے ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی کتاب میں یہ تقسیم کی ہے کہ حدیث صحیح ہوتی ہے، حَسَن ہوتی ہے، ضعیف ہوتی ہے - حَسَن اُنکی اِصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کے طرقِ روایت متعدد ہوں، اُسکے راویوں میں کوئی مُتّہَم نہ ہو، نیز حدیث شاذ نہ ہو - لیکن امام احمدؒ کے ہاں اِس قسم کی حدیث کا نام ضعیف ہے اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں - چنانچہ خود اُنھوں نے ایسی ضعیف حدیث کی مثال بھی دیدی ہے جس سے وہ احتجاج کرتے ہیں اور وہ عمرو بن شعیبؓ، ابراہیم الہجری وغیرہ کی حدیثیں ہیں یہ بحث اپنی جگہ پر مفصّل موجود ہے -

"وسیلہ" اور موضوع حدیثیں

غرضکہ اِس باب (یعنی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا) میں جتنی حدیثیں بھی روایت کیگئی ہیں، سب کی سب نہایت ضعیف، بے بنیاد بلکہ سراسر موضوع ہیں - ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے بھی اُن سے استدلال نہیں کیا اور نہ اُنھیں قابلِ اعتماد قرار دیا ہے - مثلاً وہ حدیث جو عبدالملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ مَیں قرآن سیکھتا ہوں مگر یاد نہیں رہتا - اِسپر آپ نے فرمایا کہو:

"اللھم انی اسئلك بمحمد نبیك و بابراھیم خلیلك و بموسیٰ نجیك و عیسیٰ روحك وکلمتك و بتوراۃ موسیٰ و انجیل عیسیٰ و زبور داؤد و فرقان

محمد و بکل وحی اوحیتہ و قضاء قضیتہ" یہ حدیث رزین بن معاویہؓ العبدی
نے اپنی کتاب میں درج کی ہے اور ابن اثیرؒ نے اپنی "جامع الاصول" میں نقل کی ہے
مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اُسکی اصلیت نہیں بتائی اور نہ مسلمانوں کی کسی کتاب
کا حوالہ دیا۔ لیکن اُسے ابن السنی و ابو نعیم وغیرہ (جنھوں نے عمل یوم و لیلہ کے موضوع
پر کتابیں تصنیف کی ہیں) نے روایت کیا ہے۔ اِس طرح کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں
موضوع ہیں اور شریعت میں ان پر بھروسہ باتفاقِ علماء جائز نہیں۔ نیز ابو الشیخ
الاصفہانی نے اسے کتاب "فضائل الاعمال" میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کتاب میں
بھی بکثرت جھوٹی اور موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ نیز اُسے ابو موسیٰ مدنی نے زید
بن الحباب عن عبد الملک بن ہارون بن عنترہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ
حدیث حسن ہے۔ حالانکہ وہ متصل بھی نہیں! ابو موسیٰؒ کہتے ہیں اِسے محرز بن ہشامؓ
نے عبد الملک عن ابیہ عن جدہ عن ابی بکر الصدیقؓ روایت کیا ہے۔ حالانکہ یہ عبد الملک
وہ عبد الملک القریٰ نہیں ہیں جو محدثین کے نزدیک قوی ہیں، وہ "رَی" میں تھے
اور اُنکے باپ اور دادا ثقہ ہیں۔

برخلاف اُنکے یہ عبد الملک بن ہارون بن عنترہ ایک مشہور دروغگو ہے۔ یحییٰ
بن معین اور سعدیؒ کہتے ہیں "وہ دجّال و کذّاب ہے!" ابو حاتمؒ بن حبان کہتے ہیں
"اسکی حدیث نہ لی جائے" نسائی کا قول ہے "متروک ہے"۔ بخاری کی رائے
ہے "منکر الحدیث ہے" احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "ضعیف ہے" ابن عدی کہتے
ہیں "وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جنمیں کوئی اُسکا ہمنوا نہیں" دارقطنی کی رائے ہے
وہ اور اُسکا باپ دونوں ضعیف ہیں" حاکم، کتاب "المدخل" میں کہتے ہیں "عبد الملک
بن ہارون بن عنترہ الشیبانی نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں"
ابن جوزیؒ نے اسے کتاب "الموضوعات" میں رکھا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ کا قول ہے کہ

یہ حدیث منقطع ہے جس سے اُنکی مراد یہ ہے کہ اگر اُس کے راوی ثقہ ہوں تو بھی چونکہ اُسکی اسناد منقطع ہے اسلئے ناقابلِ التفات ہے۔

عبدالملک نے اسی کے ہم معنی استفتاحِ اہلِ کتاب کے بارے میں اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں (جیساکہ آگے بیان ہوگا) اور اس طرح عام طور پر مفسّرین و اہلِ سیر کی نقل اور قرآن کی دلالت کے خلاف کیا ہے۔ اِسی سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء نے اُسکے بارے میں کیوں قدح کی ہے اور اُسکے قصداً دروغ یا سوءِ حفظ کی وجہ سے اُسے متروک قرار دیا ہے۔ بنا بریں وہ نہ اِس حدیث میں حجّت ہے اور نہ اُن احادیث میں معتبر۔

اسیطرح وہ حدیث بھی ہے جو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے مرفوعًا وموقوفًا روایت کی ہے کہ " انه لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب اسألك بحق محمد لما غفرت لي، قال: وكيف عرفت محمدا؟ قال لانك لما خلقتني بيدك ونفخت فيّ من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا "لا اله الا الله محمد رسول الله" فعلمت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك، قال: صدقت يا آدم ولو لا محمد ما خلقتك "، (جب آدمؑ نے گناہ کیا تو کہا " اے رب، میں تجھے محمدؐ کے حق کا حوالہ دیتا ہوں کہ مجھے معاف کردے۔ اسپر خدا نے کہا تو نے محمدؐ کو کیسے جان لیا؟ کہا اس طرح کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، تو میں نے اپنا سر اُٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا: لا اله الا الله محمد رسول الله "۔ اِس سے میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے پہلو میں اُسی نام کو ترجیح دی ہے جو تمام مخلوقات سے زیادہ تجھے پیارا ہے، خدا نے فرمایا " سچ ہے آدمؑ اور اگر محمدؐ نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا) یہی حدیث حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں

عبداللہ بن مسلم الفہری عن اسمعیل بن سلمہ سے روایت کرکے کہا ہے "یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اِس کتاب میں عبدالرحمٰن سے روایت کی اور صحیح قرار دی ہے"۔ ابوبکر الاجری نے بھی اسے کتاب "الشریعۃ" میں عبداللہ بن اسمٰعیل بن ابی مریم عن عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے، نیز ایک دوسرے طریق سے موقوفاً اِس طرح روایت کیا ہے کہ من الکلمات التی تاب اللہ بھا علی آدم "اللّٰھم انی اسألک بحق محمد علیک" قال اللہ تعالیٰ: وما یدریک ما محمد؟ قال یارب رفعت راسی فرایت مکتوباً علی عرشک لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ فعلمت انہ اکرم خلقک" (جن دعاؤں کی وجہ سے خدا نے آدم کی توبہ قبول کی یہ دعا بھی ہے کہ "یا الٰہی میں محمدؐ کے اُس حق کے حوالہ سے دعا کرتا ہوں جو تجھ پر ہے"۔ خدا نے کہا اور تجھے محمدؐ کی خبر کیسے ہوئی؟ کہا اے رب میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ تیرے عرش پر لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے اِس سے میں جان گیا کہ وہ تجھے سب سے زیادہ عزیز مخلوق ہے)۔

حالانکہ حاکم کا یہ روایت کرنا سخت قابلِ مواخذہ ہے۔ کیونکہ خود اُنھوں نے کتاب "المدخل" میں تصریح کردی ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن بن زید باتفاق محدثین ضعیف ہے، بہت غلطیاں کرتا ہے۔ احمد بن حنبلؒ، ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ، نسائیؒ، دارقطنی وغیرہ نے اسکی تضعیف کی ہے۔ ابوحاتمؒ بن حبان کا قول ہے کہ حدیث کو نادانستہ مقلوب کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ بکثرت مُرسل حدیثیں مرفوع بنادی ہیں اور موقوف، متصل، اِسی لئے نظر سے گر گیا۔

حاکم پر اِس حدیث اور ایسی ہی دوسری حدیثوں کی تصحیح کی وجہ سے ائمہؒ نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے وہ ایسی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک جھوٹ اور موضوع ہوتی ہیں۔ اِسی لئے علماء حدیث محض حاکم کی تصحیح پر کبھی

حاکم کی تصحیح

اعتماد نہیں کرتے - یہ درست ہے کہ حاکم کی تصحیح کردہ اکثر حدیثیں صحیح ہیں، لیکن تصحیح کرنے والوں میں اُن کا درجہ وہی ہے جو کسی ایسے ثقہ راوی کا ہو سکتا ہے جو روایت میں بہت غلطی کرتا ہے اگرچہ محفوظ روایتیں بھی اُسکے پاس بکثرت ہیں - اِس فن میں حاکم کی تصحیح سے کمزور کسی کی تصحیح نہیں، برخلاف حاتم ابن حبان البستی کے کہ جن کی تصحیح حاکم سے کہیں بالا ہے - اسی طرح ترمذی، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن مندہ وغیرہ مصححین حدیث ہیں کہ گو انکی کسی کسی رائے میں نزاع ہے مگر وہ حاکم سے کہیں زیادہ ماہر ہیں - پھر انمیں سے کسی کی بھی تصحیح، مسلم کے برابر نہیں، اور مسلم کی تصحیح بخاری کو نہیں پہنچتی، بلکہ صحیح بخاری اِس فن میں سب سے زیادہ عظیم الشان تصنیف ہے اور خود امام بخاری "فقاہت کے ساتھ" خلق اللہ میں حدیث کے سب سے بڑے ماہر اور جوہری ہیں - ترمذی کا قول ہے کہ "میں نے بخاری سے بڑھکر حدیث کا کھرا کھوٹا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا"

امام بخاری کی فقاہت

یہی وجہ ہے کہ بخاری کی تصحیح میں اگر کسی نے نزاع کی تو عموماً ترجیح بخاری ہی کی رائے کو دیگئی - بخلاف مسلم بن الحجاج (صاحب صحیح مسلم) کے کہ جنکی بعض حدیثوں سے علماء نے اختلاف کیا ہے اور جانچ کے وقت ثابت ہو گیا کہ اختلاف درست تھا - مثلاً مسلم، حدیث کسوف میں روایت کر گئے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے تین، چار اور دو دو رکوع سے نماز پڑھی - حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آپنے صرف دو ہی رکوع سے نماز پڑھی تھی اور یہ کہ صلوٰۃ کسوف صرف ایکمرتبہ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی وفات کے دن پڑھی تھی - امام شافعیؒ نے اسے بیان کیا ہے - اور یہی امام بخاری اور احمد بن حنبلؒ کا قول ہے (فی احدی الروایتین) - جن حدیثوں میں تین اور چار رکوع کا ذکر ہے اُن میں یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ نماز ابراہیم کی وفات کے دن ادا کی تھی - حالانکہ ظاہر ہے اُسدن دو کسوف نہیں ہوئے تھے اور نہ آپ کے ابراہیم نام کے دو لڑکے تھے!

امام مسلم کی غلطیاں

اسی طرح مسلم نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین شنبہ کے دن پیدا کی۔ اِس حدیث میں اُنھیں ایسے لوگوں نے ٹوکا ہے جو حدیث کے اُن سے زیادہ ماہر ہیں مثلاً یحییٰ بن معین اور امام بخاریؒ اور انھوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ کلام نبوی نہیں۔ اِس اختلاف میں بھی حق اِنھیں لوگوں کے ساتھ ہے کیونکہ کتاب وسنت واجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین چھ دن میں پیدا کئے اور یہ کہ سب سے آخر جمعہ کے دن آدمؑ کو پیدا کیا ورنہ اگر یہ مابہ النزاع حدیث درست تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑیگا کہ کائنات کی پیدائش سات دن میں ہوئی ہے، حالانکہ نہایت صحیح اسناد سے مروی ہے کہ پیدائش کا آغاز شنبہ کو ہوا تھا۔ اسی طرح انھوں نے روایت کیا ہے کہ ابوسفیانؓ جب اسلام لائے تو نبی صلعم سے خواہش کی کہ انکی لڑکی ام حبیبہؓ سے شادی کر لیں اور اُن کے لڑکے معاویہؓ کو کاتب مقرر فرمائیں۔ حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اُنکی اِسمیں بھی تغلیط کی ہے۔

لیکن صحیحین کا متن علی العموم درست ہے، ائمہ حدیث نے اُسے قبول کیا اور اُسکی صحت پر اجماع کر لیا ہے۔ اِس بحث کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

حضرت آدمؑ کے بارہ میں مذکورہ بالا حدیث اور اُسکی ہمجنس حدیثوں کو بعض اضافوں کے ساتھ بغیر اسناد کے بھی مصنفین کے ایک گروہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے کہا کہ ابو محمدؒ مکی اور ابو اللیث سمرقندیؒ نے بیان کیا ہے کہ "ان آدم عند معصیتہ قال: اللھم بحق محمد اغفر لی خطیئتی (قال ویروی تقبل توبتی) فقال اللہ لہ من این عرفت محمدًا؟ قال رایت فی کل موضع من الجنۃ مکتوبا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (قال ویروی محمد عبدی ورسولی) فعلمت انہ اکرم خلقک علیک، فتاب علیہ وغفر لہ" (آدمؑ نے اپنے گناہ کے وقت کہا الٰہی تجھے محمدؐ کے حق کی قسم میری خطا معاف کر دے۔ خدا نے کہا تُو نے محمدؐ کو

کیسے جانا ؟ آدمؑ نے جواب دیا میں نے جنت کے چپہ چپہ پر لکھا دیکھا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اِس سے میں سمجھ گیا کہ وہ تجھے سب سے زیادہ عزیز مخلوق ہے اِسپر خدا نے اُنکی توبہ قبول کی اور معاف کر دیا) اِس طرح کی حدیثوں پر شریعت کی بنا جائز نہیں اور باتفاقِ مسلمین اُن سے دین میں کوئی حجت نہیں لائی جا سکتی کیونکہ یہ اسرائیلیات وغیرہ کی قبیل سے ہیں کہ جنکی حقیقت بغیر صحیح و ثابت حدیث کی شہادت کے معلوم نہیں کیجا سکتی۔ اِس طرح کی حدیثیں اگر کعب الاحبار اور وہب بن منبہ وغیرہ بھی، جو اہلِ کتاب سے دنیا کی پیدائش اور متقدمین کے قصّے نقل کرتے ہیں، روایت کرتے تو بھی باتفاقِ مسلمین، مسلمانوں کے دین میں اُن سے حجت لانا جائز نہ ہوتا۔ پھر ایسی حالت میں اُن کا کیا وزن ہو سکتا ہے جبکہ اُنھیں ایسے لوگ روایت کرتے ہیں جنکا ماخذ نہ اہلِ کتاب ہیں نہ ثقات علمارِ اسلام بلکہ ایسے اشخاص سے روایت کرتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک مجروح اور ضعیف ہیں اور جنکی حدیث حجت نہیں ہوتی، پھر خود راوی ایسے مضطرب ہیں کہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ درست حافظہ نہیں رکھتے۔ علاوہ ازیں یہ حدیثیں یا اُنکے ہم معنی کوئی حدیث بھی کسی ایسے عالمِ دین نے روایت نہیں کی جو مسلمانوں کے نزدیک ثقہ اور جسکی روایت معتبر ہے۔ بلکہ اُنکے راوی اسحٰق بن بشر وغیرہ جیسے لوگ ہیں جو پیدائشِ عالم کی کتابوں میں روایتیں کرتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ چیز انبیار سے ثابت ہوتی تو اہلِ کتاب کیلئے شریعت ہوتی اور اس سے اِس بنیاد پر احتجاج ہوتا کہ اگلوں کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے یا نہیں ؟ اِس بارے میں اختلاف مشہور ہے، لیکن ائمہ اور اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے بشرطیکہ خاص ہماری شریعت میں اسکے خلاف حکم موجود نہ ہو۔ لیکن یہ کیونکر معلوم ہو کہ فلاں بات اگلوں کے لئے شریعت تھی ؟ ظاہر ہے اسکے لئے نبی صلعم کی صحیح حدیث یا خود اہلِ کتاب سے متواتر

کون حدیثیں شریعت بن سکتی ہیں؟

خبر کا اثبات ضروری ہے۔ نہ اس طرح کی بے سروپا روایتیں کہ جن سے احتجاج مسلمانوں کی شریعت میں کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے موسیٰ بن عبدالرحمن الصنعانی صاحب تفسیر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا "من سرہ ان یوعیہ اللہ حفظ القرآن وحفظ اصناف العلم فلیکتب ھذا الدعاء فی اناء نظیف او فی صحف قواریر بعسل وزعفران وماء مطر ولیشربہ علی الریق ولیصم ثلاثۃ ایام ولیکن افطارہ علیہ ویدعوا بہ فی ادبار صلواتہ" اللھم انی اسئلک بانک مسئول لم یسئل مثلک ولا یسئل، واسألک بحق محمد نبیک وابراھیم خلیلک وموسی نجیبک وعیسی روحک وکلمتک ووجیھک الخ" (جو چاہتا ہے خدا اُسے قرآن اور دوسرے علوم کے حفظ سے شاد کام کردے تو اُسے چاہئے کہ یہ دعا صاف برتن یا شیشہ کے پتروں پر شہد، زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور نہار منہ پی جائے، تین دن روزہ رکھے اور اسی پر افطار کرے اور اپنی نمازوں کے آخر میں بھی دعا کرے کہ الٰہی! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کیونکہ تیری مانند کسی ذات سے نہ کبھی التجا کی گئی اور نہ کبھی کی جائیگی، میں تجھ سے محمدؐ تیرے نبی، ابراہیمؑ تیرے خلیل، موسیٰ تیرے نجی اور عیسیٰ تیری روح اور کلمہ اور وجیہ کے حق سے التجا کرتا ہوں الخ) حالانکہ یہ موسیٰ بن عبدالرحمن ایک مشہور کذاب ہے۔ اسکے متعلق ابو احمد بن عدیؒ کی رائے ہے کہ منکر الحدیث ہے۔ ابوحاتم بن حبانؒ کہتے ہیں کہ دجال ہے اور حدیثیں گھڑتا ہے چنانچہ اُس نے تفسیر میں ایک کتاب عطاء و ابن عباسؓ کے حوالہ سے ابن جریجؒ کے سر منڈھ دی ہے جسمیں کلبی اور مقاتل کا کلام جمع کردیا ہے۔ اسیطرح روزہ کے متعلق موسیٰ بن ابراہیمؒ المروزی والی روایت ہے کہ "حدثنا وکیع عن عبیدۃ عن شقیق عن ابن مسعودؓ ....." حالانکہ اس موسیٰ بن ابراہیم کے متعلق یحییٰ بن معینؒ نے تصریح کی ہے

کہ "کذاب ہے" دارقطنی کا قول ہے کہ "متروک ہے" ابن حبانؒ کہتے ہیں "مغفل تھا جو کہہ دیا جاتا تھا کہنے لگتا تھا اسی لئے متروک ہو گیا"۔ یہی حدیث عمر بن عبد العزیز عن مجاہد بن جبیر عن ابن مسعودؓ سے اور بھی زیادہ ضعیف طریقہ سے مروی ہے۔ نیز اُسے ابو الشیخ الاصفہانی نے احمد بن اسحٰق الجوہری کے طریق سے روایت کیا ہے کہ "حدثنا اسحٰق الجوھری، حدثنا ابو الاشعث، حدثنا زھیر بن العلاء العتبی، حدثنا یوسف بن یزید عن الزھری ورفع الحدیث قال" من سرہ ان یحفظ فلیصم سبعة ایام ولیکن افطارہ فی آخر ھذہ الایام السبعة علی ھؤلاء الکلمات" (۔۔۔۔۔ جو حفظ سے شادکام ہونا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ سات دن روزہ رکھے اور ساتویں دن اس دعا پر افطار کرے)۔

یہ اسانید بالکل تاریک ہیں اور اُن سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اِسے ابو موسیٰ مدینی نے اپنی "امالی" میں اور ابو عبد اللہ المقدسی نے اپنے ہم مشربوں کی عادت کے مطابق روایت کر دیا ہے جو فضائل میں متاخرین کی طرح صحیح و ضعیف سب کچھ روایت کر جاتے اور ذمہ داری راوی کی گردن پر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ ابو الشیخ الاصفہانی فضائل اعمال وغیرہ کے ابواب میں بکثرت احادیث روایت کرتے ہیں کیونکہ کثرتِ روایت کے خوگر ہیں جنہیں ہر قسم کی حدیثیں ہوتی ہیں: صحیح بھی، حسن بھی، ضعیف بھی بلکہ موضوع اور بے بنیاد بھی۔ یہی حال خیثمہ بن سلیمان، ابو نعیم الاصبہانی، ابو اللیث السمرقندی، عبد العزیز کنانی اور ابو علی بن البناء وغیرہ کا ہے۔ نیز یہی روش ابو بکر الخطیب، ابو الفضل بن ناصر، ابو موسیٰ المدینی، ابو القاسم بن عساکر اور عبد الغنی وغیرہ بعض علماء حدیث نے بھی اختیار کی ہے کہ جو کچھ بھی کسی نے روایت کر دیا، لے لیا اور اپنی تصانیف میں درج کر دیا۔ اِس سے اِنکی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس باب میں جو کچھ بھی مروی ہے معلوم ہو جائے اور یہ غرض کبھی نہیں ہوتی کہ اُس سے احتجاج کیا جائے۔ وہ کبھی خود

ہی بتاتے جاتے ہیں کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور کبھی یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

برخلاف اِنکے ائمہ حدیث حدیث کی روایت محض روایت کیلئے نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنے دین کی بنیاد بناتے ہیں مثل مالک بن انسؒ، شعبہ بن الحجاجؒ، یحیی بن سعید القطانؒ، عبدالرحمن بن مہدیؒ، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، علی ابن المدینیؒ، بخاریؒ، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابوداؤدؒ، محمد بن نصر المروزیؒ، ابن خزیمہؒ، ابن المنذرؒ، داؤد بن علیؒ، محمد بن جریر الطبریؒ وغیرہ علماء جو حدیث سے احکام کا استخراج کرتے اور اس لئے مجبور ہوتے ہیں کہ خوب چھان بین کریں اور کھرا کھوٹا پرکھیں۔

اسیطرح وہ لوگ ہیں جنھوں نے حدیث و رجال کی جانچ میں کاوشیں کی ہیں تاکہ حدیث کا حسن و قبح ظاہر کریں مثل ابو احمد بن عدیؒ، ابو حاتم البستیؒ، ابوالحسن دارقطنیؒ، ابوبکر الاسماعیلیؒ (اور کبھی) ابوبکر البیہقیؒ، ابو اسماعیل الانصاریؒ، ابوالقاسم الزنجانیؒ، ابوعمر بن عبدالبرؒ ابومحمد بن حزمؒ وغیرہ ائمہ و علماء (اس بحث کا موقع دوسری جگہ ہے) یہاں ہم نے اُن لوگوں کا ذکر نہیں کیا جو اسناد کے ساتھ روایت نہیں کرتے مثل عمر الملا الموصلی اپنی کتاب "وسیلۃ المتعبدین" اور شہر یار الدیلمی اپنی کتاب "فردوس" میں کہ جنکا درجہ مذکورہ بالا علماء سے کہیں کم ہے۔ اور اکاذیب میں سے یہ جو کچھ روایت کر جاتے ہیں اُسکا معاملہ بہت بڑا ہے۔

مقصود یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ باتفاق محدثین اس باب میں ایک بھی مرفوع حدیث موجود نہیں کہ جس پر کسی شرعی مسئلہ کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اور جو کچھ موجود ہے اُسے علماء حدیث خوب جانتے ہیں کہ حدیث نہیں ہے بلکہ قصدًا یا بلاقصد کذب و افترا ہے۔

اِس باب میں سلف سے بھی آثار مروی ہیں اور اکثر ضعیف ہیں۔ مثلاً چار

آثارِ سلف

آدمیوں والی حدیث جسے ابن ابی الدنیا نے کتاب "مجانی الدعاء" میں بطریق اسمعیل بن ابان الغنوی عن سفیان الثوری عن طارق بن عبدالعزیز عن الشعبیؒ روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا "مَیں نے ایک عجیب ماجرا دیکھا: عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ، مصعب بن الزبیرؒ اور عبدالملک بن مروانؒ، یہ چاروں صحن کعبہ میں بیٹھے تھے، جب گفتگو سے فارغ ہوئے تو باہم کہنے لگے ہم میں سے ہر شخص اُٹھ کر رکنِ یمانی پکڑے اور خدا سے اپنی مراد مانگے۔ پھر عبداللہ بن الزبیرؓ سے کہا "اُٹھو، کیونکہ ہجرت کے بعد تم سب سے پہلے پیدا ہوئے ہو۔ چنانچہ وہ رکن یمانی پکڑ کر کھڑے ہوئے اور دعا کی: اللھم انك عظیم ترجیٰ لكل عظیم، اسالك بحرمة وجهك وحرمة عرشك وحرمة نبیك الّا تمیتنی من الدنیا حتی تولینی الحجاز و یسلم علیّ بالخلافة" (الٰہی تو بڑا ہے اور تجھ سے ہر بڑی چیز کی آرزو کی جاتی ہے، میں تجھے تیری حرمت تیرے عرش کی حرمت اور تیرے نبیؐ کی حرمت کے واسطے سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دنیا سے نہ اُٹھا یہاں تک کہ مجھے حجاز کا حاکم بنا دے اور میں خلیفہ مان لیا جاؤں) پھر مصعب ابن الزبیرؒ آگے بڑھے اور دعا شروع کی: اللھم انك رب كل شیٔ والیك یصیر كل شیٔ، اسألك بقدرتك علی كل شیٔ، الّا تمیتنی من الدنیا حتی تولینی العراق و تزوجنی بسكینة بنت الحسینؓ" (الٰہی تو ہر چیز کا پالنے والا ہے اور ہر چیز تیری طرف لوٹنے والی ہے، میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دیکر التجا کرتا ہوں کہ مجھے اُس وقت تک دنیا سے نہ اُٹھا جبتک مجھے عراق کا حاکم نہ بنا دے اور سکینہ بنت بنت حسینؓ کو میری زوجیت میں نہ دیدے) پھر عبدالملک بن مروانؒ نے دعا کی اللھم رب السموات السبع ورب الارض ذات النبت بعد القفر اسالك بما سألك به عبادك المطیعون لامرك و اسالك بحقك علی خلقك وبحق الطائفین حول عرشك الخ" (الٰہی رب سات آسمانوں اور رب اُجاڑ ہونیکے بعد

سبزہ سے پُر رونق بننے والی زمین کے، میں تیرے فرمانبردار بندوں کی تجھ سے دعاؤں کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں اور اُس حق کے حوالہ سے دعا کرتا ہوں جو مخلوق پر تیرا ہے اور جو تیرے عرش کے گرد طواف کرنیوالوں کا ہے الخ)

یہ حدیث روایت کیگئی ہے، حالانکہ سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ اُسکا راوی اسمٰعیل بن ابان "کذاب" ہے۔ احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ پہلے میں نے اس سے حدیث لکھی پھر جب اُسے موضوع حدیثیں روایت کرتے دیکھا تو چھوڑ دیا۔ یحیی بن معین کہتے ہیں کہ اُس نے یہ حدیث گھڑی کہ "نسلِ عباسؓ میں ساتواں آدمی (یعنی مامون) سبز لباس پہنے گا"۔ بخاری و مسلم و ابوزرعہ و دارقطنی نے کہا متروک ہے۔ جوزجانی اور ابوحاتمؒ کہتے ہیں "کذاب" ہے۔ ابن حبانؒ کا قول ہے "ثقات کے نام سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا"۔

اسیطرح طارق بن عبدالعزیز، کہ جس سے سفیانؒ کا روایت کرنا بیان کیا ہے، ایک مجہول الحال آدمی ہے۔ کیونکہ مشہور طارق بن عبدالعزیز کہ جن سے ابن عجلان روایت کرتے ہیں اس طبقہ سے نہیں۔ پھر اِس روایت کے مخالف روایت موجود ہے چنانچہ ابونعیمؒ نے طبرانی سے روایت کی ہے کہ "حدثنا احمد بن زید بن الجریش، حدثنا ابوحاتم السجستانی، حدثنا الاصمعی، قال حدثنا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ قال "اجتمع فی الحجر مصعب وعروۃ وعبداللہ ابناء الزبیر وعبداللہ بن عمر فقالوا تمنوا فقال عبداللہ بن الزبیر اما انا فاتمنی الخلافۃ، وقال عروۃ اما انا فاتمنی ان یوخذ عنی العلم، وقال مصعب اما انا فاتمنی امرۃ العراق، والجمع بین عائشۃ بنت طلحۃ وسکینۃ بنت الحسین، وقال عبداللہ بن عمر اما انا فاتمنی المغفرۃ" قال فنالوا کلھم ما تمنوا ولعل ابن عمر قد غفر لہ"۔ (... "حضرت زبیرؓ کے بیٹے مصعب اور عروہ اور عبداللہ اور حضرت عمرؓ

کے صاحبزادے عبداللہ کہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے آؤ اپنی اپنی آرزوئیں بیان کریں،
چنانچہ عبداللہ بن الزبیرؓ نے کہا میں تو خلافت کی آرزو رکھتا ہوں۔ عروہؓ نے کہا میری
آرزو یہ ہے کہ مجھ سے علم حاصل کیا جائے۔ مصعبؓ نے کہا میں یہ تمنا رکھتا ہوں کہ
عراق کا حاکم بنوں اور عائشہ بنت طلحہؓ اور سکینہ بنت حسینؓ کو بیک وقت اپنی زوجیت
میں لاؤں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا مجھے صرف مغفرت کی آرزو ہے" راوی کہتا ہے
ہر ایک نے اپنی آرزو پالی اور شاید ابن عمرؓ کی بھی مغفرت ہوگئی ہوگی)۔

یہ اسناد باتفاق محدثینؒ پہلی اسناد سے بہتر ہے۔ لیکن اسمیں مخلوقات کے ذریعہ
دعا نہیں ہے۔ اِس باب میں بعض لوگوں سے طرح طرح کی حکایتیں بھی بیان کی گئی
ہیں کہ اُن سے خواب میں کہا گیا کہ فلاں فلاں چیز کے واسطے سے دعا کرو۔ ظاہر ہے
اِسطرح کے خواب باتفاق علماء دلیل نہیں ہو سکتے۔ اِس قسم کی حکایتیں اُن لوگوں نے
جمع کی ہیں جنھوں نے دعاؤں پر کتابیں لکھی ہیں اور بعض سلف سے آثار بھی نقل کئے
ہیں مثلاً ابن ابی الدنیا نے کتاب "مجانی الدعاء" میں روایت کیا ہے کہ "ایک شخص
عبدالملک بن سعید بن ابجرؒ کے پاس آیا اور اُنکا پیٹ دیکھکر کہنے لگا آپ کو ایک
ایسی بیماری ہے جو کبھی اچھی نہ ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ عبدالملک فوراً مُڑے اور
دعا کی: اللہ، اللہ، اللہ ربی لا اشرك به شیئا، اللھم انی اتوجه الیك
بنبیك محمد نبی الرحمة صلی اللہ علیه وسلم تسلیما، یا محمد انی اتوجه بك الی
ربك وربی یرحمنی مما بی "، (اللہ، اللہ، میرا رب اللہ، میں اُسکا کسی چیز کو بھی شریک
نہیں بناتا، الٰہی میں تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمت کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں،
اے محمدؐ میں تیرے ذریعہ تیرے رب اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں کہ میری
بیماری پر مجھپر رحم کرے) اسکے بعد اُس شخص نے پھر پیٹ دیکھا اور کہا "اچھے
ہوگئے" اب کوئی بیماری نہیں۔

محض مراد پوری ہو جانا کسی عمل کے جواز کی دلیل نہیں

یہ اور ایسی ہی بعض دعائیں سلف سے روایت کیجاتی ہیں - نیز احمد بن حنبلؒ سے "منسک المروزی" میں آنحضرت صلعم کو دعا میں وسیلہ بنانا منقول ہے - ایک طرف یہ ہے اور دوسری طرف اور علماء و ائمہؒ نے اسکی ممانعت کی ہے - بنابریں یہ کہا جائیگا کہ اگر وسیلہ چاہنے والونکی نیت رسول اللہؐ پر ایمان اور آپ کی محبت و موالات و اطاعت سے وسیلہ ہے تو بلا نزاع فریقین کے نزدیک جائز ہے - اور اگر مقصود آپ کی ذات سے وسیلہ ہے تو یہ محلِ نزاع ہے - اور ایسی نزاع میں شریعت کا حکم ہے کہ فیصلہ اللہ اور رسولؐ سے لینا چاہیئے - کون دعا شریعت میں محض اسلئے جائز نہیں ہو سکتی کہ اُس سے کسی کی مراد پوری ہو گئی - کیونکہ بہت سے لوگ خدا کو چھوڑ کر ستاروں اور دوسری مخلوقات سے بھی دعائیں کرتے اور مرادیں مانگتے ہیں، بعض مندروں اور کنیسوں میں جاکر بتوں سے التجائیں کرتے ہیں، پھر ایسے لوگونکی بھی کمی نہیں جو ایسی دعائیں کرتے ہیں جنکی حرمت پر تمام مسلمان متفق ہیں، مگر اُن کے بہت سے کام پُورے ہو جاتے ہیں -

پس کسی چیز سے مرادیں پُوری ہونا اُسکے مباح ہونے کو مستلزم نہیں، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اُس چیز میں مصلحت سے زیادہ مضرت ہو، اور شریعت کے آنے کا مقصد یہی ہے کہ مصالح کو جمع و مکمل کرے اور مفاسد کو بند اور کم کرے - ورنہ تمام محرمات مثلاً شرک، شراب، جُوا، فواحش، ظلم وغیرہ سے کبھی انسان کو نفع ہوتا اور بعض مقاصد پُورے ہوتے ہیں لیکن چونکہ اِن میں مفاسد کا پلّہ مصالح سے جُھکا ہُوا ہے اس لئے اللہ اور اُسکے رسولؐ نے اُن کا سدِّ باب کر دیا - اِسیطرح بہت سے امور مثلاً عبادات وجہاد و انفاق فی سبیل اللہ میں کبھی مضرّت بھی ہوتی ہے لیکن چونکہ اُنکی مصلحت مضرّت سے زیادہ ہے اسلئے شارعؑ نے اُن کا حکم دیا - یہ ایک ایسی اصل ہے جسکا لحاظ بہت ضروری ہے - کسی چیز کو بغیر ایسی دلیل شرعی کے واجب یا مستحب کہنا

جو اُسکے وجوب یا استحباب کو مقتضی ہو، جائز نہیں۔ عبادت کی دو ہی شکلیں ہوسکتی ہیں: یا تو واجب ہوگی یا مستحب۔ اور جو نہ واجب ہے نہ مستحب تو وہ عبادت بھی نہیں ہوسکتی درگاہ خداوندی میں دعا بھی عبادت ہے اگر اس سے مطلوب امرِ مباح ہو۔

غرضکہ بعض سلف اور علماء سے منقول ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلعم کے حوالہ سے دعا کرنا جائز بتایا ہے، لیکن مُردوں اور غائبوں سے عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء یا صالحین، دعا کرنا یا مدد چاہنا یا فریاد کرنا تو اسے سلف صالح: صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا اور نہ مسلمانوں کے کسی امامؒ نے اسے جائز بتایا۔

نابینا والی حدیث کی تحقیق

رہی نابینا والی حدیث جسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے تو وسیلہ کی دوسری قسم میں داخل ہے۔ یعنی اُسمیں رسول اللہ صلعم کی دعا سے وسیلہ ہے نہ کہ آپکی ذات سے۔ کیونکہ اندھے نے آپ سے درخواست کی تھی کہ خدا سے اُسکے حق میں بینائی کیلئے دعا فرمائیں۔ اسپر آپ نے فرمایا "ان شئت صبرت وان شئت دعوت لك۔ فقال بل ادعه، فامره ان یتوضأ ویصلی رکعتین ویقول: اللھم انی اسألك بنبیك نبی الرحمة یا محمد یا رسول اللہ انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لیقضیھا اللھم فشفعه فیّ" (اگر تو چاہے تو صبر کرلے اور چاہے تو دعا کروں، اُس نے کہا بلکہ دعا کیجئے، چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرے اور کہے: الٰہی میں تیرے نبیؐ، نبی الرحمۃ کے واسطہ سے تجھ سے دعا کرتا ہوں، اے محمدؐ، اے رسول اللہ، میں تیرے واسطہ سے اپنے رب کی طرف اپنی ضرورت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری کردے، اے خدا، رسول اللہ کی شفاعت میرے حق میں قبول کر) تو یہ آپکی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے۔ چنانچہ آپ نے اُسکے حق میں دعا کی، اسی لئے تلقین فرمائی: "شفعه فیّ" (میرے حق میں اُسکی شفاعت قبول کر) یعنی خدا سے التجا کی کہ اپنے رسولؐ کی شفاعت (یعنی دعا) اس معاملہ میں قبول کرلے۔

یہ حدیث علماء نے آنحضرت صلعم کے معجزات میں ذکر کی ہے کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے آپکی دعا کی برکت سے طرح طرح کے خوارق ظاہر کئے، مصائب دُور کئے اور کس طرح آپکی دعا کی برکت سے اِس اندھے کی آنکھوں میں نور آگیا!

اِس حدیث کو مصنّفینِ حدیث مثلاً بیہقی وغیرہ نے دلائل نبوّت میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عمرؓ عن شعبہ عن ابی جعفر الخطمی عن عمارہ بن خزیمہ بن ثابت عن عثمان بن حنیفؓ سے بیہقی روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "دعا فرمائیے کہ خدا مجھے اچھا کر دے"۔ آپ نے فرمایا

"ان شئت اخرت ذالك فهو خير لك وان شئت دعوت - قال فادعه - قال فامره ان يتوضأ فيحسن الوضوء ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء: اللهم انی اسالك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة يا محمد انی اتوجه بك الى ربی فی حاجتی هذه ليقضيها لی اللهم فشفعه فیّ وشفعنی فيه" قال فقام وقد ابصر " (اگر تو پسند کرے تو اسے ملتوی کر دے کیونکہ یہی تیرے لئے بہتر ہے اور اگر چاہے تو دعا کر دوں، اُس نے کہا بلکہ دعا کیجئے، اِسپر آپ نے اُسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے، دو رکعت نماز ادا کرے اور یہ دعا مانگے: الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے واسطہ سے تیری طرف متوجّہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ میں تیرے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اِس ضرورت میں متوجّہ ہوتا ہوں تاکہ وہ اسے پوری کر دے۔ الٰہی اُسکی شفاعت میرے حق میں اور میری دعا اُسکے حق میں قبول کر۔ راوی کہتا ہے فوراً اُسکی آنکھیں بینا ہو گئیں)۔ اسی طریق سے ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث "حسن صحیح غریب" ہے۔ صرف اِسی صورت سے حدیث ابی جعفرؒ سے معروف ہے۔ یہ ابوجعفر، ابوجعفر الخطمی نہیں ہیں"۔ ترمذی نے یہی کہا ہے لیکن جملہ علماء اسکے خلاف

ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ابو جعفر الخطمی ہیں اور یہی درست ہے - نیز ترمذی اور اُنکے ساتھیوں نے اور علماء کی طرح حدیث کے تمام الفاظ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ اُسے صرف "اللھم فشفعہ فی" تک روایت کر کے رہگئے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں "حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا عثمان بن عمر، حدثنا شعبۃ عن ابی جعفر عن عمارۃ بن خزیمۃ ابن ثابت عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ادع اللہ ان یعافینی قال: ان شئت صبرت فھو خیر لک، قال فادعہ۔ قال فامرہ ان یتوضأ فیحسن وضوءہ و یدعو بھذا الدعاء: اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی، اللھم شفعہ فی" (۔۔۔ ایک نابینا رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ دعا کیجے اللہ مجھے اچھا کر دے، فرمایا اگر تو پسند کرے تو اسے ملتوی کر دے کیونکہ یہی تیرے حق میں بہتر ہے، اُسنے کہا بلکہ دعا کیجے، اسپر آپنے اُسے اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگنے کی تلقین کی کہ اے خدا، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ میں اپنی ضرورت میں تیرے واسطہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو رہا ہوں تاکہ پوری ہو جائے، اے خدا، اِسے میرا شفیع بنا) بیہقیؒ کہتے ہیں ہم نے اسے روح بن عبادہ عن شعبہ سے باسناد صحیح کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے کہ "اندھے نے ایسا ہی کیا اور اچھا ہو گیا" نیز بیہقیؒ نے تصریح کی ہے کہ اسے حماد نے سلمہ سے اور سلمہؓ نے ابو جعفر الخطمیؓ سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اِسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں بیہقیؒ کے قول کے مطابق روح بن عبادہؓ سے روایت کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں "حدثنا روح بن عبادۃ حدثنا شعبۃ عن ابی جعفر المدینی، سمعت عمارۃ بن خزیمۃ بن ثابت یحدث عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریرا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا نبی اللہ ادع اللہ ان یعافینی

قال ان شئت اخرت ذالك فهو خیر للآخرتك وان شئت دعوت لك - قال بل ادع اللہ لی فامرہ ان یتوضأ وان یصلی رکعتین وان یدعو بھذا الدعاء:

اللھم انی اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجہ بك الی اللہ فی حاجتی ھذہ فتقضی لی وتشفعه فیہ وتشفعه فی" قال ففعل الرجل فبرأ" (...... ایک اندھا نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے نبی اللہ خدا سے دعا کیجے کہ میں اچھا ہوجاؤں - فرمایا اگر تو چاہے تو اسے ملتوی کردے کیونکہ اسمیں تیرے لئے بہتری ہے اور اگر چاہے تو دعا کروں ؟ کہا بلکہ دعا کیجے، چنانچہ آپ نے اُسے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھنے اور یہ دعا کرنے کا حکم دیا کہ: اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ میں تیرے واسطہ سے اپنی اس حاجت میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہوجائے، اے خدا، اسکے بارے میں میری دعا قبول کر اور میرے بارے میں اُسکی دعا) -

نیز بیہقیؒ نے اُسے شبیب بن سعید الحنظلیؒ کی حدیث سے اسطرح روایت کیا ہے کہ "عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدینی وھو الخطمی عن ابی امامة سهل بن حنیف بن عثمان بن حنیف قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجاءہ رجل ضریر فشتکی الیہ ذھاب بصرہ فقال یارسول اللہ لیس لی قائد وقد شق علی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ائت المیضاة فتوضأ ثم صل رکعتین ثم قل "اللھم انی اسألك واتوجه الیك بنبیك نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فیجلی عن بصری اللھم فشفعه فی وشفعنی فی نفسی" قال عثمان بن حنیف واللہ ما تفرقنا ولا طال الحدیث بنا حتی دخل الرجل کانه لم یکن به ضر قط" (عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو ایک اندھے سے

فرماتے سُنا جو اپنی آنکھوں کا گلہ لیکر حاضر ہُوا تھا، اُسنے کہا اے رسُول اللہ میرے پاس کوئی راستہ دکھانے والا نہیں اور بہت تکلیف میں ہوں - آپ نے فرمایا وضوگاہ پر جا اور وضو کر پھر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ "اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں - اے محمدؐ میں تیرے ذریعہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری بینائی صاف کردے، اے خدا اس کی شفاعت میرے حق میں قبول کر اور مجھے میرا شفیع بنا" عثمان بن حنیفؓ کہتے ہیں واللہ نہ منتشر ہوئے اور نہ بہت بات چیت کی مگر کیا دیکھتے ہیں کہ اندھا اس طرح چلا آرہا ہے گویا کبھی اُسکی آنکھ میں کچھ حرج ہی نہ تھا) -

پس شبیبؒ کی روح اور ابی جعفر الخطمی سے روایت، شعبہ وحماد بن سلمہؒ کی روایت سے اسناد و متن میں مختلف ہوگئی ہے کیونکہ اُسمیں ہے کہ ابو جعفر نے عمارہ بن خزیمہ سے روایت کی ہے اور اسمیں ہے کہ اُنھوں نے ابوامامہ سہل سے روایت کی ہے - اُس روایت میں ہے کہ اندھے نے کہا "نشفعہ فی وشفعنی فیہ" اور اسمیں ہے "و شفعنی فی نفسی" پھر اس اسناد کا ہشام الدستوائی عن ابی جعفرؒ سے ایک اور شاہد بھی موجود ہے -

اسے بیہقیؒ نے اسی طریق سے روایت کیا ہے اور اسمیں ایک قصہ بھی ہے جو اگر صحیح ہو تو ممکن ہے کہ اُس سے وہ لوگ استدلال کریں جنھوں نے آپکے وصال کے بعد آپ سے وسیلہ چاہا - بیہقیؒ نے اسمٰعیل بن شبیب بن سعید الحنظلی عن شبیب بن سعید عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدینی عن ابی امامۃ سہل بن حنیفؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اپنی غرض سے حضرت عثمانؓ (خلیفہ) کے پاس آتا جاتا تھا مگر وہ نہ اُس کی طرف ملتفت ہوتے نہ اُسکی غرض پوری کرتے تھے - اتفاق سے اُسکی ملاقات عثمان بن حنیف سے ہوئی اور اُس نے شکایت کی - عثمان بن حنیفؓ نے کہا وضو کر، مسجد میں

عثمان بن حنیفؓ کا قصہ

جا اور دو رکعت پڑھکر کہہ" اللھم انی اسئلك و اتوجه الیك بنبینا محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فیقضی لی حاجتی" پھر اپنی مراد عرض کر اور روانہ ہو جا" چنانچہ شخص مذکور نے یہی کیا اور حضرت عثمانؓ کے ہاں پہنچا۔ فورًا دربان نے اُسکا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا جہاں حضرت عثمانؓ نے اُسے قالین پر اپنے ساتھ بٹھایا اور کہا" کہو کیا غرض ہے؟" شخص مذکور نے اپنی غرض بیان کی جسے آپنے پُورا کردیا۔ پھر یہ شخص رخصت ہُوا اور عثمان بن حنیف سے ملکر کہنے لگا" خدا جزائے خیر دے، اگر تم سفارش نہ کرتے تو عثمانؓ نہ میری طرف ملتفت ہوتے نہ میرا کام پُورا کرتے" عثمان بن حنیفؓ نے کہا "مَیں نے اُن سے کچھ بھی نہیں کہا، لیکن میں نے رسول اللہ صلعم کو ایک اندھے سے فرماتے سنا ہے جس نے آکر اپنی آنکھوں کی شکایت کی تھی کہ "صبر کر" مگر اُس نے کہا میرے پاس کوئی رہبر نہیں ہے اور سخت تکلیف میں ہوں اسپر آپنے فرمایا وضو کر، دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ" اللھم انی اسئلك و اتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه الی ربی فیجلی لی عن بصری، اللھم فشفعه فی و شفعنی فی نفسی" آخر میں عثمان بن حنیفؓ نے کہا بخدا نہ ہم منتشر ہوئے نہ زیادہ باتوں میں لگے کہ کیا دیکھتے ہیں اندھا اِس طرح چلا آرہا ہے گویا آنکھوں میں کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔

لیکن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ تینوں میں سے کسی نے بھی یہ حدیث شبیب بن سعید عن روح بن القاسم کے عجیب طریق اور اِس اضافہ کے ساتھ روایت نہیں کی۔ لیکن حاکم نے اپنی مستدرک میں اُسے دو طریق سے روایت کیا ہے: چنانچہ عثمان بن عمر کے طریق سے ہے کہ حدثنا شعبة عن ابی جعفر المدنی سمعت عمارة بن خزیمة یحدث عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریرا اتی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال: ادع اللہ ان یعافینی فقال: ان شئت اخرت ذلك فھو خیر لك و ان شئت

دعوت قال: فادعهٗ فأمرہ ان یتوضأ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعو بھذا الدعاء : اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الیٰ ربی فی حاجتی ھذہٖ اللھم فشفعہ فی وشفعنی فیہ "

شبیب بن سعیدؒ صادق ہیں، بخاری نے اُن سے روایت لی ہے۔ لیکن ابن وہب نے اُنکے اور روح بن الفرج کے ذریعہ سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور خیال کیا گیا ہے کہ خود ابن وہب نے روایت میں غلطی کی ہے نہ شبیب نے لیکن کبھی اس طرح کا الزام خود شبیب پر بھی لگایا جاتا ہے جب وہ ثقات مثلاً شعبہ و حماد بن سلمہ و ہشام الدستوائی سے کٹ کر اضافہ کے ساتھ حدیث روایت کرتے ہیں خصوصاً اِس روایت میں کہ اندھے نے کہا " فشفعہ فی وشفعنی فی نفسی " حالانکہ دوسرے راویوں نے اِسے یوں روایت کیا ہے " فشفعہ فی وشفعنی فیہ " جسکے معنی ہیں " آپکی دعا میرے حق میں قبول کر اور میری درخواست آپکی دعا قبول کرنے کے بارے میں منظور فرما " اِس طرح دونوں جملوں میں مطابقت پیدا ہوجاتی ہے ورنہ دونوں باہم اجنبی رہتے ہیں۔

ابو احمد بن عدی اپنی کتاب " الکامل فی اسماء الرجال " (کہ جس سے بہتر اس فن میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی) میں کہتے ہیں " ابن وہب نے شبیب بن سعید الحنظلی سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں، اور اُنھوں نے بواسطہ یونس زہری سے خود زہری کے نسخہ سے مستقیم حدیثیں روایت کی ہیں۔ نیز علی بن المدینی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں، یونس کے اصحاب میں سے ہیں، تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ اپنے ساتھ ایک صحیح کتاب بھی لائے اور کہا یہ حدیثیں اپنے بیٹے احمد بن شبیبؒ سے لکھی ہیں۔ نیز ابن عدی نے شبیبؒ کی دو حدیثوں پر جرح کی ہے جو اُنھوں نے

روح بن القاسم سے روایت کی ہیں۔ اسیطرح یہ حدیث اعمیٰ بھی اُنھوں نے روح بن القاسم سے روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے بیٹے اور ابن وہب نے روایت کی ہے، بیٹے کی روایت بہتر ہے اور ابن وہب کی حسب عادت خام ہے۔

یہ حدیث طبرانی نے بھی "معجم" میں اس طرح روایت کی ہے کہ "حدثنا عبداللہ بن وھب عن شبیب ابن سعید المکی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف عن عمہ عثمان بن حنیف ان رجلا الخ" ابن وہب کی اس روایت سے ابن عدی کا قول اَور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ ابن وہب حدیث کے الفاظ ضبط میں نہ لاسکے اور یوں ہی روایت کر گئے کہ اندھے نے وہی دعا کی تھی جو عثمان بن حنیفؓ نے بیان کی ہے۔ حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے کیونکہ اُس نے کہا تھا " اللھم فشفعہ فی وشفعنی فیہ " یا " شفعنی فی نفسی " لیکن یہ الفاظ ابن وہب نے ذکر نہیں کئے جس سے خیال ہوتا ہے کہ اُنھوں نے یہ روایت محض اپنے حفظ سے کر دی ہے جیساکہ ابن عدیؒ کہتے ہیں اور چونکہ اتقان نہ تھا اِس لئے غلطی کر گئے ہیں۔

یہی حدیث ابوبکر بن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس طرح روایت کی ہے کہ "حدثنا مسلم بن ابراھیم حدثنا حماد بن سلمۃ اخبرنا ابوجعفر الخطمی عن عمارۃ بن خزیمۃ عن عثمان بن حنیف ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انی اصبت فی بصری فادع اللہ لی قال اذھب فتوضأ وصل رکعتین ثم قل: اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بنبیی محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی استشفع بک علی ربی فی رد بصری اللھم فشفعنی فی نفسی وشفع نبیی فی رد بصری — وان کانت حاجۃ فافعل مثل ذٰلک، فرد اللہ علیہ بصرہ" (عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہنے لگا میری بینائی جاتی

رہی ہے، آپ خدا سے میرے حق میں دعا کریں، آپ نے فرمایا: جا وضو کر کے دو رکعت پڑھ اور یہ دعا کر "خدایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی محمدؐ، نبی الرحمۃ کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں- اے محمدؐ میں اپنی بینائی کیلئے تیری شفاعت اپنے رب کے حضور پیش کرتا ہوں، خدایا میری دعا میرے حق میں قبول فرما اور میری بینائی کی واپسی کیلئے میرے نبیؐ کی شفاعت قبول کر" اور اگر اور کوئی ضرورت ہو تو بھی ایسا ہی کر" چنانچہ خدا نے اُسکی بینائی درست کر دی)- اِس روایت میں بھی روح بن القاسم کی روایت کی طرح "فشفعنی فی نفسی" موجود ہے- اور اتنا اضافہ بھی ہے کہ "وان کانت حاجة فافعل مثل ذٰلك" یا کہا " فعل ذٰلك" (ایسا ہی کیا) ممکن ہے اِسے عثمان بن حنیف کے قول کی تائید میں پیش کیا جائے- لیکن شعبہؒ اور روح بن القاسمؒ حماد بن سلمہ سے بہتر راوی ہیں- نیز روایت کے الفاظ کا اختلاف بتا رہا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں عموماً بالمعنی روایت کی جاتی ہیں- اور روایت کے الفاظ "وان کانت حاجة فعل مثل ذٰلك"، ممکن ہے عثمان کے الفاظ ہوں نہ نبی صلعم کے کیونکہ اگر یہ کلام نبویؐ ہوتا تو اِن الفاظ کے بجائے یوں ہوتا " وان کانت لك حاجة فعلت مثل ذٰلك"

اور اگر یہ اضافہ صحیح ثابت ہو جائے تو بھی اُس سے کوئی حجت نہیں لائی جا سکتی بلکہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ عثمان بن حنیفؓ نے خیال کیا کہ اصلی دعا کے ایک ٹکڑے سے بھی دعا کی جا سکتی ہے، کیونکہ اُنھوں نے پوری مشروع دعا نہیں بلکہ اُسکے ایک حصہ کا ذکر کیا ہے، اور یہ کہ اِس طرح کی دعا نبی صلعم کی وفات کے بعد بھی روا ہے- حالانکہ خود حدیث کے الفاظ اِس خیال کی تردید کرتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اندھے نے نبی صلعم سے دعا کی درخواست کی اور آپ نے اُسے دعا تلقین فرمائی جسمیں یہ الفاظ بھی تھے " اللھم فشفعه فی" (اے خدا میرے حق میں اُسکی شفاعت قبول کر) ظاہر ہے یہ دعا اُسی وقت کی جا سکتی ہے جب نبی صلعم

دعا و شفاعت کر رہے ہوں نہ کسی دوسری حالت میں۔ یہ دعا آپکی زندگی میں لوگوں کے لئے آپکی دعا و شفاعت کی مناسبت سے تھی اور قیامت میں اُسوقت موزون ہوگی جب آپ شفاعت فرمائینگے۔ اِسی روایت میں ہے کہ اندھے نے کہا " وشفعنی فیہ" (میری دعا میرے حق میں قبول کر) ظاہر ہے اندھے کی مراد یہ تو ہو نہیں سکتی کہ وہ آنحضرت صلعم کے حق میں آپکی کسی غرض کیلئے شفاعت کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ آپکے حق میں بھی دعا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صلوۃ وسلام میں ہے' نیز خود آپ نے ہم سے خواہش کی ہے کہ آپ کے لئے وسیلہ طلب کریں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا " من قال اذا سمع النداءَ اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ' حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ "(جسنے اذان سُنکر کہا: اے خدا رب اِس دعوۃِ تامہ اور صلوٰۃ قائمہ کے' محمدؐ کو وسیلہ و فضیلہ دے اور اُس مقام محمود میں اُسے اُٹھا جسکا تو نے اُس سے وعدہ کیا ہے' تو میری شفاعت قیامت کے دن اُسکے لئے حلال ہوگی) مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ " اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فان من صلی علیّ صلوۃ صلی اللہ علیہ عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا درجۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ذالک العبد' فمن سأل اللہ لی الوسیلۃ حلت علیہ شفاعتی " (جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو' کیونکہ جو مجھپر ایک درود بھیجیگا خدا اُسپر دس درود بھیجیگا' پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو جو جنّت میں ایک درجہ ہے اور اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کیلئے سزاوار ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں' جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی اُسکے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی) اور اُمت کا آپ کیلئے وسیلہ طلب کرنا

آپ کے حق میں دعا ہے اور یہی معنی شفاعت کے ہیں، اسی لئے ثواب عمل کی جنس سے رکھا گیا کہ جو کوئی آپ پر درود بھیجیگا خدا اُسپر درود بھیجیگا اور جو آپ کیلئے وسیلہ (کہ جسمیں آپکی شفاعت داخل ہے) طلب کریگا اُسکے لئے آپ شفاعت فرمائینگے۔ چنانچہ یہی اِس حدیث میں ہے کہ اندھے نے آپ سے شفاعت کی درخواست کی تو آپ نے حکم دیا کہ خدا سے میری شفاعت مقبول کرنے کی دعا کر، گویا اِسمیں شفاعت در شفاعت ہے، اسی لئے کہا "اللھم فشفعه فی وشفعنی فیه" (اُسکی شفاعت میرے حق میں اور میری اُسکے حق میں قبول کر) اور ظاہر ہے ایسے موقعہ پر رسول اللہ کی دعا قبول ہو جانا اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ کی عزت کا ثبوت ہے۔ اِسی لئے یہ واقعہ آپکے معجزات اور دلائلِ نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ نیز وہ قیامت میں آپکی دعا کی طرح ہے، اسی لئے طالبِ دعا کو تلقین کی: "شفعه فی وشفعنی فیه" برخلاف "وشفعنی فی نفسی" کے کہ جسے اس غریب طریق کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے۔ لیکن "وشفعنی فیه" کو دو جلیل القدر راویوں: عثمان بن عمرؓ اور روح بن عبادہؓ نے شعبہؓ سے روایت کیا ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں شعبہؒ سے زیادہ جلیل القدر کوئی نہیں۔ نیز عثمان بن عمرؓ عن شعبہ کی حدیث کو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بطریق محمود بن غیلان عن عثمان بن عمر عن شعبہ اور ابن ماجہ نے بطریق احمد بن یسار عن عثمان بن عمر روایت کیا ہے۔ نیز امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں روح بن عبادہ عن شعبہ روایت کیا ہے اور ظاہر ہے یہ لوگ حدیث کے زیادہ حافظ و ماہر ہیں۔ پھر اگر "وشفعنی فی نفسی" (میرے حق میں میری شفاعت قبول کر) کا لفظ محفوظ تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ سائل نے یہ دعا کی کہ نبی صلعم کی شفاعت کے ساتھ وہ خود بھی اپنا شفیع ہو۔ حالانکہ اگر نبی صلعم اُسکے لئے دعا نہ کرتے تو اور سائلوں کی طرح محض ایک سائل ہوتا، اور ظاہر ہے ایسی حالت میں دعا کو شفاعت نہیں کہا جائیگا

کیونکہ شفاعت اُسی وقت ہو سکتی ہے جب دو شخص موجود ہوں اور ایک دوسرے کے حق میں دعا کرے' برخلاف شخصِ واحد کے جو خود اپنے حق میں دعا کر رہا ہے اِسے دعا کہا جائیگا' شفاعت نہیں۔

غرضکہ اِس اضافہ میں متعدد علّتیں موجود ہیں: راوی نے اپنے سے بڑے حافظوں سے کٹ کر اُسے روایت کیا ہے۔ اصحابِ سنن نے اُس سے اعراض کیا ہے۔ اُسکے الفاظ مضطرب ہیں۔ اُسکے راوی کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ روح بن عبادہ سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ یہ وجوہ اُسے مشکوک و مشتبہ کر دینے کیلئے بالکل کافی ہیں' لہٰذا وہ حجّت نہیں ہو سکتی کیونکہ صحابی کی روایت کا اعتبار ہے نہ اُسکے فہم کا' اگر اُسکی روایت کے الفاظ اُسکے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف مطلب ظاہر کرتی ہوں جیساکہ یہاں صورتِ حال ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر نبی صلعم کی وفات کے بعد کوئی دعا میں کہے" اللھم فشفعہ فی وشفعنی فیہ " تو چونکہ آپ اُس کیلئے دعا نہیں کر رہے ہے اِسلئے یہ کلام بے معنی ہوگا۔ پھر عثمان بن حنیف نے اُس شخص کو نبی صلعم سے شفاعت طلب کرنے کا مشورہ نہیں دیا' نہ یہ تلقین کی کہ " فشفعہ فی " نہ پوری ماثورہ دعا بتائی بلکہ صرف اُسکے ایک حصّہ کی تلقین کی۔ چونکہ یہاں آنحضرت صلعم کی طرف سے نہ شفاعت ہے نہ شفاعت کے لگ بھگ کوئی چیز' اِسلئے آپ کی وفات کے بعد اِس طرح کا کلام بالکل لغو ہے' یہی وجہ ہے کہ عثمانؓ نے اُسکا بلکہ دعاء ماثورہ کا بھی حکم نہیں دیا اور جو کچھ بتایا وہ نبی صلعم سے ماثور نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کی کوئی چیز بھی شریعت نہیں بن سکتی اور نہ اِکّادُکّا صحابہؓ کے آثار' حسنِ عبادات' اباحات' ایجابات یا تحریمات میں کوئی وزن رکھتے ہیں جبکہ اور صحابہؓ کا عمل اور نبی صلعم سے ثابت احکام اُس کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہوں۔ جب معاملہ ایسا ہو جیسا یہاں ہے تو صحابی کا فعل ہرگز سنّت نہیں ہو سکتا کہ جسکی پیروی مسلمانوں پر واجب ہو۔ بلکہ اُس سے زیادہ سے

زیادہ جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد روا ہے۔ اور یہ شریعت کا مسلّم اصول ہے کہ جس بارے میں امت مختلف ہو جائے اُسے فیصلہ کیلئے اللہ اور رسولؐ کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔

بعض افرادِ صحابہؓ کا فعل سنت نہیں

اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایسے حالات میں بعض جلیل القدر صحابہؓ کے بھی افعال سنت نہیں بنے۔ مثلاً حضرت عمرؓ وضو میں پانی آنکھوں کے اندر داخل کیا کرتے اور کانوں کیلئے نیا پانی لیتے تھے۔ اسیطرح ابو ہریرہؓ وضو میں ہاتھ بازوؤں تک دھوتے اور کہتے تھے "من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل" (جو اپنے غُرّہ کو دراز کر سکے چاہیئے کہ دراز کرے) نیز گردن کا مسح کرتے اور کہتے "ھو موضوع الغل" (اِس سے گردن گناہوں کے بوجھ سے ہلکی ہوتی ہے) ان دونوں صحابیوںؓ کے فعل کو اگرچہ علماء کے ایک گروہ نے مستحب قرار دیا ہے مگر اور سب نے اسی بنیاد پر مخالفت کی ہے کہ تمام صحابہؓ اس طرح وضو نہ کرتے تھے، نیز صحیحین وغیرہ میں جو وضو رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے، اسکے خلاف ہے، اسمیں کانوں کیلئے نیا پانی لینا، ہاتھ پاؤں کہنیوں اور ٹخنوں کے اوپر دھونا اور گردن کا مسح کرنا نہیں ہے اور نہ آپ نے فرمایا "من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل" بلکہ یہ ابو ہریرہؓ کا قول ہے جو بعض احادیث میں مدرجاً روایت کر دیا گیا ہے۔ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا "انکم تاتون یوم القیامۃ غرا محجلین من اثار الوضوء" (تم قیامت کے دن وضو کے نشانوں کی وجہ سے بچھکلیان گھوڑوں[۱] کی طرح آؤ گے) اور آپ کا وضو یہ تھا کہ ہاتھ اور پاؤں دھوتے تو بازو اور پنڈلی کے قریب قریب ہو جاتے۔ ابو ہریرہؓ کے قول: "من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل" (جو اپنا غُرّہ دراز کر سکتا ہے، دراز کرے)

---

[۱] ہم نے "غرا محجلین" کا ترجمہ بچھکلیان کیا ہے، کیونکہ "غُرّہ" گھوڑے کی پیشانی پر کے سفید ٹیکے کو کہتے ہیں، اور "تحجلہ" اُسکے پیروں کی سفیدی کو۔

سے بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ بازو کا دھونا اطالہ غرّہ ہے، بے معنی ہے کیونکہ غرّہ چہرہ میں ہوتا ہے نہ ہاتھ پاؤں میں، پاؤں کیلئے "حجلہ" کا لفظ خاص ہے۔ پھر غرّہ کی درازی ناممکن ہے کیونکہ پورے چہرہ کا دھونا پہلے ہی سے ضروری ہے، سر دھویا نہیں جاسکتا اور اگر دھویا جاتا تو اُسمیں غرّہ ہوتا ہی نہیں۔ حجلہ کا اطالہ بھی مستحب نہیں بلکہ "مُثلہ"[۵] ہے۔

اسیطرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا دستور تھا کہ جن راستوں پر آنحضرت صلعم چلے ہیں چلتے، اور جہاں اُترے ہیں اُترتے، سفر میں اُسی جگہ وضو کرتے جہاں آپؐ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور بچا ہُوا پانی اُسی درخت پر تریرید دیتے جسپر آپ نے تریرا۔ ان امور کو بعض علماء نے مستحب بتایا ہے لیکن جمہور علماء نے اِنھیں مستحب قرار نہیں دیا، اور نہ اکابر صحابہؓ مثل ابوبکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود و معاذ بن جبل وغیرہم (رضوان اللہ علیھم اجمعین) نے ابن عمرؓ کی طرح اُنپر عمل کیا حالانکہ اگر وہ اُنھیں مستحب سمجھتے تو ضرور کرتے کیونکہ اتباعِ سنت میں بہت مستعد تھے۔

اتباعِ سنت کی حقیقت

اور یہ اسلیئے کہ اتباع کا مطلب یہ ہے کہ وہی کیا جائے جو آپ نے کیا ہے اور اُسی بنا پر کیا جائے جس بنا پر آپ نے کیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فعل، عبادت کے طور پر کیا ہے تو ہمیں بھی وہ فعل، عبادت سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ اگر کسی مقام یا وقت کو کسی عبادت کیلئے خاص کیا ہے تو ہمیں بھی ویسا ہی کرنا چاہیئے۔ مثلاً کعبہ کا طواف کرنا، حجر اسود کا چھونا، مقام ابراہیمؑ کے پیچھے نماز پڑھنا، مسجد نبویؐ میں ستون کے پاس نماز کی کوشش کرنا، صفا و مروہ پر چڑھنا اور وہاں ذکر و دعا کرنا، نیز عرفہ و مزدلفہ وغیرہ میں بالقصد جانا اور وہاں مخصوص عبادتیں کرنا۔ لیکن آپ کا جو فعل محض اتفاقی ہے، قصداً نہیں کیا گیا مثلاً سفر کرتے کرتے کسی جگہ اُتر پڑے اور نماز پڑھی تو ظاہر ہے یہ نماز اسلیئے نہیں تھی کہ خاص اِس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے بلکہ یہ محض اتفاقی

---

۵ مُثلہ کے معنی ہیں صورت بگاڑنا۔

بات تھی - چونکہ وہاں منزل کی تھی اسلئے نماز بھی پڑھ لی - بنابریں اگر ہم اُس جگہ کو نماز یا منزل کی جگہ بنالیں تو ہم اس چیز میں متبع سنت نہ ہونگے بلکہ یہ اُن بدعتوں میں سے ایک بدعت ہوگی جن سے حضرت عمرؓ منع کیا کرتے تھے - چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے: کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سفر میں تھے، نماز فجر کے بعد ایک جگہ گزر ہوا تو ساتھ کے لوگ اُدھر دوڑ دوڑ کے جانے اور کہنے لگے: یہاں نبی صلعم نے نماز پڑھی ہے - اسپر حضرت عمرؓ نے کہا " اہلِ کتاب اسیطرح ہلاک ہوئے کہ اُنھوں نے اپنے انبیاؑ کی یادگاروں کو کنیسے اور عبادت گاہیں بنالیا، جسے نماز پڑھنا ضروری ہو پڑھ لے ورنہ آگے بڑھے" اور یہ اِسی بنا پر کہ نبی صلعم نے وہ جگہ نماز کیلئے خاص نہیں کی تھی بلکہ چونکہ وہاں اُترے تھے اسلئے نماز پڑھ لی تھی - لہذا حضرت عمرؓ کی رائے ہوئی کہ ایسے فعل کی محض ظاہری صورت میں شرکت کرنا اور قصد و نیت سے قطع نظر کر لینا اتباعِ سنت نہیں ہے بلکہ اُس جگہ کو نماز کیلئے مخصوص کر دینا اہلِ کتاب کی بدعتوں کے مشابہ ہے کہ جنکی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اور جنکی تقلید سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے - پس اگر اس پر بھی کوئی ایسا کرے تو گویا وہ ظاہر میں اپنے ہاتھ پاؤں سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع دکھائی دے، مگر اپنی نیت و ارادہ میں جو قلب کا فعل ہے یہود و نصارٰی کا مقلد ہے -

یہ ایک شرعی اصل ہے، کیونکہ سنت کی پیروی، عمل کی محض ظاہری صورت کی نقل سے کہیں بڑھکر ہے - اِسی لئے جب نماز میں جلستہ الاستراحتہ بہت سے علماء پر مشتبہ ہوگیا کہ آیا آپؐ نے استحباباً کیا تھا یا کسی عارضی ضرورت سے تو اس میں اختلاف ہوگیا -

اِسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نبی صلعم کی نشستگاہ پر ہاتھ رکھنا اور حضرت ابن عباسؓ کا بصرہ میں اور عمروؓ بن حریث کا کوفہ میں تعریف کرنا ہے - چونکہ

اسے جملہ صحابہؓ نے نہیں کیا اور نہ نبی صلعم نے امت کیلئے مشروع کیا، اسلئے یہ نہ کہا جا سکا کہ وہ سنّتِ مستحبہ ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا کہ اس معاملہ میں صحابہؓ نے اجتہاد کیا ہے یا یہ کہ اسکے فاعل پر گرفت نہ کی جائیگی کیونکہ اسمیں اجتہاد جائز ہے نہ اسلئے کہ وہ سنّتِ مستحبہ ہے جسے رسول اللہ نے اپنی امت کیلئے قائم کیا ہے۔

یہ اور اس طرح کی مثالوں میں ائمۂ علم کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی اسے مکروہ بتاتے ہیں کبھی اسمیں اجتہاد روا رکھتے ہیں اور کبھی اسپر عمل کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ اسے سنت نہ بنا لیا جائے۔ لیکن کوئی عالمِ دین بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سنّت ہے، اور مسلمانوں کیلئے مشروع ہے۔ کیونکہ ایسی بات صرف اُسی صورت میں کہی جا سکتی ہے جب رسول اللہ نے اسے مشروع کیا ہو۔ آپ کے سوا سنّت و شریعت قرار دینے کا کسی کو حق نہیں۔ رہے خلفاء راشدین تو جو طریقے اُنھوں نے قائم کئے وہ خود رسول اللہ صلعم کے حکم سے تھے اور اسلئے سنّت ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ دین میں نہ کوئی چیز واجب ہے، نہ حرام، نہ مستحب، نہ مکروہ، نہ مباح، اور اگر ہے تو وہ اور صرف وہ ہے جسے رسولِ خداؐ نے واجب یا حرام یا مستحب یا مکروہ یا مباح قرار دیا ہے۔

اسیطرح اباحات میں جیسا کہ روزہ میں ابو طلحہؓ نے اولہ کھانا جائز سمجھا۔ حذیفہؓ نے سحری اُسوقت تک درست سمجھی جبتک روشنی خوب نہ پھیل گئی یہاں تک کہ لوگ چلا اُٹھے: دن ہو گیا" مگر سورج نہ نکلا تھا۔ لیکن چونکہ اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا اسلئے ان صحابیوںؓ کا یہ فعل واجب الاتباع نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے کتاب و سنّت کے سامنے پیش کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

اسیطرح کراہت و تحریم کے باب میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور اُنکے صاحبزادے عبداللہ نے حج میں طوافِ کعبہ سے پہلے خوشبو لگانا مکروہ قرار دیا۔ یا بعض صحابہؓ نے حج فسخ

کر کے تمتع کی نیت یا سرے سے تمتع ہی کو مکروہ بتایا۔ یا نماز قصر کیلئے مسافت کی تحدید کی اور کہا اِس سے کم میں قصر نہ کیا جائے، یا فتویٰ دیدیا کہ مسافر کیلئے سفر میں روزہ جائز نہیں یا اسی قبیل سے حضرت سلمان فارسیؓ کا قول ہے کہ لعاب نجس ہے۔ یا ابن عمرؓ کا کہنا کہ کتابیہ سے نکاح جائز نہیں، یا معاذ و معاویہؓ کا مسلمان کو کافر کا وارث ٹھیرانا، یا حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا جنبی کو تیمم سے منع کرنا۔ یا حضرت علیؓ، زیدؓ اور ابن عمرؓ کا کہنا کہ اگر شوہر مر جائے تو مفوضہ کیلئے مہر نہیں۔ یا حضرت علی اور ابن عباسؓ کا فتوی دینا کہ حاملہ بیوہ ہو جائے تو ابعد الاجلین عدت بیٹھے۔ یا ابن عمرؓ وغیرہ کا کہنا کہ مُحرم کے مرتے ہی اُس کا احرام ٹوٹ جاتا ہے اور اُسکے ساتھ وہی کرنا چاہئے جو غیر مُحرم کے ساتھ کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ مسائل جنمیں صحابہؓ نے باہم اختلاف کیا۔ لیکن علمار کی کسی وقیع جماعت نے بھی اِن مختلف فیہ باتوں کو بعض صحابہؓ کے عمل کی بنا پر سنت قرار نہیں دیا بلکہ یہی فیصلہ کیا اور ٹھیک کیا کہ انھیں اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹانا چاہیے، کیونکہ امت کیلئے وہی چیز شریعت ہو سکتی ہے جسے اللہ کے رسول نے مشروع کیا ہے۔

صحابی کا فعل کب حجت ہوتا ہے؟

جو علمار کہتے ہیں کہ صحابی کا قول حجت ہے وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ دوسرے صحابہؓ اُسکے مخالف نہ ہوں اور کوئی نص اُسکے خلاف موجود نہ ہو۔ صحابہؓ کی خاموشی بھی اِس بارے میں معتبر بتائی جاتی ہے جسکی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فعل یا قول شہرت پا گیا اور صحابہؓ نے اسپر اعتراض کے بجائے سکوت کیا تو سمجھا جائیگا کہ اُنھوں نے مخالفت نہیں کی اور اِسے "اجماع اقراری" کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کسی باطل فعل کو بغیر اعتراض کئے چھوڑ نہیں سکتے۔ لیکن اگر وہ مشہور نہیں ہُوا اور اُسکے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے تو اُسے حجت قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ مخالفت ہوئی ہے تو پھر وہ بالا تفاق حجت نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اُسکی مخالفت ہوئی ہے یا موافقت تو اُسے اُسی حال میں معلق چھوڑ دیا جائیگا، کسی پہلو پر بھی جزم

نہ کیا جائیگا۔ لیکن اگر سنتِ نبوی اُسکے خلاف پر دلالت کرے تو باتفاق اہلِ علم حجت رسول اللہ کی سنت میں ہوگی نہ اُسکے مخالف قول و عمل میں۔

اگر یہ مسلّم ہے تو پھر عثمان بن حنیف وغیرہ بعض صحابہؓ سے اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اُنھوں نے وصال کے بعد نبی صلعم کو وسیلہ بنانا (بغیر اسکے کہ آپ دعا یا شفاعت کریں) مشروع و مستحب قرار دیا ہے، تو چونکہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کی یہ رائے نہ تھی بلکہ وہ اِسے وفات کے بعد ناجائز سمجھتے تھے، اسلئے اُنکا (عثمان بن حنیف وغیرہ کا) قول ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ اِس بارے میں صحابہؓ کا طریقہ یہ تھا کہ استسقا کے موقعہ پر آپکی زندگی میں آپکی دعا کو وسیلہ بناتے تھے، لیکن جب وصال ہو گیا تو پھر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ نے اتفاق اہلِ علم اپنی صحیح و مشہور و ثابت دعا میں، جو عام الرمادہ کے ہولناک قحط میں مہاجرین و انصار کے روبرو مانگی تھی، کہا تھا "اللھم انا کنا اذا اجدبنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا"، (اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو اپنے نبیؐ کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، (اب) ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ تیرے حضور لاتے ہیں ہمیں سیراب کر) اِس دعا پر تمام صحابہ نے سکوت کیا اور باوجود شہرت کے کسی نے بھی اسکی مخالفت نہ کی۔ بنا بریں یہ دعا "اجماع اقراری" کی ایک نہایت واضح مثال ہے۔ اِسی قسم کی دعا معاویہؓ بن ابی سفیان نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں استسقا کے موقعہ پر مانگی تھی۔ حالانکہ اگر وفات کے بعد بھی آنحضرت صلعم سے وسیلہ لینا درست ہوتا تو صحابہؓ ضرور کہتے کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر عباسؓ بن عبد المطلبؓ اور یزید بن الاسودؓ وغیرہ کو ہم کیوں وسیلہ بنائیں، حالانکہ آپؐ افضل خلق ہیں اور آپ کا وسیلہ خدا کی جناب میں سب سے افضل و اعظم وسیلہ ہے؟ لیکن چونکہ انمیں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا اور دوسری طرف ہمیں معلوم ہے کہ زندگی میں وہ صرف آپکی دعا و شفاعت کو وسیلہ بناتے اور وفات کے بعد دوسروں کی

دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتے تھے تو ثابت ہو گیا کہ جو وسیلہ اُنکے نزدیک مشروع تھا وہ دعا کا وسیلہ تھا نہ کسی کی ذات خاص کا۔

نابینا والی حدیث حضرت عمرؓ کیلئے حجت ہے

رہی حدیثِ اعمٰی تو وہ حضرت عمرؓ اور عام صحابہؓ کیلئے حجت ہے کیونکہ اندھے سے یہی کہا گیا تھا کہ نبی صلعم کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنائے نہ کہ آپ کی ذات کو۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی صحابیؓ نے آپکی شفاعت کے بجائے آپکی ذات کو وسیلہ بنانے کیلئے کہا، پوری مشروع دعا کے بجائے اُسکے صرف بعض حصوں کی تلقین کی تو اس صورت میں بھی یہی کہا جائیگا کہ حضرت عمرؓ کا فعل موافقِ سنّتِ نبویؐ ہے اور اُس صحابی کا فعل مخالفِ سنّت ہے اور یہ کہ جو حدیث اُس نے روایت کی ہے خود اُسی پر حجت ہے واللہ اعلم!

باب (۳)

وسیلہ کی تیسری قسم

رہی تیسری قسم جسے وسیلہ کا نام دیدیا گیا ہے تو اُسکی تائید میں کوئی شخص نبی صلعم سے ایک لفظ بھی ایسا نقل نہیں کر سکتا جو اہلِ علم کیلئے دلیل بن سکے جیسا کہ مفصّل بیان ہو چکا۔ اِس تیسری قسم سے مراد وہ دعا ہے جسمیں خدا کو انبیاء و صالحین کی قسمیں دلائی جاتی ہیں یا اُنکی ذات کو درمیان میں رکھکر سوال کیا جاتا ہے۔ اِس بارے میں نبی صلعم سے کوئی ایک بات بھی بیان نہیں کی جا سکتی، نہ خود آپکی قسم دلانے اور آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کرنے میں اور نہ کسی مخلوق کی قسم یا ذات کے حوالہ سے دعا کے بارے میں۔ اور اگر مان لیا جاوے کہ بعض علماء نے اِسے جائز بتایا ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ بہت سے علماء نے اُسے ناجائز قرار دیا ہے۔ بنا بریں یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہوا جیسا کہ بیان ہو چکا اور اُسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹانا ضروری ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی دلیل لائے اور دوسرے مابہ النزاع مسئلوں کی طرح اُسپر بحث کرے۔ یہ مسئلہ باجماع مسلمین ایسا نہیں ہے کہ اُسکی وجہ سے کسی کو سزا دی جائے

بلکہ اُسپر سزا دینے والا ظالم و جاہل ہے۔ کیونکہ اُسے ناجائز کہنے والا کوئی نئی بات نہیں کہتا، وہی کہتا ہے جو بہت سے علماء کہہ چکے ہیں اور اُسکے منکر کے پاس نبی صلعم یا صحابہؓ سے کوئی دلیل نہیں ہے جسکی پیروی واجب ہو، خصوصًا ایسی حالت میں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کے سوا انبیاء، اولیاء کسی مخلوق کی بھی قسم کھانا درست نہیں جیسا کہ بیان ہوُا۔ اور تمام علماء متفق ہیں کہ خدا کے سوا کسی نبی، ولی غرضکہ کسی مخلوق کی بھی نذر جائز نہیں بلکہ ایسی نذر مشرکانہ نذر ہے جسے پُورا نہیں کرنا چاہیئے۔ اسیطرح قرآن اور دوسری مخلوقات کی بھی قسم جائز نہیں اور اگر کھائی جائے تو نہ قسم واقع ہوگی نہ کفارہ عائد ہوگا حتیٰ کہ اگر نبی صلعم کی قسم کھائی جائے تو وہ بھی واقع نہ ہوگی جیسا کہ مذکور ہوُا اور نہ جمہور علماء کے نزدیک اُسمیں کفارہ واجب ہے۔ مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ اور احمدؒ (فی احدی الروایتین) کا یہی مذہب ہے۔ پس اگر مخلوق کی قسم کھانا اور مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا جائز نہیں تو اللہ جل جلالہٗ کے باب میں یہ کیسے جائز ہوگا؟

رہی نبی صلعم کے حوالہ سے بغیر قسم دلائے دعا تو اِسے بھی بہت سے علماء نے منع کیا ہے۔ نبی صلعم اور خلفاء راشدین کی سنت صحیحہ بھی اِسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جو کوئی ایسا کرتا ہے قربت وطاعت سمجھ کر کرتا ہے نیز یقین کرتا ہے کہ اس ذریعہ سے دعا مقبول ہو جاتی ہے۔ حالانکہ جو چیز اِس طرح کی ہو وہ یا تو واجب ہوگی یا مستحب، اور معلوم ہے کہ عبادات و ادعیہ میں واجب و مستحب وہی چیز ہو سکتی ہے جسے نبی صلعم نے امت کیلئے مشروع کیا ہے۔ لیکن جسے مشروع نہیں کیا وہ نہ واجب ہو سکتی ہے نہ مستحب، نہ قربت و طاعت کا ذریعہ ہو سکتی ہے نہ اجابتِ دعا کا سبب۔ اِس پورے موضوع پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ پس جو کوئی اِسکا اعتقاد رکھتا ہے یعنی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کو مستحب یا واجب سمجھتا ہے، وہ گمراہ ہے اور اُسکی یہ بدعت، بدعتِ سیئہ ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح، سنتِ نبوی ؐ اور

سنّت خلفاء راشدین سے پوری طرح واضح ہوچکا ہے کہ یہ چیز اُن کے نزدیک مشروع نہ تھی۔

نیز یہ بھی واضح ہوچکا کہ خدا سے اِس قسم کا سوال ایک ایسا سوال ہے جو کسی ایسے سبب پر مبنی نہیں جو اجابتِ دعا سے مناسبت رکھتا ہو اور یہ کہ وہ ویسی ہی دعا ہے جیسی کعبہ، طور، کرسی، مسجد وغیرہ مخلوقات کے نام پر دعا، اور معلوم ہے کہ جس طرح خدا کو مخلوقات کی قسم دلانا مشروع نہیں اُسی طرح مخلوقات کے حوالہ سے اُس سے دعا کرنا بھی مشروع نہیں، بلکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ نیز کسی کے لئے روا نہیں کہ مخلوق کی قسم کھائے یا خدا کو مخلوق کی قسم دلائے یا مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کرے بلکہ اِس کے برخلاف ایسے اسباب سے دعا کرنا چاہیے جو قبولیت سے مناسبت رکھتے ہیں جیسا کہ مفصّل بیان ہوچکا۔ اِسکے جواز میں نبی صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں بلکہ جو کچھ روایت کیا جاتا ہے موضوع ہے۔ البتہ بعض اہلِ علم سے آثار و اقوال روایت کئے گئے ہیں جنمیں سے بعض ثابت ہیں اور بعض غیر ثابت۔ مثلاً وہ حدیث جسے احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور جسمیں ہے "بحق السائلین علیك و بحق ممشای ھذا" پوری حدیث یوں ہے: " احمد عن وکیع عن فضیل بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید الخدری عن النبی صلعم قال" من قال اذا خرج الی الصلاة: اللھم انی اسالك بحق السائلین علیك و بحق ممشای ھذا فانی لم اخرجه اشرا ولا بطرا ولا ریاء ولا سمعة خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك اسالك ان تنقذنی من النار وان تدخلنی الجنة وان تغفر لی ذنوبی انه لا یغفر الذنوب الا انت " خرج معه سبعون الف ملك یستغفرون له واقبل الله علیه بوجهه حتی یقضی صلاته " (...... جس نے نماز کیلئے نکلتے ہوئے کہا کہ خدایا میں تجھ سے اُس حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلوں کا

نفی صحیح بھی گزر چکی ہے کہ کسی بھی فریاد کی مروی نہیں

ہے اور اپنے اِس چلنے کے حق سے کیونکہ میں نہ تکبر سے نکلا ہوں نہ دکھاوے اور شہرت کے خیال سے بلکہ محض تیرے غصہ سے بچنے اور تیری خوشنودی کی جستجو میں نکلا ہوں، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دے، جنت میں داخل کر، میرے گناہ معاف کر، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا" تو اُسکے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اُسکی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور خدا اُسکی طرف متوجّہ ہوجاتا ہے، یہانتک کہ نماز پڑھ چکے) ۔ یہ حدیث عطیۃ الکوفی کی روایات میں سے ہے جو باجماع اہلِ علم ضعیف ہے ۔ یہ ایک اَور طریق سے بھی مروی ہے مگر وہ طریق بھی ضعیف ہے ۔ پھر اس کے الفاظ میں کوئی حجّت نہیں، کیونکہ خدا پر سائلوں کا یہ حق ہے کہ اُنکی دعا قبول کرے اور عابدوں کا یہ حق ہے کہ انھیں ثواب دے ۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جسے باتفاقِ اہلِ علم خود اُس ذاتِ برتر نے اپنے اوپر واجب کیا ہے ۔ اِسپر بھی مفصّل گفتگو ہوچکی ہے ۔ یہ دعا درحقیقت اُس دعا کی مانند ہے جو تین شخصوں نے اپنے اعمال کے حوالہ سے غار میں مانگی تھی : ایک نے والدین کے ساتھ اپنی اطاعت کا حوالہ دیا، دوسرے نے اپنی کامل پارسائی کا، تیسرے نے اپنی بے داغ امانت داری کا ۔ اور یہ اس بنا پر کہ خدا نے اِن اعمال کا حکم دیا ہے اور ان پر ثواب دینے کا وعدہ کیا ہے ۔ پس یہ چیز ویسی ہی ہوگئی جیسی خدا نے مومنین سے نقل کی ہے کہ :

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (۳ : ۱۱)	اے ہمارے رب، ہم نے ایمان کے مُنَادی کی پکار سُنی کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمارے گناہ معاف کر، ہماری بُرائیاں دُور کر اور نیکوں کے ساتھ ہمیں وفات دے ۔

اَور فرمایا :

اِنَّهٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (۱۸ : ۶)

میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں پس ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

اور فرمایا:

قُلْ اَؤُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (۳ : ۱۰)

کہدے کیا میں تمھیں اس سے بہتر کی خبر دوں؟ جو لوگ پرہیزگار ہیں اُنکے لئے اُنکے رب کے ہاں جنتیں ہیں جنمیں نہریں پڑی بہتی ہیں وہ اُنمیں ہمیشہ رہینگے اور وہاں اُن کیلئے پاک جوڑے ہیں اور اللہ کی خوشنودیاں ہیں ...... جو کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لائے پس ہمارے گناہ بخشدے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اور جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ سحر کے وقت دعا کیا کرتے تھے کہ: اللھم دعوتنی فاجبت وامرتنی فاطعت وھذا سحر فاغفرلی" (الہی! تُونے مجھے پُکارا میں نے لبیک کہی، حکم دیا اطاعت کی، یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے)۔

خدا کو قسم دلانے کی بحث

اصل اس باب میں یہ ہے کہ خدا کو کسی مخلوق کی قسم دلانا یا کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کرنا، یا واجب ہوگا یا مستحب، حرام ہوگا یا مکروہ، اور یا مباح ہوگا کہ جسکا نہ حکم ہے نہ مخالفت۔ اگر کہا جائے کہ وہ واجب یا مستحب یا مباح ہے تو یا مخلوقات میں تفریق کرنا پڑیگی اور یا کہا جائیگا کہ تمام یا بعض محترم مخلوقات کے ساتھ مشروع ہے۔

پس جو کہتا ہے کہ یہ جملہ مخلوقات کے ساتھ واجب یا مستحب یا مباح ہے تو لازم آئیگا کہ تمام جن وانس اور شیاطین کے حوالہ سے بھی دعا کرے جیسے ظاہر ہے کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر کہا جائے کہ نہیں، صرف محترم مخلوقات کو ذریعہ بنانا چاہیئے، مثلاً وہ مخلوقات جنکی خدا نے قسم کھائی ہے، تو اس سے لازم آئیگا کہ "واللیل اذا یغشٰی والنہار اذا تجلّٰی، والذکر والانثٰی"، اور "والشمس وضحاھا، والقمر اذا تلاھا، والنہار اذا جلّٰھا، واللیل اذا یغشاھا، والسماء وما بناھا، والارض وما طحاھا، ونفس وما سواھا...." سب ہی کچھ دعا میں کہہ جائے! نیز کہے "الخنس الجوار الکنس"، اور "واللیل اذا عسعس، والصبح اذا تنفس"۔ اور "الذاریات ذروا، فالحاملات وقرا، فالجاریات یسرا، فالمقسمات امرا"۔ اور "الطور، وکتاب مسطور، فی رق منشور، والبیت المعمور، والسقف المرفوع، والبحر المسجور" اور "الصافات صفا....." وغیرہ مخلوقات جنکی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قسم کھائی ہے! حالانکہ اس نے انکی قسم صرف اسلئے کھائی ہے کہ وہ اسکی نشانیاں اور اسکی مخلوقات ہیں، اسکی ربوبیت، الوہیت، وحدانیت، علم، قدرت، مشیئت، رحمت، حکمت، عظمت، عزت پر دال ہیں، پس وہ برتر و اعلیٰ انکی قسم اسلئے کھاتا ہے کہ اس قسم میں خود اسکی بزرگی و عظمت ہے۔ لیکن ہم مخلوقات کیلئے از روئے نص و اجماع ان کی قسم کھانا جائز نہیں۔ بلکہ ایک سے زیادہ علماء نے مخلوقات کی قسم کے ممنوع ہونے پر خود صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ بلکہ یہ شرک ہے جسکی سخت ممانعت آئی ہے۔
مخلوقات کے ذریعہ سے دعا کرنے سے قدرتاً لازم ہے کہ ہر ذکر و انثیٰ کا حوالہ دیا جائے، آندھیوں، بادلوں، ستاروں، سورج، چاند، رات، دن، انجیر، زیتون، طور سینین، بلد امین، کعبہ، صفا، مروہ، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ سب کو واسطہ بنایا جائے۔ نیز اس سے لازم آئیگا کہ ان مخلوقات کو بھی واسطہ قرار دیا جائے جنکی خدا کو

چھوڑ کر عبادت کیگئی ہے مثلاً آفتاب، ماہتاب، ستارے، فرشتے، عُزیر، مسیح، وغیرہ مخلوقات۔

حالانکہ معلوم ہے اِن مخلوقات کے واسطہ سے دعا کرنا یا خدا کو اُنکی قسم دلانا، دینِ اسلام میں عظیم ترین اور بدترین بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے اور اُسکی بُرائی ہر خاص و عام پر ظاہر ہے۔ نیز اس طرح کی دعا سے لازم آئیگا کہ خدا کو اُن منتروں جنتروں کی بھی قسم دلائی جائے جنھیں عامل اور جادُوگر گنڈوں اور تعویذوں میں لکھتے ہیں۔ بلکہ اِس صورت میں کہا جائیگا کہ اگر خدا کو اِن چیزوں کی قسم دلانا جائز ہے تو مخلوق کو دلانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، اور اِس سے لازم آئیگا کہ یہ تمام ٹونے ٹوٹکے، جنتر منتر اور جنوں کو جو قسمیں دلائی جاتی ہیں سب کی سب اسلام میں مشروع ہوں، حالانکہ یہ قول کفر کو مستلزم اور اپنے قائل کو اسلام بلکہ جملہ انبیاء کے دینوں سے خارج کر دینے والا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ تمام محترم مخلوقات نہیں بلکہ بعض کے ذریعہ میں دعا مانگونگا یا خدا کو اُنکی قسم دلاؤنگا، مثلاً صرف انبیاءؑ کی یا صرف کسی ایک نبیؐ کی، جیسا کہ بعضوں نے صرف انبیاء و صالحین کی قسم جائز بتائی ہے۔ تو جواب میں کہا جائیگا کہ یہ بعض مخلوقات اگرچہ سب سے افضل ہوں مگر پھر بھی اِس بات میں تو برابر ہیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا جائے۔ یعنی اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کے سوا نہ کسی کی عبادت ہونی چاہیئے، نہ کسی پر توکل ہونا چاہیئے، نہ کسی سے ڈرنا چاہیئے، نہ کسی کیلئے روزہ رکھنا چاہیئے، نہ کسی کو سجدہ کرنا چاہیئے، نہ کسی کی طرف رغبت ہونی چاہیئے اور نہ کسی کی قسم کھانی چاہیئے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: "من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت" (جسے قسم کھانا ہو خدا کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے) اور فرمایا: "لا تحلفوا الّا باللہ" (خدا کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ) اور سنن میں ہے کہ فرمایا: "من حلف بغیر اللہ فقد اشرک" (جس نے خدا کے سوا

کسی کی قسم کھائی، شرک کا مرتکب ہوگیا) پس نصوص صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے کہ کسی مخلوق کی بھی قسم کھانا جائز نہیں، اسمیں کوئی استثنا نہیں، نہ ملائکہ کا نہ انبیاء کا نہ صالحین کا نہ کسی خاص نبی یا ولی کا۔

اس میں کوئی استثنا نہیں

اور یہ اِس وجہ سے کہ خدا نے شرک کے باب میں جملہ مخلوقات کو ایک درجہ میں رکھاہے اور انمیں ادنیٰ و اعلیٰ کی تفریق نہیں کی کہ اِس مخلوق کو شریک بنانا روا ہے اور اُسکو ناروا۔ فرمایا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا، اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (۳ : ۱۶)

کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ خدا اُسے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہوجاؤ، لیکن یہ کہیگا کہ ربانی ہو کیونکہ تم کتاب سکھاتے اور پڑھتے تھے، اور نہ تمھیں اس بات کا حکم دیگا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بناؤ، کیا اسلام کے بعد تمھیں کفر کا حکم دیگا؟

اور فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔ (۱۵ : ۶)

کہدے کہ انھیں پکارو جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر خیال کئے بیٹھے ہو، وہ نہ مضرت کو تم سے علیحدہ کرسکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں وہ خود ہی خدا تک وسیلہ چاہتے ہیں کہ اُنمیں سے کون زیادہ مقرب ہے اور اُسکی رحمت کی امید کرتے اور اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں ......

بعض علمائے سلف کا قول ہے کہ بعض قومیں مسیح، عزیر اور ملائکہ کو پکارا کرتی تھیں، اسپر خدا نے فرمایا یہ لوگ جنھیں تم پکارتے ہو، میرے بندے ہیں، میری رحمت کے امیدوار اور میرے عذاب سے لرزاں و ترساں ہیں، تمھاری ہی طرح وہ بھی مجھ سے ڈرتے اور قربت چاہتے ہیں۔ فرمایا:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۱۸ : ۱۳)	جس نے خدا کی اور اسکے رسول کی اطاعت کی اور جو خدا سے ڈرا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

یعنی اطاعت اللہ اور رسول دونوں کیلئے ہے، اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، لیکن خشیت و تقوی صرف اسی ذات واحد کیلئے ہے جسمیں کوئی اسکا شریک نہیں، حتی کہ رسول بھی نہیں۔ فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۔ (۱۰ : ۱۳)	اگر وہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے پر راضی ہوجاتے اور کہتے خدا ہمارے لئے کافی ہے، ہمیں عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اسکا رسول اور دیگا، ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔

اسمیں واضح کیا کہ انھیں مناسب تھا کہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے پر راضی ہوجاتے اور کہتے "حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ" (۱۰ : ۱۳) اسمیں اللہ اور رسول کے دین پر رضامندی کا ذکر کیا ہے، کیونکہ رسول ہی ہمارے اور خدا کے مابین واسطہ ہے جسکے ذریعہ ہمیں اسکا امر و نہی، تحلیل و تحریم، وعدہ وعید کا حال معلوم ہوتا ہے، پس حلال وہی ہے جسے اللہ اور اسکے رسول نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھیرایا ہے اور دین وہی ہے جسکا اللہ اور اسکے رسول نے حکم دیا ہے۔ اسی لئے

فرمایا:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا - (۲۸ : ۴)	جو کچھ رسول نے دیا ہے لیلو اور جس سے منع کیا ہے اُس سے باز رہو -

بنا بریں کسی کیلئے جائز نہیں کہ اُس مال کے سوا کسی مال کو ہاتھ لگائے جو اللہ اور اُسکے رسول نے حلال کیا ہے، نیز مشترک مال مثل فیئ و غنیمت و صدقات میں اُتنے پر قناعت کرے جتنا اللہ اور رسول نے دیدیا ہے کیونکہ بس وہی اُسکا حق تھا، زیادہ طلب نہیں کرنا چاہیئے - پھر فرمایا " وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ " اِسمیں یہ نہیں کہا "وَرَسُولُہ" (یعنی اللہ اور رسول ہمارے لئے کافی ہے) کیونکہ "حسبُ" کے معنی ہیں " کافی" اور کافی صرف اللہ ہی ہے جسنے اپنے بندونکو ماسوا سے مستغنی کر دیا ہے، جیساکہ فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ - (۱۰ : ۴)	اے نبیؐ تیرے اور تیرے پیرو مومنین کے لئے اللہ کافی ہے -

یعنی وہی تنہا تیرے اور تیرے پیرو مومنوں کیلئے کافی ہے - پس جو کوئی رسولؐ کی پیروی کرتاہے، اللہ اُسکے لئے کافی ہوتا ہے، ہادی ہوتاہے، ناصر ہوتا ہے، رازق ہوتاہے - پھر فرمایا: سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗ " (۱۰ : ۱۳) اسمیں عطا کو اللہ اور رسول دونوں کی طرف منسوب کیا ہے لیکن " فضل " کا لفظ درمیان میں لاکر دونوں میں فصل کر دیا ہے کیونکہ اصلی فضل صرف اللہ ہی کا ہے - پھر فرمایا "اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ" اِسمیں رغبت صرف اللہ ہی کی طرف رکھی ہے، رسول اور کسی مخلوق کو بھی اسمیں اُسکا ساتھی قرار نہیں دیا -

پس واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی ممانعت میں تمام مخلوقات کو یکساں قرار دیا ہے اور کسی مخلوق کے حق میں بھی عام اس سے کہ پیغمبر ہو یا فرشتہ روا نہیں رکھا کہ اُسکی قسم کھائی جائے، اُسپر توکل کیا جائے، اُسکی طرف رغبت رکھی جائے، اُس سے

ڈرا جائے، اُس سے بچا جائے۔ فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۔ (۲۲ : ۹)	کہدے کہ اُنھیں پکارو جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر سمجھے بیٹھے ہو، وہ نہ آسمانوں میں نہ زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، نہ اُنکی اُن میں کوئی شرکت ہے اور نہ انمیں سے کوئی خدا کا پشت پناہ ہے، خدا کے حضور کسی کی شفاعت کام نہ دیگی مگر اُس کی جسے اُس نے اجازت دی ہے

اِسمیں خدا نے اُن لوگوں کو دھمکایا ہے جو غیر اللہ سے سوال کرتے ہیں، اور ظاہر کیا ہے کہ خدا کی حکومت کے پہلو بہ پہلو نہ اُنکی کوئی حکومت ہے اور نہ اُسکی حکومت میں اُنکی کچھ شرکت ہے، اور یہ کہ مخلوقات میں نہ کوئی اُسکا مددگار ہے نہ پشت پناہ۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے ماسوا سے دلوں کا رشتہ بالکل کاٹ دیا ہے، نہ رغبت جائز رکھی ہے نہ رہبت، نہ عبادت، نہ استعانت، غرض کوئی ایسی چیز باقی نہیں رکھی جسمیں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی موجود ہو، ہاں ایک شفاعت رکھی ہے مگر اُسکے بارے میں بھی صاف فرما دیا ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۔ (۲۲ : ۹)	اُسکے ہاں کسی کی شفاعت کام نہ دیگی مگر اُسکی جسے اجازت دی جائیگی۔

اِسیطرح احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قیامت میں جب مخلوق شفاعت کے لئے آدمؑ اور دوسرے اُولُوا العزم رسولوں: نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰ (علیہم السّلام) کے پاس آئیگی تو اُنمیں سے ہر ایک اپنے بعد والے کے پاس بھیجدے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کہینگے "محمدؐ کے پاس جاؤ جسکے اگلے پچھلے گناہ خدا معاف کر چکا ہے" نبی صلعم نے فرمایا "چنانچہ مخلوق میرے پاس آئیگی، میں اپنے رب کے پاس جاؤنگا،

اور جوں ہی اُسے دیکھونگا مُنہ کے بل سجدہ میں گر پڑونگا اور اُسکی ستائش کرونگا، یہ ستائش اِسوقت مجھے نہیں آتی، اُسیوقت مجھ پر کھولی جائیگی، پھر کہا جائیگا اے محمدؐ! سر اُٹھا اور کہہ، سُنا جائیگا، مانگ، دیا جائیگا، شفاعت کر، قبول کی جائیگی" فرمایا "چنانچہ میرے لیئے ایک حد مقرر کردی جائیگی اور میں اُس حد کے اندر کے لوگونکو جنت میں داخل کردونگا الخ" اِس سے واضح ہُوا کہ حضرت عیسیٰ، محمدؐ (صلعم) کو شافع اِسلیئے بتائینگے کہ وہ ایک ایسا بندہ ہے جسکے اگلے پچھلے گناہ خدا نے معاف کردیئے ہیں، پھر خود محمدؐ عبداللہ ورسولہٗ نے باوجود افضلترینِ مخلوق، معزز ترینِ شفیع، اور خدا کی نظر میں بزرگ ترین بندہ ہونے کے صاف کہدیا ہے کہ وہ درگاہِ خداوندی میں سجدہ کرینگے اور اپنے رب کی ستائش میں رطب اللسان ہونگے، لیکن شفاعت کے لیئے اُسوقت تک زبان نہ کھولیں گے جبتک اُسکی جناب سے اجازت نہ دی جائے کہ "سر اُٹھا، مانگ دیا جائیگا، شفاعت کر قبول کی جائیگی"، پھر تصریح فرمادی پروردگار آپ کیلیئے ایک حد مقرر کردیگا جسکے اندر کے لوگوں کو آپ جنت میں داخل کرینگے۔ پس یہ چیز (شفاعت) بھی اُسی کی مشیئت و قدرت و مرضی پر موقوف ہے، کوئی بھی بغیر اُسکی رضا و اذن کے زبان نہیں ہلا سکتا، کیونکہ معزز ترین شفیع اور بزرگ ترین مخلوق (جسکی شفاعت سُنی جائیگی) وہی ہے جسے اُس نے اسکی کمال عبودیت، اطاعت، انابت اور اپنے رب کی پسند و مرضی پر چلنے کی وجہ سے سب پر ترجیح دی، پسند کیا اور چُن لیا ہے۔

پس جب غیر اللہ کی قسم، اُسکی طرف رجوع و رغبت، اُس سے خوف و خشیت وغیرہ وہ احکام ہیں جو تمام مخلوقات کیلیئے عام ہیں تو کسی مخلوق کے حق میں بھی جائز نہ ہوگا کہ اُسکی قسم کھائی جائے، اُس سے ڈرا جائے، اُسپر توکل کیا جائے، اگرچہ وہ مخلوق کتنی ہی افضل ہو۔ اِس کے مستحق جب فرشتے اور پیغمبر نہیں تو مشائخ وصالحین کب

ہو سکتے ہیں ؟

غرض اُن مخلوقات کے حوالہ سے دعا، جنکی خدا نے قسم کھائی اور جنھیں بزرگی دی ہے، اگر جائز ہے تو اُن سب کے حوالہ سے جائز ہوگی، اور اگر جائز نہیں تو کسی کے بھی حوالہ سے جائز نہ ہوگی۔ رہی محترم مخلوقات میں تفریق کرا نکے حوالہ سے دعا کرینگے اور اُنکے حوالہ سے نہیں، سو ویسی ہی تفریق ہے جیسی بعضوں نے قسم کے معاملہ میں کی ہے کہ اِس مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے اور اُسکی نہیں۔ حالانکہ دونوں تفریقیں باطل اور بے بنیاد ہیں۔ اسیطرح اگر یہ تفریق کی جائے کہ جن مخلوقات پر ایمان لانا ضروری ہے اُنکی قسم کھائی جائیگی اور اُن کے واسطہ سے دعا کی جائیگی اور جن پر ایمان لانا ضروری نہیں نہ اُنکی قسم کھائی جائیگی نہ اُنکے واسطہ سے دعا کی جائیگی، تو اِس صورت میں بھی کہا جائیگا کہ کیا ملائکہ، انبیاء، منکر نکیر، جنّت کی حور و غلمان وغیرہ تمام چیزوں کی قسم کھاؤگے اور اُنکے واسطہ سے دعا کروگے کیونکہ اِن پر بلکہ اُن تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے جنکی رسول اللہ صلعم نے خبر دی ہے ؟

نہیں، اِس طرح کی کوئی تفریق نہ دعا میں ہوسکتی ہے نہ قسم میں۔ یہ سب ناجائز ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے تصریح کر دی ہے۔ واللہ اعلم

رہی آیت :

آیت استفتاح کی صورت

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (۱ : ۱۱)	اِس سے پہلے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے۔

تو اِسکی تشریح یہ ہے کہ یہودی مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ "عنقریب خدا ایک نبی پیدا کریگا، ہم اُسکے ساتھ ہوکر تم سے لڑینگے اور تمھیں مارینگے"۔ یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کو آپکی ذات کی قسم دلاتے یا آپکے حوالہ سے دعا کرتے ہوں، بلکہ یہ کہتے تھے کہ "اے خدا! اِس نبیِ اُمّی کو بھیج تاکہ ہم اُسکی پیروی کریں اور اُسکے ساتھ ہوکر اِن مشرکین کو قتل

کریں"۔ مفسرین کے نزدیک یہی بات ثابت ہے اور اسی پر قرآن بھی دلالت کرتا ہے فرمایا: وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ" استفتاح کے معنی ہیں "استنصار" یعنی فتح ونصرت طلب کرنا۔ آپ کے ذریعہ فتح و نصرت طلب کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ آپ مبعوث ہوں، آپ کا ساتھ دیں اور فتحیاب ہوں، نہ یہ کہ خدا کو آپ کی قسمیں دلائیں اور آپ کی ذات کے حوالہ سے بیٹھے دعائیں کرتے رہیں۔ کیونکہ اگر صورتِ حال یہ ہوتی تو یہودی جب کبھی اِس طرح دعا کرتے یا قسم دلاتے تو فتحیاب ہو جاتے، حالانکہ واقعہ اِسکے خلاف ہے، بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم کو مبعوث کیا تو جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے وہی بحکمِ الٰہی مخالفوں پر غالب و فتحمند ہوئے۔

اور بعض مفسرین نے جو یہ بیان کیا ہے کہ یہودی آپ کی قسم دلاتے یا آپکے حوالہ سے دعا کرتے تھے تو ایک بالکل شاذ قول ہے، اور کثیر و مشہور روایات کے قطعًا خلاف ہے جنمیں سے بعض کو ہم "دلائلِ نبوت" اور "کتاب الاستعانہ" میں ذکر کر چکے ہیں، نیز کتب سیر و تفسیر بھی اُن سے لبریز ہیں۔ چنانچہ ابو العالیہؒ وغیرہ کی روایت ہے کہ یہودی جب محمد صلعم کے ذریعہ مشرکین پر فتح کی دعا کرتے تو یوں کہتے تھے:

"اللھم ابعث ھذا النبی الذی نجدہ مکتوبا عندنا حتی نغلب المشرکین و نقتلھم" (خدایا اِس نبیؐ کو بھیج کہ جسے ہم اپنے ہاں لکھا پاتے ہیں، تاکہ مشرکین پر غالب آئیں اور اُنھیں قتل کریں) لیکن جب آپ مبعوث ہوئے اور اُنھوں نے دیکھا کہ آپ اُنکے ہم قوم نہیں ہیں تو عربوں سے حسد کے سبب منکر ہو گئے، حالانکہ خوب جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اِسپر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ (۱ : ۱۱)	مگر جب اُنکے پاس آیا تو اُنھوں نے اُسے نہ پہچانا (بلکہ) اسکے منکر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اُن کی قوم کے لوگوں سے روایت کی ہے کہ "خدا کی رحمت و ہدایت کے ساتھ منجملہ اور باتوں کے جس بات نے ہمیں اسلام کی طرف راغب کیا، یہ تھی کہ ہم مشرک اور بُت پرست تھے اور یہودی، اہلِ کتاب اور ہم سے زیادہ اہلِ علم تھے، ہمارے اُنکے درمیان برابر دشمنی چلی جاتی تھی، جب کبھی ہم اُنھیں نیچا دکھاتے تو وہ ہم سے کہا کرتے تھے "یاد رکھو! ایک نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا، وہ آتا ہے، ہم اُس کے ساتھ ہونگے اور تمھیں عاد و ثمود کی طرح قتل کرینگے!" ہم اُن سے اکثر یہ سنا کرتے تھے، چنانچہ جب اللہ نے محمدؐ کو اپنا خاص رسول بناکر بھیجا اور اُس نے ہمیں اللہ کی طرف بُلایا تو ہم نے فوراً لبّیک کہی کیونکہ ہم جان گئے کہ یہودی ہمیں اِسی نبیؐ کے گھمنڈ پر ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے پیشقدمی کی اور ایمان سے شادکام ہوئے، مگر خود اُنھوں نے کفر کیا، سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں ہمارے اور اُنکے حق میں نازل ہوئی ہیں:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا، فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ، فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ - (۱ : ۱۱)

اور جب اُنکے پاس خدا کے ہاں سے ایک کتاب آئی جو اُنکی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہا کرتے تھے، مگر جب اُنکے پاس وہ آیا تو اُنھوں نے اُسے نہ جانا (بلکہ) اسکے منکر ہوگئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

نیز ابن ابی حاتمؒ وغیرہ (جنھوں نے مفسّرین سلف کے اقوال جمع کئے ہیں) بجز اِس طرح کی روائتوں کے اور کچھ ذکر نہیں کرتے، سلف میں سے کسی ایک شخص سے بھی مروی نہیں کہ یہودی آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کرتے تھے، بلکہ سب نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ مشرکین سے کہا کرتے تھے یا خدا سے دعا کرتے تھے کہ آپؐ کو جلد

مبعوث کرے چنانچہ ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے آیت : وَکَانُوا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا " کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ " وہ فتح چاہا کرتے تھے، کہتے تھے " محمدؐ پیدا ہونگے، ہم اُنکے مددگار ہونگے اور مشرکوں کو مارینگے، حالانکہ وہ جھوٹے تھے، اُنھوں نے ذرا بھی مدد نہ کی "۔ نیز اِسی آیت کی تفسیر میں معمر عن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے عنقریب ایک نبیؐ آئیگا۔ مگر " فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ " جب وہ آگیا تو اُنھوں نے اُسے نہ پہچانا بلکہ اُسکے منکر ہوگئے "۔ نیز بواسطۂ ابن اسحاقؒ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ بعثت سے پہلے یہودی اوس و خزرج پر رسول اللہ صلعم کے حوالے سے فتح طلب کیا کرتے تھے، مگر جب خدا نے آپ کو عرب میں مبعوث کیا تو منکر ہوئے اور جان بوجھ کر اپنے قول سے پھر گئے، اس پر معاذ بن جبل، بشر بن البراء بن معرور اور داؤد بن سلمہؓ نے جاکر کہا کہ: اے قوم یہود! خدا سے ڈرو اور اسلام لے آؤ، ہم مشرک تھے اور تم محمدؐ کے ذریعہ ہم پر غلبہ چاہا کرتے تھے، ہم سے کہتے تھے کہ وہ عنقریب پیدا ہوگا اور اُس کی علامتیں بیان کیا کرتے تھے۔ اِسپر سلام بن مشکم نضیری نے کہا " محمدؐ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم جانتے ہوں، وہ، وہ نہیں ہیں جسکا ذکر ہم تم سے کیا کرتے تھے۔ اِسپر آیت نازل ہوئی : وَلَمَّا جَآءَهُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ " نیز ربیع بن انس عن ابی العالیہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہودی محمدؐ صلعم کے ذریعہ مشرکین عرب پر نصرت چاہا کرتے تھے چنانچہ کہتے تھے " اے خدا! اُس نبی کو بھیج جسے ہم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہیں تاکہ ہم مشرکین کو ستائیں اور ماریں " لیکن جب خدا نے محمدؐ کو بھیجا اور اُنھوں نے دیکھا کہ غیر قوم سے ہیں تو عربوں سے حسد کی وجہ سے اس نبیؐ سے منکر ہوگئے حالانکہ خوب جانتے تھے

کہ آپ اللہ کے رسُول ہیں۔ اِسپر خدا نے فرمایا : فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ "

رہی وہ حدیث جو عبدالملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ خیبر کے یہودیوں اور قبیلہ غطفان میں لڑائی ہوئی، جب کبھی مقابلہ ہوتا یہودیوں کو شکست ہوتی، آخر اُنھوں نے اِس دعا کے دامن میں پناہ لی کہ " اللهم انا نسألك بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا آخر الزمان الا نصرتنا علیهم" (اے خدا ہم تجھ سے اُس محمدؐ نبی امّی کے حق کا واسطہ دیکر دعا کرتے ہیں جسے تو نے ہمارے لئے آخر زمانہ میں بھیجنے کا وعدہ کیا ہے کہ تو ہمیں اِن کافروں پر غالب کر دے) چنانچہ وہ جب یہ دعا کرتے غطفان کو پیچھے دھکیل دیتے، لیکن جب نبی صلعم مبعوث ہوئے تو منکر ہو گئے، اسپر آیت اُتری : وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ " یہ حدیث حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں روایت کرکے کہا ہے کہ ضرورت نے ہمیں اسکی تخریج پر مجبور کیا ہے۔ یہ حدیث بھی منجملہ اُن حدیثوں کے ہے جنکی وجہ سے علماء نے حاکم پر گرفت کی ہے کیونکہ اِسکا راوی عبدالملک ضعیف ترین شخص ہے اور اہلِ علم کے نزدیک متروک، بلکہ کذاب ہے۔ اِس سے پہلے یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ کی رائے اُسکے حق میں بیان ہو چکی ہے۔

اِس حدیث کے بطلان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ باتفاقِ اہلِ تفسیر و سیر آیت : وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا " سب سے پہلے اُن یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو جوارِ مدینہ میں تھے مثل بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر۔ اِنھیں لوگوں نے اوس و خزرج سے اتحاد قائم کیا تھا اور پھر اِنھیں نے نبی صلعم سے ہجرت کے بعد معاہدہ کیا تھا کہ جسے خود ہی توڑ بھی دیا اور تباہ و برباد ہوئے۔

چنانچہ سب سے پہلے آپ نے بنی قینقاع پر دھاوا کیا پھر بنی نضیر پر یورش کی کہ جنکے بارے میں سورۂ حشر نازل ہوئی ہے، پھر جنگِ خندق کے بعد ہی بنی قریظہ پر یلغار کی۔ بنابریں کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت یہودِ خیبر اور بنی غطفان کے حق میں نازل ہوئی ہے؟ یہ کسی ایسے جاہل کا جھوٹ ہے جو اچھی طرح دروغ بافی بھی نہ کر سکا۔ پھر اِس روایت میں کہا گیا ہے کہ یہودیوں نے جب یہ دعا کی تو غالب ہو گئے۔ حالانکہ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے اور بجز اس کذاب کے کسی نے بھی اُن کی فتحمندی کی روایت نہیں کی ہے، حالانکہ اگر کبھی ایسا ہوا ہوتا تو بہت سے ثقہ راوی نقل کرتے۔

پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اِس طرح کی روایت، اگرچہ اس سے آپکی ذات کے حوالے سے دعا یا خدا کو آپ کی قسم دلانا ظاہر ہو، ہرگز کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں بن سکتی، کیونکہ اوّل تو وہ خود ہی ثابت نہیں، پھر آیت میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے اسکی تائید کی بو بھی آتی ہو، لیکن اگر وہ کسی طرح ثابت بھی ہو جائے تو بھی ضروری نہیں کہ ہمارے لئے شریعت ہو۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اگلی قوموں کیلئے جائز تھیں مگر ہمارے لئے ناجائز ہیں، مثلاً خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے والدین اور بھائیوں نے اُنھیں سجدہ کیا تھا اور یہ کہ زبردستوں نے اہلِ کہف کے بارے میں کہا کہ "لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا"[1] (ہم اُن پر ضرور مسجد بنائیں گے)۔ لیکن ہم مسلمانوں کو اِن دونوں باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ آیت میں تو صرف اسقدر ہے کہ وہ کفار پر فتح چاہا کرتے تھے مگر جب آپ مبعوث ہوئے تو نہ پہچانا اور منکر ہو گئے۔ اِس آیت میں "استفتاح" کے جو معنی ہیں وہی دوسری آیت: اِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ" (۹ : ۱۶) (اگر فتح مانگتے ہو تو لو فتح آگئی) میں بھی ہیں، اور ظاہر ہے استفتاح کے معنی طلب فتح و نصرت کے سوا

---

[1] (۱۵ : ۱۵)۔

اور کچھ ہو نہیں سکتے ۔ اسی معنی میں یہ حدیث ماثور بھی ہے کہ نبی صلعم فقراء و مہاجرین یعنی اُنکی دعا کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ خود تصریح فرما دی "وھل ترزقون وتنصرون الا بضعفائکم، بصلاتہم و دعائہم واخلاصھم" (تمہیں رزق و نصرت صرف اپنے لاچاروں یعنی اُنکی نماز، دعا اور اخلاص ہی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے) آیت کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہودی خدا سے دعا کیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماںؐ کے ذریعہ اُنھیں فتحیاب کرے یعنی جلد اُس نبی کو بھیجے تاکہ اُسکے واسطہ سے کفّار پر غلبہ حاصل کریں ۔ نہ یہ کہ وہ خدا کو اُسی نبی کی قسمیں دلاتے یا اُس کے صدقہ میں مرادیں مانگتے تھے ۔ اِسی لئے فرمایا : فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ "۔ اگر یہ معنی احادیث و آثار سے نہ بھی ثابت ہوتے تو بھی کسی کیلئے جائز نہ تھا کہ آیت کو اُس مختلف فیہ معنی پر بلا دلیل محمول کرے کیونکہ خود آیت میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو اُس پر دلالت کرتی ہو ۔ پھر یہ کیونکر روا ہو سکتا ہے خصوصًا جبکہ اِس بارے میں احادیث و آثار وارد ہیں ؟

رہا اِس روایت میں یہودیوں کی فتحمندی کا افسانہ تو ہم بیان کر آئے ہیں کہ بالکل غیر معروف ہے ۔ کیونکہ یہودیوں کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُنھوں نے عربوں کو کبھی بھی نیچا دکھایا ہو بلکہ ہمیشہ خود ہی مغلوب ہوا کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے مختلف قبیلے عرب کے مختلف قبیلوں سے اتحاد کر کے جتھے بناتے تھے، چنانچہ بنی قریظہ قبیلۂ اوس کے جتھے میں تھے اور بنو النضیر خزرج کے ۔ پھر خود قرآن میں اُنکی مغلوبیت و خواری کی شہادت موجود ہے ۔ فرمایا :

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ	جہاں کہیں بھی پائے جائیں، اُن پر ذلت کی مار پڑی ہے، اِلّا یہ کہ اللہ کے عہد میں ہوں اور

النَّاسِ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ، ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ" (۴ : ۳)	لوگوں کے عہد میں، اور غضب الٰہی کے مورد ہوئے اور اُن پر بے چارگی کی مار پڑی، یہ اسلئے کہ وہ آیاتِ الٰہی سے کفر کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور زیادتی کرتے تھے ۔

پس چونکہ یہودیوں پر ذلت و خواری کی مُہر لگ چکی تھی اس لئے وہ تنہا نہ عربوں سے آگے بڑھ سکتے تھے نہ کسی اَور سے بلکہ ہمیشہ اپنے حلیفوں کی پناہ میں جنگ کیا کرتے تھے ۔ اُن پر ذلت کی مار اُسوقت سے پڑی ہے جب سے اُنھوں نے حضرت مسیحؑ کی تکذیب کی ۔ فرمایا :

يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (۳ : ۱۴)	اے عیسٰی میں تجھے وفات دینے والا، اپنی طرف اُٹھا لینے والا، کافروں سے تجھے پاک کرنے والا، اور تیرے پیروؤں کو تیرے منکروں پر قیامت تک کیلئے بالا کرنے والا ہوں ۔

اور فرمایا :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ ؟ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ، فَاٰمَنَتْ طَّائِفَةٌ، مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّائِفَةٌ، فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ ۔ (۲۸ : ۱۰)	اے ایمان والو! اللہ کے انصار بنو جیسا کہ عیسٰی بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا: اللہ کی راہ میں میری نصرت کون کرنیوالا ہے ؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے انصار ہیں، چنانچہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ منکر ہو گیا، مگر ہم نے مومنوں کی اُنکے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی اور وہ غالب آگئے ۔

پھر اسلئے بھی موردِ عتاب ہوئے کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السّلام اور دوسرے انبیائے کے خون سے ہاتھ رنگ چکے تھے۔ فرمایا :

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ - (۱ : ۷)

ان پر ذلّت و بے چارگی کی مار پڑی اور غضبِ الٰہی کے مورد ہوئے، اور یہ اس لئے کہ وہ آیاتِ الٰہی سے کفر کرتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اسلئے کہ وہ نافرمان اور زیادتی کرنے والے تھے۔

پس جب صحابہؓ مثلاً حضرت عمرؓ وغیرہ آپ کی حیات مبارک میں اور وفات کے بعد آپؐ کی قسم نہ خود کھاتے تھے نہ کسی کو دلاتے تھے بلکہ صرف آپکی شفاعت وطاعت کو وسیلہ بنایا کرتے تھے تو ملائکہ وانبیاء وصالحین وغیرہ مخلوقات کو اُنکی موت کے بعد یا اُنکی عدم موجودگی میں پکارنا اور اُن سے دعائیں مانگنا کیونکر روا ہوسکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا " (۱۵ : ۶)

اے نبیؐ کہدے کہ اُنھیں پکارو جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر سمجھے بیٹھے ہو، وہ نہ تم سے نقصان دُور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ جنھیں یہ پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ اُن میں کون زیادہ قریب ہے اور اُسکی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرے ربّ کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

ایک جماعتِ سلف کا قول ہے کہ لوگ ملائکہ وانبیاء مثل مسیح وعُزیر وغیرہ کو پکارا

کرتے تھے، خدا نے اِس سے منع کیا اور خبر دی ہے کہ یہ لوگ بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، اُس سے تقرّب چاہتے ہیں، اور یہ کہ وہ دعا کرنیوالوں سے مضرّت کو نہ ہٹا سکتے ہیں نہ دُور کر سکے ہیں - اور فرمایا :

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " (۳ : ۱۶)

کسی بشر کیلئے یہ سزاوار نہیں کہ خدا تو اُسے کتاب و حکم و نبوّت بخشے مگر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، بلکہ یہ کہیگا کہ کتاب کے درس و تعلیم کی بنا پر ربانی بنو، اور وہ تمھیں حکم نہیں دیگا کہ ملائکہ و انبیاء کو رب بناؤ، کیا اسلام کے بعد وہ تمھیں کفر کا حکم دیگا ؟

اِسی لئے نبی صلعم نے سخت ممانعت فرمادی کہ آپکی قبر نہ مسجد قرار دی جائے نہ زیارت گاہ بنائی جائے - چنانچہ مرض الموت میں فرمایا : لعنۃ اللہ علی الیھود و النصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد " (یحذر ما صنعوا) (یہود و نصارٰی پر لعنت کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد ٹھیرا لیا (آپنے ایسا کرنے سے ڈرایا ہے) اور فرمایا : اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد " (موطا) (خدایا میری قبر کو بُت نہ کیجیو کہ جسکی پوجا کی جائے، اُن لوگوں پر خدا نہایت غضبناک ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا ہے) اور فرمایا : لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسی بن مریم انما انا عبد فقولوا عبد اللہ و رسولہ " (متفق علیہ) (میری ویسی تعریف نہ کرو جیسی نصارٰی نے عیسٰی بن مریمؑ کی کی ہے، میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس مجھے

خدا کا بندہ اور اُسکا رسول کہو) اور فرمایا: لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء محمد، بل: ما شاء اللہ ثم شاء محمد" (یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور محمدؐ چاہے، بلکہ یوں کہو جو اللہ چاہے اور پھر (اللہ کے بعد) جو محمدؐ چاہے)۔ ایک بدو نے آپ سے کہا "ما شاء اللہ و شئت" (جو اللہ چاہے اور تو چاہے) اسپر آپ نے فرمایا "اجعلتنی للہ ندا؟ بل ما شاء اللہ وحدہٗ" (کیا مجھے خدا کا برابری بناتا ہے؟ بلکہ یہ کہہ کہ جو تنہا خدا چاہے) اور خدا نے آپ کو یہ اعلان کر دینے کا حکم دیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۭ (۹: ۱۳)	اے رسولؐ کہدے کہ میں اپنی ذات کیلئے ذرا بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے اور یہ کہ اگر میں علم غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت کچھ نفع کر لیتا اور مجھے نقصان نہ پہنچتا۔

اور:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ (۲۰: ۹)	تو جسے چاہتا ہے ہدایت نہیں کرنے کا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

اور:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (۴: ۴)	مجھے کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

یہ ہے کامل توحید! حالانکہ آپ خدا کی نظر میں افضل ترین مخلوق اور سب سے بلند پایہ انسان ہیں۔

طبرانیؒ نے "معجم کبیر" میں روایت کی ہے کہ ایک منافق مؤمنین کو ستایا کرتا تھا، حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے کہا "چلو اس منافق سے رسول اللہؐ کی پناہ مانگیں" آپؐ نے سُنا تو فرمایا "انہ لا یستغاث بی دانما یستغاث باللہ" (مجھ سے پناہ نہیں حاصل کی جا سکتی بلکہ صرف اللہ سے پناہ حاصل کی جا سکتی ہے) صحیح مسلم میں ہے کہ وفات

سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا" ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد،
الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہاکم عن ذلک" (جو تم سے پہلے تھے
قبروں کو مسجد قرار دیتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ قرار دینا، میں تمھیں اس سے منع
کیئے دیتا ہوں۔) نیز صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ فرمایا " لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا
الیھا" (نہ قبروں پر بیٹھو نہ اُن کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھو) صحیحین میں ابوسعیدؓ
اور ابو ہریرہؓ اور دوسرے طرق سے مروی ہے کہ فرمایا " لا تشد الرحال الا الی
ثلاثۃ مساجد، مسجدی ھذا، والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ" (کہ کچھ ند کر سفر
صرف تین ہی مسجدوں کیلیئے ہے: میری یہ مسجد، مسجدِ حرام، اور مسجد اقصیٰ)۔ امام مالکؒ
سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے قبرِ نبویؐ پر آنے کی منت مانی ہے،
اُنھوں نے جواب دیا" اگر قبر کا ارادہ ہے تو نہ آئے لیکن اگر مسجد کا قصد ہے تو آئے"
پھر حدیث " لا تشد الرحال" روایت کی۔ قاضی عیاض رحؒ نے اسے مبسوط میں
ذکر کیا ہے[1]۔

اگر کوئی مخلوق کی قسم کھاتا ہے تو اُسکی قسم لغو ہے۔ اِس بارے میں انبیاء و ملائکہ
کسی کا بھی استثنا نہیں۔ جس طرح انبیاء اور مومنین کے حقوق ہیں اُسی طرح خدا کا
بھی حق ہے جسمیں اُسے کسی کی بھی شرکت گوارا نہیں۔ اور وہ حق یہ ہے کہ اُسی کی بندگی
کی جائے اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کیا جائے جیسا کہ حدیثِ معاذؓ میں
گزر چکا۔ اور اللہ کی بندگی یہی ہے کہ عبادت اُسی کیلیئے خالص ہو، توکل اُسی پر ہو،

بندوں پر خدا کا حق

[1] کتنی ہی حدیثیں اور آیتیں پیش کی جائیں، مگر ہمارے ٹکسالی "اہل سنت" انھیں ماننے والے نہیں،
اور مانیں بھی کیوں جبکہ وہ اللہ اور رسولؐ کی شریعت کی پیروی اپنے لئے ضروری ہی نہیں سمجھتے، اور کتاب
وسنت کے مقابلہ میں اپنے "اکابر" کے قول وفعل کو حجت سمجھتے ہیں " انا وجدنا آبائنا علی امۃ وانا علیٰ
آثارھم مھتدون" پھر اِنکے پاس جنت کا پکا پٹا موجود ہے، اِنکے نزدیک صرف زبان سے "امت محمدؐ" ہونے
کا دعویٰ نجات کیلیئے بالکل کافی ہے۔ خدا اِنھیں ہدایت دے اور اپنے مومن بندوں کو اِنکے جال سے بچائے۔

رجوع ورغبت اُسی کی طرف ہو، اُسکی محبت وخشیت میں، اُس سے دعا واستعانت میں کسی کو بھی اُسکا ہمسر اور ساتھی نہ بنایا جائے جیساکہ صحیحین میں ہے کہ فرمایا "من مات وھو یدعو ندًا من دون اللہ دخل النار" (جو اس حالت میں مرےگا کہ خدا کے سوا کسی اَور کو بھی پکارتا ہے، دوزخ میں جائیگا) سوال کیا گیا سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا "ان یجعل للہ ندا وھو خلقك" (یہ کہ تو خدا کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب حمید میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" (۵ : ۴، ۵ : ۱۵)	خدا اِسے معاف نہیں کریگا کہ اُسکے ساتھ شریک کیا جائے اور اسکے علاوہ جو کچھ ہے اُسے جسکے حق میں چاہیگا معاف کردیگا۔

اَور فرمایا:

(۱) فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"	پس تم جان بوجھ کر خدا کا کوئی شریک نہ بناؤ۔
(۲) وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ" (۱۴ : ۱۳)	اور خدا نے کہا ہے کہ دو دو خدا نہ بناؤ، وہ صرف ایک ہی خدا ہے، پس مجھی سے ڈرو۔
(۳) فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ۔ (۲۱ : ۲)	پس میری ہی عبادت کرو۔

اَور فرمایا:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ"۔ (۳۰ : ۱۹)	جب تو خالی ہو جائے تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

اور سورۂ فاتحہ میں جو اُم الکتاب ہے فرمایا:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (فاتحہ)	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (۲ : ۴)	ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اوروں کو شریک بناتے اور اُن سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے کی جاتی ہے، (لیکن) ایمان والے خدا سے سب سے بڑھکر محبّت کرنیوالے ہیں۔

اور فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ۔ (۶ : ۱۱)	پس لوگوں سے نہ ڈرو (بلکہ) مجھ سے ڈرو۔

اور فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (۲۲ : ۲)	جو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں، اور بجز اللہ کے کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔

اسی لئے جب بُت پرست حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ڈرانے لگے تو اُنھوں نے کہا:

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ؟ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ	ابراہیمؑ سے اُنکی قوم نے حجّت کی تو اُنھوں نے کہا: تم مجھ سے اللہ کے باب میں بحث کرتے ہو حالانکہ اُس نے مجھے ہدایت بخشی ہے، میں تمہارے معبودوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتا، الا یہ کہ اللہ کی مشیئت کچھ چاہے، میرے ربّ کا علم ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہے، کیا تم اب بھی نہ سمجھوگے ؟ میں تمہارے معبودوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جبکہ تم خدا کا ایسوں کو شریک بناکر نہیں ڈرتے جن کی بابت

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؟ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔ (۷ : ۱۵)

تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، پس اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ ایسی حالت میں کون بے خطر رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی انھیں کیلئے بےخوفی ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں۔

صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رض سے مروی ہے کہ جب آیت: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ نازل ہوئی تو صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے "ہم میں کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا"؟ آنحضرت صلعم نے سُنا تو فرمایا "انما ذاك الشرك، كما قال العبد الصالح: يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (۲۱ : ۱۱) (وہ شرک ہے جیسا کہ عبد صالح نے کہا: اے میرے لڑکے اللہ کے ساتھ شرک نہ کر کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ (۱۸ : ۱۳)

جو اللہ اور اُسکے رسُول کی اطاعت کرتا اور اللہ سے ڈرتا اور بچتا ہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب رہنے والے ہیں۔

اِسمیں اللہ اور رسُول دونوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کیونکہ رسُول کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن خشیت و تقویٰ کو صرف خدا ہی کیلئے خاص رکھا ہے کیونکہ یہ بجز اُس ذاتِ برتر کے اور کسی کیلئے جائز نہیں۔

اور فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۔ (۶ : ۱۱)

لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت نہ خریدو۔

ط (۷ : ۱۵)

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - (۴ : ۹)	اُن سے نہ ڈرو اور مجھی سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ - (۱۰ : ۱۳)	اگر وہ اللہ اور اُسکے رسول کے دئیے ہوئے پر راضی ہوجاتے اور کہتے اللہ ہمارے لئے بس کرتا ہے، اللہ عنقریب اپنے فضل سے اور اسکا رسول ہمیں اور دیگا، ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔
وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا، (۲۸ : ۴)	جو رسول دے اُسے لے لو اور جس سے منع کردے اُس سے باز آجاؤ۔

بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے آیت : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اُسوقت کہا جب آگ میں ڈالے گئے تھے اور محمد (صلعم) نے اُسوقت کہا جب لوگوں نے آکر مشہور کیا : اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" (۴ : ۹) (لوگوں نے تمہارے لئے جماؤ کیا ہے لہذا اُن سے ڈرو، مگر اس سے اُن کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے اللہ ہی ہمارے لئے بس ہے اور بہترین حامی ہے)۔

اور فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ - (۱۰ : ۴)	اے نبی تیرے لئے اور تیرے پیرو مومنوں کیلئے اللہ کافی ہے۔

اِسکے معنی تمام سلف و خلف کے نزدیک یہی ہیں کہ تنہا اللہ ہی تیرے لئے اور تیرے مومن پیرؤوں کیلئے کافی ہے، جیساکہ مدلل بیان ہوچکا ہے - اور یہ اِس

طرح کہ پیغمبر ہی اللہ اور اُسکی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور اُسکا امر و نہی اور وعدہ و وعید پہنچاتے ہیں - پس حلال وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسُول نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسُول نے حرام ٹھیرایا ہے اور دین وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسُول نے مقرّر کر دیا ہے - بنابریں ہمیں لازم ہے کہ اللہ اور اُسکے رسُول سے محبت کریں، اللہ اور اُسکے رسُول کی اطاعت کریں، اللہ اور اُسکے رسُول کو خوش رکھیں - فرمایا :

اللہ اور رسُول کی محبت -

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (۵:۵)	اللہ کی اطاعت کرو اور رسُول کی اطاعت کرو -
مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (۵ : ۸)	جس نے رسُول کی اطاعت کی تو اُس نے خود اللہ کی اطاعت کی -
وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ - (۱۰ : ۱۴)	اللہ اور اُسکا رسُول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے خوش رکھیں اگر مومن ہیں -
اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَاۤ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ " (۱۰ : ۹)	اگر تمہارے باپ، اولاد، بھائی، بال بچے، خاندان اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور وہ تجارت جسکے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جو تمھیں اچھے لگتے ہیں، اللہ، اُسکے رسُول اور اُسکی راہ میں جہاد سے زیادہ تمھیں محبوب ہیں تو انتظار کرو یہانتک کہ امر الٰہی آجائے -

صحیحین میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "ثلاثۃ من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان : من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما، ومن کان یحب المرء لا یحبہ الا للہ، ومن کان یکرہ ان یرجع فی الکفر بعد اذ انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار" (تین باتیں جسمیں ہونگی وہ ایمان کی

شیر بنی پائیگا : جسے اللہ اور اُسکا رسولؐ تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوگا، جو کوئی کسی سے محض اللہ کیلئے محبت کریگا، کفر سے نکل آنے کے بعد اسمیں واپسی کو ویسا ہی ناپسند کریگا جیسا آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے) - اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا " (۲۶ : ۹)	اے پیغمبر، ہم نے تجھے گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو تم اُس پر ایمان لاؤ، اُسکی مدد کرو، اُس کا ادب کرو اور خدا کی صبح شام تسبیح و تقدیس کرو -

پس اللہ اور اُسکے رسولؐ پر ایمان ہونا چاہیئے، رسولؐ کی عزت و توقیر اور نصرۃ و حمایت ہونی چاہیئے، صبح و شام صرف اللہ ہی کی تسبیح ہونی چاہیئے کیونکہ یہ عبادت ہے، اور عبادت صرف اُس ذاتِ برتر ہی کیلئے سزاوار ہے - نماز صرف اُسی کی ہونی چاہیئے، روزہ صرف اُسی کی خوشنودی کیلئے ہونا چاہیئے، حج صرف اُسی کے گھر کا ہونا چاہیئے، شدِّ رحال صرف تین مسجدوں[۵۱] ہی کی طرف ہونا چاہیئے، کیونکہ اللہ کے نبیوں نے اُنھیں اللہ کے حکم سے بنایا ہے، نذر صرف اللہ ہی کیلئے ہونی چاہیئے، قسم صرف اللہ ہی کی کھانی چاہیئے، دعا صرف اللہ ہی سے کرنی چاہیئے، اور دُہائی صرف اللہ ہی کی دینا چاہیئے - ان باتوں میں اللہ کو کسی کی بھی شرکت گوارا نہیں، کیونکہ یہ صرف اُسی کے لئے سزاوار ہیں -

توحیدِ الٰہی

حیوان و نبات، سورج چاند، زمین اور بادل غرضکہ اپنی جملہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں اُس نے کسی مخلوق کو بھی واسطہ قرار نہیں دیا بلکہ اُس نے خود ہی اُنھیں اور اُن کے اسباب کو پیدا کیا ہے - کوئی مخلوق بھی غیر موجود کو موجود نہیں کر سکتی، کیونکہ وجود کے لئے اسباب کی موجودگی اور موانع کی دُوری ضروری ہے، اور یہ ایک ایسی

---

۵۱ مسجد نبویؐ، مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام -

رسول واسطہ ہے

چیز ہے جسکی قدرت بجز خدا کے اور کسی میں بھی نہیں، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ لیکن تبلیغ و رسالت کا معاملہ دوسرا ہے، اُس نے اُسکی انجام دہی کیلئے واسطہ بنایا ہے، اور وہ واسطہ خود اُسکا رسُول ہوتا ہے جو اُسکے حکم سے اُسکے پیغام بندوں تک پہنچاتا ہے۔

ہدایت کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے

رہا بندوں کے دلوں میں ہدایت پیدا کرنا تو اُسکی قدرت رسُول کو بھی نہیں، ہدایت صرف خدا ہی کے فضل سے آتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت یاب کردیتا ہے۔ فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (۲۰ : ۹)	تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن وہ خدا ہے جو جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔
إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ (۱۴ : ۱۱)	تو اُنکو ہدایت یاب کرنے کی کتنی ہی خواہش کرے مگر اللہ اُسے ہدایت نہیں کرنے کا جو گمراہ ہوگیا ہے۔

دعا و شفاعت کی شرط

بلاشبہ انبیاء کی دعا، شفاعت، استغفار، ایک ایسی چیز ہے جو نفع پہنچاتی ہے، مگر اِس شرط سے کہ مستحق کیلئے ہو، ورنہ اگر پیغمبر کفّار و منافقین کیلئے دعا کرنے لگے تو اُسکی دعا ذرا بھی سودمند نہ ہوگی۔ جیساکہ فرمایا:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (۲۸ : ۱۳)	چاہے تو اُن کیلئے مغفرت کی دعا کرے یا نہ کرے، مگر اللہ اُن کو ہرگز معاف نہیں کریگا۔

توحید و رسالت کا فرق مراتب

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ انبیاء، ہم تک ہمارے رب کا امر و نہی اور وعدہ و وعید پہنچانے والے ہیں تو ہم پر فرض ہوگیا کہ اُن کی لائی ہوئی تمام خبروں کی تصدیق اور اُن کے دئیے ہوئے تمام حکموں کی تعمیل کریں۔ نیز ہم پر فرض ہوا کہ تمام رسُولوں کی تصدیق کریں اور کسی کو بھی اِس سے مستثنیٰ نہ کریں۔ کیونکہ اُن میں سے کسی ایک کو بھی مطعون کرنے والا کافر و مرتد ہے اور اُسکا خون مباح ہے۔ لیکن باوجود اِس تمام تصدیق و طاعت و تعظیم کے جب توحید کا مسئلہ سامنے آئیگا تو ہمیں صاف کہنا پڑیگا کہ جو حق خدا

کے ہیں اُن میں انبیاء بھی اُسکے ساجھی نہیں، اُنھیں خدا کا شریک نہ بنایا جائیگا، اُن پر توکّل و تکیہ نہ کیا جائیگا، اُن سے پناہ نہ مانگی جائیگی، اُن کی قسم خدا کو نہ دلائی جائے گی، اُنکی ذات وسیلہ نہ قرار دی جائیگی، بلکہ اُن کے ایمان، اُنکی محبت وطاعت وموالات، اُنکی تعظیم و توقیر، اُنکے دشمنوں کی دشمنی، اُنکی لائی ہوئی صداقت کی تصدیق، اُنکی حلال کی ہوئی چیزوں کی تحلیل اور اُنکی حرام کی ہوئی چیزوں کی تحریم کو نجات کا وسیلہ بنایا جائیگا۔

وسیلہ کی دو توجیہیں

اِس طرح وسیلہ کی دو توجیہیں ہیں: ایک یہ کہ اپنے اِس عمل کو اجابتِ دعا کا وسیلہ قرار دے جیساکہ غار میں پناہ لینے والے تین مومنوں نے کیا تھا کہ اپنے اعمالِ صالحہ کو وسیلہ قرار دیکر دعا کی (جیساکہ اوپر بیان ہوچکا) اور دوسرے یہ کہ اپنے عمل کو اللہ کے ثواب، جنّت اور خوشنودی کا وسیلہ ٹھیرائے، کیونکہ یہ مسلّم ومعلوم ہے کہ اعمالِ صالحہ جن کا رسول اللہ صلعم نے حکم دیا ہے، دنیوی واخروی سعادت وسرفرازی کا کامل وسیلہ ہیں۔ اِسکی مثال ویسی ہے جیسی مومنین کے اِس قول میں بیان کی گئی ہے کہ:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (۴ : ۱۱)

اے ہمارے رب ہم نے ایمان کے منادی کو سنا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، ہم ایمان لے آئے۔ پس اے ہمارے رب ہمارے گناہ ہمیں معاف کردے، ہماری برائیاں دُور کردے اور ہمیں ابرار کے زمرہ میں وفات دے۔

اِس میں مومنین نے دعا سے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے تاکہ وسیلہ ہو۔ اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ

میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں لہذا ہماری مغفرت کر،

خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ " (۱۸ : ۶) | ہم پر رحم کر اور تو ہی بہترین رحم کرنیوالا ہے۔

اِسکی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

وسیلہ کی چوتھی قسم

اسیطرح نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ دو طرح پر ہو گا : ایک یہ کہ آپ سے درخواست کی جائے اور آپ دعا و شفاعت فرمائیں جیساکہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا اور جیساکہ قیامت میں ہو گا کہ مخلوق، آدمؑ و نوحؑ، ابراہیم خلیل، موسیٰ کلیم، اور عیسیٰ روح اللہ (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) کے بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے آخر میں حاضر ہو گی، اور آپؐ شفاعت کریں گے۔ اور دوسرے یہ کہ آپ سے درخواست کے ساتھ خدا سے دعا کی جائے کہ آپ کی شفاعت و دعا قبول فرمالے جیساکہ نابینا والی سابق الذکر حدیث میں ہے کہ اُس نے آپ سے دعا و شفاعت چاہی، آپ نے اِسے منظور کیا، اور دعا و شفاعت کی، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ خود بھی دعا کرے کہ خدا آپ کی دعا قبول فرمالے۔ لیکن اگر یہ صورت نہ ہو یعنی آپ سائل کے حق میں دعا نہ کر رہے ہوں تو پھر آپ کی دعا سے وسیلہ ایک غیر موجود چیز سے وسیلہ ہو گا۔ آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ اُسی وقت وسیلہ ہے جب آپ دعا کریں، ورنہ وہ وسیلہ ہی نہیں ہے۔ اسی قبیل سے استسقاء میں حضرت عمرؓ کی دعا ہے جو اوپر گزر چکی۔ اِس میں حضرت عمرؓ اور مسلمانوں نے حضرت عباسؓ کی دعا کو وسیلہ بنایا مگر ساتھ ہی خود بھی دعا کی تھی۔ اس طرح رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور آپ کی شفاعت دونوں وسیلوں کیلئے ضروری ہوا کہ خود وسیلہ چاہنے والا بھی ساتھ ساتھ دعا کرے، ورنہ وہ وسیلہ نہ ہو گا۔ وسیلہ کی یہ چار قسمیں ہیں اور سب کی سب مشروع ہیں، اہل علم و ایمان میں سے کوئی بھی ان سے منکر نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی دو بنیادیں

• دینِ اسلام دو بنیادوں پر قائم ہے : ایک "لا الٰہ الا اللہ" اور دوسرے "محمد رسول اللہ"۔ پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہرایا جائے،

یعنی کسی مخلوق سے ویسی محبت نہ کی جائے جیسی اللہ سے کی جاتی ہے، کسی مخلوق سے ویسی امید نہ لگائی جائے جیسی اللہ کی ذات سے لگائی جاتی ہے، کسی سے اُس طرح ڈرا نہ جائے جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے، کیونکہ اِن باتوں میں کسی مخلوق کو بھی خالق کے برابر رکھنا، اللہ کی نظیر قائم کرنا اور اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانا ہے، اگرچہ ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھے کہ خدا ہی نے آسمان وزمین پیدا کئے ہیں۔ کیونکہ مشرکینِ عرب بھی اس بات کے قائل تھے کہ خدا ہی نے کائنات پیدا کی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (٢٢ : ١)	اگر تو اُن سے پوچھیگا کہ آسمان زمین کس نے پیدا کئے؟ کہدینگے اللہ نے۔

لیکن باوجود اِس اقرار کے بھی مشرک تھے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبود رکھتے تھے۔ فرمایا:

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً أُخْرٰى، قُلْ لَّآ أَشْهَدُ (٧ : ٨)	تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور دوسرے معبود بھی ہیں، اے رسُول کہدے کہ میں اسکی گواہی نہیں دونگا۔

اور فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (٢ : ٤)	ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر اور معبود اختیار کرتے اور اُن سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں مگر جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت رکھتے ہیں۔

وہ مشرک ہوگئے نہ اسلئے کہ اپنے معبودوں کو خدا کے ساتھ خالق مانتے تھے بلکہ اسلئے کہ وہ اُن سے خدا کی سی محبت کرتے تھے، کیونکہ وہ خالق تو صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور اِس صفت میں کسی کو بھی اُسکا شریک نہ قرار دیتے تھے جیسا کہ فرمایا:

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ ؟ (۱۳ : ۸)

کیا اُنھوں نے خدا کے ایسے شریک بنائے ہیں جنھوں نے خدا کی سی خلقت پیدا کی ہے اور خلقت اُن پر مشتبہ ہو گئی ہے ؟

یہ استفہام انکاری ہے یعنی اُنھوں نے ایسے شریک نہیں بنائے جنھوں نے (اُنکے زعم میں بھی) خدا کی طرح مخلوق پیدا کی، بلکہ برابر اقرار کرتے رہے کہ اُن کے معبودوں نے ہرگز کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی۔ یہ تو اُنھوں نے نہیں کیا البتہ اُنھیں اپنا شفیع اور واسطہ قرار دیا اور اسی سے لئے خدا کی نظر میں مشرک ہو گئے۔ فرمایا:

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَ لَا یَنْفَعُھُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ، قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ، سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۔ (۱۱ : ۷)

وہ اللہ کے ماسوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُنھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں یہ لوگ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہوں گے۔ اے پیغمبرؐ کہدے کہ کیا تم خدا کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں۔ پاک ہے وہ ذات اور برتر ہے اُن کے شرک سے۔

اور صاحب یٰسین نے کہا:

وَ مَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ، ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ، اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ

مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اُسکی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جسکی طرف تمھیں لوٹنا ہے۔ کیا اُس معبود کے سوا دوسرے معبود اختیار کر لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو اُنکی شفاعت میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ مجھے بچا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو کھلی گمراہی

فَاسْمَعُوْنِ " (۲۳ : ۱) | میں ہوں، پس میری سُن لو کہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں۔

یہ اسلام کی پہلی بنیاد ہے، اور دوسری بنیاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی عبادت اُسی طور پر کریں جس طور پر اُس نے اپنے رسُولوں کے ذریعہ ہمیں بتادی ہے۔ پس اُسکی عبادت صرف واجبات و مستحبات ہی سے ہونا چاہیئے، رہا مباح تو اگر اُس سے نیت، طاعتِ الٰہی ہو تو وہ بھی مستحب ہیں داخل ہے۔ دعا بھی منجملہ عبادات کے ہے اس لئے صرف خدا ہی سے ہونی چاہیئے۔ جو کوئی مردہ یا غیرحاضر مخلوقات سے دعا کرتا، پناہ مانگتا اور فریاد کرتا ہے، تو چونکہ اِس فعل کا نہ اللہ نے حکم دیا نہ اُس کے رسُول نے اُسے واجب یا مستحب بتایا، اسلئے وہ بدعت ہے، اُسکا مرتکب دین میں مبتدع، رب العالمین کے ساتھ مشرک، اور متّبع غیرِ سبیلِ المومنین ہے۔ اس طرح جو کوئی کسی مخلوق کی ذات کے حوالے سے دعا کرتا یا خدا کو مخلوقات کی قسم دلاتا ہے وہ بھی ایک ایسی بدعت کا مرتکب ہے جسکی شریعتِ الٰہی میں کوئی بنیاد نہیں۔ اگر ایسا شخص اِس بدعت کے مخالف کی مذمت کرتا یا اُسے سزا دینا چاہتا ہے تو ظالم و جاہل ہے۔ اگر اسکے جواز کا حکم دیتا ہے تو ایک ایسا حکم دیتا ہے جو دینِ الٰہی کے سراسر خلاف اور باجماعِ مسلمین مردود ہے، اُسکے حکم کی تنفیذ اور اسکی اعانت کے بجائے اُس سے توبہ کرانی چاہیئے، کیونکہ وہ خود سزا پانے کا مستحق ہے۔ یہ تمام باتیں جملہ مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہیں، کسی نے بھی اُمیں اختلاف نہیں کیا، نہ ائمۂ اربعہ نے اور نہ دوسرے علماء نے۔

اِن امور پر مفصّل بحث ہم ضخیم کتابوں میں کرچکے ہیں، جنمیں ایک مستقل کتاب خاص اِس بحث پر ہے کہ حکّام کیلئے کن مسائل میں حکم دینا جائز ہے اور کن مسائل میں نہیں یہاں اُس بیان کا اعادہ بے محل ہے کیونکہ اسوقت ہمارا موضوع توحید اور اسکے متعلقات ہیں۔

باب (۴)

۱۱ ۱۳ھ میں جب میں ملک مصر میں تھا تو نبی صلعم کو وسیلہ بنانے کے متعلق میرے سامنے ایک استفتاء پیش کیا گیا تھا جس کا میں نے مفصل جواب لکھا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یہاں درج کر دیا جائے، کیونکہ توحید اور اسکے متعلقات، شرک اور اسکے سدِ باب پر بحث جتنی زیادہ اور متنوع ہوگی، اتنا ہی فائدہ زیادہ اور نورٌ علی نور ہوگا، واللہ المستعان۔ استفتا اور جواب حسبِ ذیل ہے:

استفتاء

علماء کرام ائمۂ دین سے درخواست ہے کہ یہ مسئلہ بیان فرمائیں کہ انبیاء کو وسیلہ بنانے اور اُن سے شفاعت چاہنے کی کونسی صورتیں جائز ہیں اور کونسی ناجائز؟

جواب

شفاعت کے بارے میں اہل سنت کا مذہب

الحمد للہ رب العالمین۔ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلعم قیامت کے دن مخلوق کی شفاعت فرمائینگے، مگر بعد اس کے کہ مخلوق آپ سے شفاعت کی درخواست کرے، نیز خدا آپ کو اسکی اجازت دیدے۔ اس بارے میں اہلِ سنت والجماعت وہی کہتے ہیں جس پر صحابہؓ کا اجماع تھا اور جسے بکثرت احادیث ثابت کر رہی ہیں، یعنی یہ کہ آنحضرت صلعم اپنی امت کے گنہگاروں حتیٰ کہ اہلِ کبائر کی بھی شفاعت کرینگے، نیز تمام مخلوق کیلئے بھی آپ کی شفاعت ہوگی۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ آپکو کئی قسم کی شفاعتیں حاصل ہیں، بعض خاص ہیں جنمیں کوئی بھی شریک نہیں، اور بعض عام ہیں جو دوسرے انبیاء و صالحین کو بھی حاصل ہیں، مگر ان میں بھی آپ کا حصہ سب سے زیادہ اور بہتر ہے کیونکہ آپ مخلوقات میں سب سے افضل اور اللہ کی نظر میں سب سے معزز

ہیں۔ آپکے فضائل ومناقب و امتیازات اتنے ہیں کہ یہاں بیان نہیں ہوسکتے انھیں میں ایک مقام محمود ہے جسپر تمام اگلے پچھلے رشک کرینگے۔ شفاعت کی حدیثیں بکثرت ومتواتر ہیں، متعدد حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں اور بہت سی سنن ومسانید میں ملتی ہیں لیکن وعیدیہ (خوارج کا ایک فرقہ ہے) اور معتزلہ کہتے ہیں کہ آپ صرف مومنین ہی کیلئے شفاعت کرینگے اور یہ کہ اُس سے مقصود رفع درجات ہوگا نہ کچھ اَور۔ انمیں سے بعض تو شفاعت کے قطعی منکر ہیں۔

صحابہؓ رسول اللہ کی زندگی میں آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے

تمام علماء متفق ہیں کہ صحابہؓ آپ کی زندگی اور موجودگی میں آپ سے شفاعت چاہتے اور آپ کو وسیلہ بناتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ عباس بن عبد المطلبؓ کے واسطے سے مینہ کیلئے یوں دعا کرتے تھے" اللھم انا کنا اذا اجدبنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا" (اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے حضور اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور تو سیراب کردیتا تھا، آج ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں تو ہمیں سیراب کردے) نیز بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ بارہا ایسا ہوُا کہ نبی صلعم پانی کیلئے دعا مانگتے ہوتے اور میں چہرۂ مبارک پر نظریں جمائے شاعر کا یہ شعر دل میں پڑھتا ہوتا۔ ؎[۱]

حضرت عمرؓ کا واقعہ

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

(گورے رنگ والا جسکے مبارک چہرہ پر بادلوں سے پانی چاہا جاتا ہے، یتیموں کا سہارا ہے اور بیواؤں کا والی) آپ دعا ختم کرکے منبر سے اُترے بھی نہ ہوتے کہ پرنالے چلنے لگتے"۔ سابق حدیث میں حضرت عمرؓ کا قول ("ہم اپنے نبیؐ کو وسیلہ بناتے تھے")

؎۱ آپ کے چچا ابوطالب کا شعر ہے۔

تمام احادیث استسقا میں بطور تفسیر و تشریح کے آیا ہے، اور اُس سے مقصود طلب شفاعت ہے، یعنی یہ کہ صحابہؓ آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کرتے تھے اور اللہ سے التجا کرتے تھے کہ آپ کی دعا و شفاعت قبول فرمالے۔ خود ہم بھی آپ کو، ہمارے ماں باپ قربان! اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے!

یزید بن اسودؓ کا واقعہ

اِسی طرح جب شام میں قحط پڑا تو معاویہ بن ابی سفیانؓ نے یزید بن الاسود الجرشی کو دعا میں وسیلہ بنایا، اُنھوں نے کہا "اللھم انا نستشفع (او نتوسل) بخیارنا، یا یزید ارفع یدیک، فرفع یدیہ ودعا ودعا الناس حتی سقوا" (الٰہی ہم اپنے نیکوں کی سفارش (یا وسیلہ) لائے ہیں۔ اے یزید اپنے ہاتھ اُٹھا۔ چنانچہ یزید نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی نیز تمام مسلمانوں نے دعا کی اور پانی برسنے لگا) اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ بارش کیلئے دینداروں اور نیکوکاروں کے واسطہ سے دعا کی جائے اور اگر وہ اہلِ بیت میں سے ہوں تو بہتر ہے۔

وسیلہ کی حقیقت

اِس استشفاع و توسّل کی حقیقت صرف دعا چاہنا ہے، چنانچہ جس سے شفاعت یا دعا کی درخواست کی جاتی ہے وہ دعا کرتا ہے اور لوگ اُسکے ساتھ ہو کر دعا کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب عہد نبوی میں قحط پڑا تو ایک اعرابی حاضر ہوا اور کہنے لگا "اے رسول اللہ، مال و متاع غارت ہو گیا اور راستے بند ہو گئے، آپ خدا سے دعا کیجئے کہ ہمیں اِس مصیبت سے نجات دے" چنانچہ آپ نے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی "اللھم اغثنا، اللھم اغثنا، اللھم اغثنا" (اے خدا ہمیں بچا، ہمیں بچا، ہمیں بچا۔) حدیث میں ہے کہ آسمان بالکل صاف تھا، کہیں ایک چھتّی بھی ابر کی نہ تھی کہ یکایک سمندر کی سمت سے بادل اُٹھا اور بارش شروع ہو گئی، پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور کسی نے سورج نہ دیکھا۔ جب حالت یہ ہوئی تو وہی یا کوئی اور اعرابی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ تمام راستے کٹ گئے اور گھر گر پڑے، دعا کیجئے کہ

خدایہیں اِس سے نجات دے" آپ نے پھر ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی "اللھم حوالینا ولا علینا، اللھم علی الآکام والظراب ومنابت الشجر وبطون الاودیة" (الٰہی ہم پر نہیں ہمارے گرداگرد، الٰہی جھاڑیوں، جنگلوں، کھیتوں اور وادیوں پر) فوراً بادل اِس طرح پھٹا جس طرح کپڑا پھٹتا ہے اور دیکھتے دیکھتے آسمان کھل گیا۔ یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں مشہور ہے۔ اسیطرح سنن ابو داؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی "انا نستشفع بك علی اللہ ونستشفع باللہ علیك" (ہم تیری سفارش اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش تیرے سامنے لاتے ہیں) یہ سُنکر آپ نے "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کہنا شروع کیا یہانتک کہ خوف سے صحابہؓ کا رنگ فق ہوگیا، پھر فرمایا "ویحك اتدری ما تقول؟ ان اللہ لا یستشفع به علی احد من خلقه، شأن اللہ اعظم من ذٰلك" (نادان تو سمجھتا بھی ہے جو کچھ کہہ رہا ہے، خدا کی سفارش اُسکی کسی مخلوق کے روبرو نہیں کی جا سکتی، اللہ کا مرتبہ اِس سے کہیں بلند ہے)۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلعم اور صحابہؓ کی بول چال میں کسی شخص سے شفاعت چاہنے کا مطلب اُسکی دعا سے شفاعت چاہنا تھا نہ کہ اُسکی ذات سے۔ کیونکہ اگر ذات سے شفاعت ووسیلہ مراد ہوتا تو خدا کے واسطے سے مخلوق سے سوال مخلوق کے ذریعہ سے خدا سے سوال کرنے سے زیادہ اولیٰ تھا، مگر چونکہ اِسکا مطلب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اسلئے نبی صلعم نے "نستشفع باللہ علیك" (اللہ کو تیرے سامنے سفارشی بناتے ہیں) کو ناپسند فرمایا اور "نستشفع بك علی اللہ" (تیری سفارش اللہ کے روبرو پیش کرتے ہیں) پر اعتراض نہیں کیا۔ اور یہ اسلئے کہ جس ذات سے دعا مقصود ہوتی ہے، شفیع اُس سے التجا کرتا ہے کہ سائل کی مراد پوری کردے، اور ظاہر ہے کہ خدا اپنے کسی بندہ سے التجا نہیں کر سکتا کہ سائل کی حاجت روائی کردے۔ رہا شاعر کا یہ کہنا کہ:

اللہ کو سفارشی بنانا

شفیعی الیک اللہ لارب غیرہ ولیس الی رد الشفیع سبیل

(تیرے پاس میرا سفارشی وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی پروردگار نہیں، اور اس سفارشی کی سفارش رد کرنے کی کوئی راہ باز نہیں)۔ اسیطرح بعض "اتحادیہ" (ایک گمراہ فرقہ ہے) کی یہ روایت کہ نبی صلعم کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی سفارش پیش کیگئی، تو یہ سب غلط اور گمراہی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سے التجا نہیں کرتا، خود اُس سے التجائیں کی جاتی ہیں اور اُسی سے دعائیں ہوتی ہیں اور وہی مرادیں پُوری کرتا ہے۔ اطاعت صرف اُسی کی اطاعت ہے اور کسی کی نہیں۔ البتہ چونکہ خود اُس نے اپنے رسُولوں کی بھی اطاعت فرض کر دی ہے، اسلئے اُن کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ بھی محض اس لئے کہ اُنکی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہے۔ کیونکہ رسُول، اللہ کا پیغام پہنچاتے اور اُس کے امر و نہی سے آگاہ کرتے ہیں، اس لئے جو اُن کی فرمانبرداری کرتا ہے، خدا کی فرمانبرداری کرتا ہے اور جو اُن سے بیعت کرتا ہے، خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہے۔ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ " (۵ : ۶)	ہم نے تمام رسُول اسی لئے بھیجے کہ خدا کے حکم سے اُنکی اطاعت کی جائے۔

اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ " (۵ : ۸)	جس نے رسُول کی اطاعت کی تو اُس نے بیشک اللہ کی اطاعت کی۔

مسلمان حاکموں کی اطاعت کیلئے کیا شرط ہے

اسیطرح اہلِ علم اور حکومت میں سے اولوالامر کی اطاعت بھی واجب ہے مگر صرف اُسی وقت جب وہ اللہ اور اُسکے رسُول کی اطاعت کا حکم دیں۔ جیساکہ حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا "علی المرء المسلم السمع والطاعة فی عسرہ و یسرہ و منشطہ و مکرھہ مالم یؤمر بمعصیة اللہ فاذا امر بمعصیة اللہ فلا سمع ولا طاعة " (جبتک اللہ

کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے مسلمان پر تنگی و فراخی، تکلیف و راحت ہر حال میں اطاعت واجب ہے، لیکن جب اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا) اور فرمایا: "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی بھی اطاعت روا نہیں)۔

شفاعت کا قبول کرنا ضروری نہیں

رہا شفاعت کرنے والا تو وہ ایک سائل ہے اور شفاعت میں اُسکی اطاعت واجب نہیں اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو، چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب بُریرۃؓ آزاد ہوگئی اور اُسے اختیار مل گیا کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا جدا ہو جائے، تو اُس نے شوہر کو الگ کر دیا جس سے وہ نہایت رنجیدہ ہوا اور شب و روز رونے دھونے لگا، رسول اللہ صلعم کو اُسکی حالت پر رحم آیا اور بریرۃؓ سے فرمایا کہ جدا نہ کرے، اسپر اُس نے سوال کیا "اتأمرنی"؟ (کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "لا انما انا شافع" نہیں میں تو صرف شفیع اور سفارشی ہوں۔ دیکھو عورت نے فورًا پوچھا کیا آپ حکم دیتے ہیں؟ اور آپ نے جواب دیا کہ حکم نہیں دیتا بلکہ شفاعت (سفارش) کرتا ہوں، تو چونکہ مسلمانوں کے ہاں یہ مسلّم تھا کہ رسول اللہ کا حکم واجب الطّاعۃ ہے نہ کہ آپ کی شفاعت و سفارش، اس لئے جب بریرۃؓ نے آپ کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا تو اُسے ذرا بھی ملامت نہ کی۔

بریرۃؓ کا واقعہ

جب رسول اللہ کی شفاعت کا یہ حال ہے تو اَور مخلوقات کی شفاعت، سمجھ لو، کیا درجہ رکھتی ہے؟ پھر اللہ جلّ و علیٰ کی شان اِس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کے سامنے سفارشی بن کر جائے اور اُسکے حضور کوئی بغیر اُسکی مرضی پائے شفاعت کی جرأت کرسکے۔ فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ، بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ، يَعْلَمُ	انھوں نے کہا رحمٰن بیٹا رکھتا ہے، پاک ہے اُسکی ذات، بلکہ وہ اُسکے معزز بندے ہیں جو اُس کے آگے بڑھکر بات نہیں کرسکتے اور اُسی کے حکم پر

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۲۱:۲۷)

عمل کرتے ہیں۔ اُنکا اگلا پچھلا سب حال اُسے معلوم ہے، وہ کسی کے حق میں سفارش نہیں کرسکتے مگر صرف اُنکے حق میں کہ خدا پسند فرمائے اور وہ اُسکی دہشت سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ انمیں سے جو کوئی کہہ دے کہ خدا نہیں، میں معبود ہوں تو ہم اسکو جہنم کی سزا دینگے۔ سرکشوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ کی شفاعت کن لوگوں کیلئے ہے؟

سابق حدیث بتاتی ہے کہ نبی صلعم کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاسکتی ہے، یعنی آپ کو دنیا و آخرت میں شفیع بنانا درست ہے۔ آخرت میں آپکی شفاعت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مابین فیصلہ کرے اور اُنھیں جنّت بخشے، نیز آپ اپنی امت کے اہلِ کبائر اور بعض ایسے لوگوں کے حق میں بھی شفاعت فرمائینگے جو دوزخ کے مستحق ہیں کہ انپر رحم کیا جائے اور بعض جو جہنم میں جاچکے ہیں نکال لئے جائینگے۔ جمہور علماء و ائمہ متفق ہیں کہ نیکوکاروں اور ثواب کے مستحقوں کیلئے آپ شفاعت فرمائینگے۔ لیکن بہت سے بدعتی، خارجی اور معتزلی اہلِ کبائر کے حق میں آپکی شفاعت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے حق میں آپ سرے سے شفاعت ہی نہ کریں گے، کیونکہ اُنکے زعم میں اہلِ کبائر کی نہ بخشش ہوگی اور نہ جہنم میں جانے کے بعد وہ نکالے جائینگے۔ برخلاف اِنکے صحابہؓ، تابعین، ائمۂ اسلام اور تمام اہلِ سنّت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آپ اہلِ کبائر کیلئے بھی شفاعت کرینگے اور یہ کہ اہلِ ایمان میں سے کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ کیلئے نہ رہیگا بلکہ جسکے دل میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہے وہ ایک نہ ایک دن عذاب سے ضرور چھٹکارا پا جائیگا۔

زندگی ہی میں دعاء

لیکن یہ استسقاء (پانی مانگنا)، استشفاع (شفاعت چاہنا) اور توسّل (وسیلہ بنانا)، آپ سے ہو یا کسی دوسرے سے صرف زندگی ہی میں ہوسکتا ہے، یعنی یہ کہ حیات

شفاعت کی درخواست دعا ہے

مبارک میں آپ سے دعا کی درخواست کی جاتی اور آپ دعا کر دیتے۔ صحابہؓ آپ کو جو وسیلہ بناتے تھے تو اُس کے یہی معنی ہیں کہ آپ کی دعا وسیلہ ہوتی ہے، اور شفاعت بھی دعا ہے۔

صحابہؓ کا عمل

برخلاف اسکے آپکی موجودگی یا عدم موجودگی یا وفات کے بعد آپ کی ذات سے وسیلہ چاہنا، مثلاً خدا کو آپ کی یا کسی اور نبیؑ کی ذات کی قسم دلانا، یا اُنکی دعاؤں کو چھوڑ کر صرف اُنکی ذات کے حوالے سے دعا کرنا، تو یہ بات صحابہؓ و تابعین میں مشہور نہ تھی، بلکہ اُن کا عمل اِسکے خلاف تھا۔ چنانچہ عمر بن الخطابؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور اُن کے ساتھ کے تمام صحابہؓ و تابعینؒ نے جب قحط میں مبتلا ہوئے تو دعا میں اُن لوگوں کو وسیلہ بنایا جو زندہ تھے مثلاً عباس بن عبد المطلب اور یزید بن الاسود، اور ایسی سخت مصیبت میں بھی نہ نبی صلعم کو وسیلہ بنایا نہ آپ سے دعا کی درخواست کی، نہ آپ کی قبر پر جاکر نہ کہیں اور، بلکہ آپ کے بجائے زندہ آدمیونکو لیا، اور حضرت عمرؓ نے اپنی دعا میں اِس فعل کی تشریح یہ کہکر کر دی کہ "اے خدا ہم تیرے حضور اپنے نبیؐ کا وسیلہ لایا کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، ہمیں سیراب کر"۔ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلہ کو رسول اللہ کے وسیلہ کا عوض و بدل قرار دیا کیونکہ اب وفات کے بعد آپ سے اِس طرح وسیلہ چاہنے کی کوئی مشروع صورت باقی نہ رہی تھی، اور اگر ہوتی تو اُن کے لئے آسان تھا کہ سیدھے قبر نبویؐ پر چلے جاتے اور اُس طرح کی کوئی دعا کرتے جس طرح کی بعض لوگ کیا کرتے ہیں مثلاً کہتے کہ اے خدا ہم تجھے تیرے نبیؐ کا واسطہ دیتے یا تیرے نبیؐ کی حرمت سے سوال کرتے ہیں۔

بعض جاہلوں کی موضوع حدیث

بعض جاہل یہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا "جب دعا کرو تو میرے جاہ و حرمت کا حوالہ دیا کرو کیونکہ خدا کی نظر میں میرا جاہ بہت بڑا ہے"

یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے اور مسلمانوں کی کسی ایسی کتاب میں موجود نہیں جو محدثین کے نزدیک معتبر ہو بلکہ کسی محدث نے بھی اُسے کہیں روایت نہیں کیا اور نہ کسی نے اُسکی تصدیق کی۔ یہ بالکل درست ہے کہ نبی صلعم کا جاہ، اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام انبیاء و مرسلین کے جاہ سے بڑھکر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السّلام وجیہ ہیں فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا (۲۲ : ۶)	اے ایمان والو اُن لوگوں جیسے نہ ہو جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی تو اللہ نے موسیٰ کو اُن کی تہمتوں سے بری کر دیا اور اللہ کے نزدیک موسیٰ بڑے آبرو دار تھے۔

اور فرمایا:

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ ق اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (۳ : ۱۲)	جب ملائکہ نے کہا کہ اے مریمؑ خدا تجھے اپنے کلمے (یعنی مسیحؑ) کی بشارت دیتا ہے، اُسکا نام عیسےٰ بن مریم ہوگا، اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں آبرو والا اور مقرب بندوں میں سے ہوگا۔

پس جب موسیٰ و عیسیٰ خدا کی نظر میں وجیہ ہیں تو پھر رسول اللہ صلعم کی جاہ کا کیا پوچھنا ہے کہ آپ اولادِ آدمؑ کے سردار ہیں، مقام محمود کے وارث ہیں کہ جسپر تمام اگلے پچھلے رشک کرینگے، کوثر و حوض کے پانے والے ہیں کہ جسکے جام آسمان کے ستاروں کی طرح بے شمار ہونگے اور جسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور ایسا ہوگا کہ جو ایک مرتبہ پی لیگا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، قیامت کے دن صاحبِ شفاعت ہیں جبکہ تمام انبیاء اُس سے ہچکچا جائیں گے، آدمؑ و نوحؑ، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) میں سے کوئی بھی اِسکے لئے آگے نہ بڑھیگا تو اُس وقت

آپ سامنے آئینگے اور شفاعت کرینگے، پھر آپ ہی صاحب عَلَم ہونگے کہ جسکے نیچے آدمؑ اور اُنکی تمام ذُریات ہوگی، جب پیغمبر جمع ہونگے تو آپ ہی اُن کے امام ہونگے اور جب حضور خداوندی میں جائینگے تو آپ ہی اُنکے خطیب ہونگے، آپکا جاہ خدا کی نظر میں تمام انبیاء سے زیادہ ہے کیونکہ آپ سب سے افضل ہیں۔

خدا کی نظر میں مخلوق کا درجہ

لیکن اِسکے باوجود یاد رکھنا چاہیئے کہ مخلوق کا جاہ خدا کی نظر میں ویسا نہیں ہوتا جیسا خود دوسری مخلوق کی نظر میں ہوتا ہے، کیونکہ دربارِ خداوندی میں بغیر اُس کے اذن کے کسی کو بھی لب کشائی اور شفاعت کی جرأت نہ ہوگی۔ فرمایا:

اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؕ لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا " (۱۶ : ۹)

جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، بندہ ہو کر رحمٰن کے روبرو حاضر ہوگا اُس نے انھیں شمار کیا ہے اور خوب اچھی طرح گن لیا ہے۔

اور فرمایا:

لَنۡ یَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ یَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیَسۡتَكۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ اِلَیۡهِ جَمِیۡعًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا " (۶ : ۴)

نہ مسیح اِس سے گردن کشی کرینگے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ ملائکہ مقرّبین، اور جو کوئی اُسکی عبادت سے گردن کشی کرے اور متکبّر ہو جائے گا تو اللہ عنقریب سب کو جمع کریگا۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے تو اللہ انھیں اُن کا پورا پورا ثواب دیگا اور اپنے فضل سے اور زیادہ کر دیگا، لیکن جنھوں نے گردن کشی کی اور تکبّر کیا تو خدا اُنھیں سخت عذاب دیگا اور وہ خدا کے علاوہ کسی کو بھی اپنا دوست اور مددگار نہ پا سکیں گے۔

برخلاف اسکے مخلوق، مخلوق کے پاس بلا اجازت بھی سفارش کر سکتی ہے کیونکہ وہ حصولِ مطلوب میں اُسکی شریک ہے، لیکن خدا کا کوئی بھی شریک اور ساجھی نہیں۔ فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ " (۲۲ : ۹)

اے پیغمبر، کہدے کہ اُن لوگوں کو پکارو جنھیں تم خدا کے علاوہ سمجھے بیٹھے ہو، وہ آسمانوں میں نہ زمین میں ایک ذرّہ کے بھی مالک نہیں اور نہ اُنکی اُن میں کوئی شرکت ہے اور نہ انہیں سے کوئی اُسکا پشت پناہ ہے۔ اللہ کے ہاں شفاعت اُسی کو فائدہ پہنچائیگی جسکے حق میں وہ شفاعت کی اجازت دیگا۔

شرک کا آغاز تعظیمِ قبور سے ہوا

بکثرت احادیث وارد ہیں کہ نبی صلعم نے قبروں کو مسجد قرار دینے سے منع کیا اور ایسا کرنے والوں کو لعنت فرمائی۔ پھر خود اپنی قبر کو بھی مزار بنانے کی ممانعت کر دی۔ اور یہ اس لئے کہ انسانوں میں سب سے پہلے شرک قومِ نوحؑ میں پیدا ہوا جیساکہ ابن عباسؓ نے کہا کہ آدم اور نوح (علیہما السّلام) کے مابین دس صدیاں ایسی گزریں کہ سب لوگ اسلام پر قائم تھے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نوح سب سے پہلے رسول ہیں جنھیں خدا نے زمین والوں کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ قومِ نوحؑ کی حالت خدا نے اسطرح بیان کی ہے کہ اُس نے آپس میں کہا:

لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا " (۲۹ : ۱۰)

اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا، اور وَدّ کو نہ سواع کو نہ یغوث و یعوق کو چھوڑنا، انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

علماءِ سلف میں سے متعدد آدمیوں نے کہا ہے کہ اِس آیت میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں وہ قومِ نوحؑ میں صالح لوگ تھے، جب مرے تو اُنکے ہم قوم اُنکی قبروں کی تعظیم کرنے لگے اور جب اس طرح ایک مدت گزر گئی تو اُنکی پرستش کرنے لگے۔ امام بخاری نے

اسے اپنی صحیح میں ابن عباسؓ سے نقل کیاہے اور تصریح کی ہے کہ پھر یہ معبود عرب میں منتقل ہو آئے۔

صحابہ کے عمل سے حجت

چونکہ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اچھی طرح جان چکے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے قبروں کو مسجد قرار دینے کی ممانعت کرکے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے اگرچہ نماز پڑھنے والا خدا ہی کیلئے نماز پڑھ رہا ہو، اسلئے وہ ایسا نہ کرتے تھے۔ اسیطرح صحابہؓ کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلعم سے وسیلہ چاہنا آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت ومحبت وموالات سے اور آپ کی دعا وشفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے، اسلئے وہ آپ کی ذات کو وسیلہ نہ بناتے تھے۔ پس جبکہ صحابہؓ نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی اور نہ اس طرح کی دعائیں مانگیں، حالانکہ اُن کا علم ہم سے زیادہ تھا اور خوب جانتے تھے کہ اللہ اور اُسکا رسُول کونسی بات پسند کرتا ہے، اُس نے کن دعاؤں کی تلقین کی ہے اور کونسی دعائیں مقبول ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ بلکہ اُنھوں نے وفاتِ نبویؐ کے بعد حضرت عباسؓ وغیرہ کو وسیلہ بنایا جو رسُول اللہ کے مقابلہ میں کم درجہ تھے، تو اس سے معلوم ہُوا کہ وفات کے بعد آپ سے وسیلہ چاہنا ممکن نہ رہا تھا اگر ممکن ہوتا تو وہ آپ کو چھوڑ کر ہرگز کسی دوسرے کو وسیلہ نہ بناتے۔

رسول اللہ نے قبر پرستی کو منع فرمایا

امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا "اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد" (خدایا میری قبر کو بُت نہ کیجیو کہ جسکی پرستش کی جائے، خدا اُن لوگوں پر سخت ناراض ہے جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد ٹھیرالیا) سنن ابوداوٗد میں ہے کہ فرمایا "لا تتخذوا قبری عیدا وصلوا علیّ حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلغنی" (میری قبر کو زیارت گاہ نہ بنانا، بلکہ جہاں کہیں بھی ہو مجھپر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتاہے) صحیحین میں ہے کہ آپ نے مرضِ موت میں فرمایا "لعن اللہ الیھود والنصاری

اتخذوا قبور انبیا ئہم مساجد - یحذر ما فعلوا، قالت عائشة ولولا ذالک لابرز قبرہ ولکن کرہ ان یتخذ مسجدا" (یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا - راوی کہتا ہے آپ نے ایسا کرنے سے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے - حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو آپکی قبر کھلی جگہ بن بنائی جاتی مگر مسجد بن جانے کے خوف سے یہ ناپسند کیا گیا) صحیح مسلم میں جندب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے وفات سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا: "انی ابرأ الی اللہ ان یکون لی منکم خلیل، ولو کنت متخذا من امتی خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا، فان اللہ قد اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا - ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھاکم عن ذلک" (میں اس بات سے اپنی برأت کا اعلان کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص میرا خلیل ہو، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا - یہ اسلئے کہ خدا نے مجھے اسی طرح خلیل بنالیا ہے جس طرح ابراہیمؑ کو بنایا تھا - جو لوگ تم سے پہلے تھے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد ٹھیرالیا کرتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ ٹھیرانا، میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: "لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم فانما انا عبد فقولوا عبداللہ ورسولہ" (مجھے اس طرح نہ چڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو چڑھا دیا)

۵۱ یہ تو نبی صلعم، صحابہؓ اور سلفِ امت کے اقوال و افعال ہیں، مگر آجکل کے مدعیانِ اسلام کا کیا حال ہے؟ بجائے اس کے کہ قبر پرستی کو اسلام کے خلاف سمجھا جاتا، آج یہی قبر پرستی اسلام و خدا پرستی کی سب سے بڑی علامت سمجھی جارہی ہے - نجدیوں کے برخلاف یہ تمام ہنگامہ صرف اسلئے ہے کہ انھوں نے چند گنبد قبروں پر سے ڈھا کر حکم نبویؐ کی تعمیل کی ہے - لیکن آجکل کے "مسلمانوں" کے نزدیک انکا یہی شرعی فعل "شرک" "بدعت" اور "کفر" سمجھا جاتا ہے - یہ صرف عوام ہی کا حال نہیں ہے بلکہ بہت سے مدعیانِ علم و ہدایت کا بھی ہے - خدا ان دین فروش علماء سے مسلمانوں کو نجات دے -

۵۲ خلیل، بہت زیادہ گہرے دوست کو کہتے ہیں -

ہے' مَیں تو صرف ایک بندہ ہوں' لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اسکا رسول کہو)۔

نابینا والی حدیث پر ایک نظر

ترمذی نے ایک حدیث صحیح میں روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین فرمائی "اللھم انی اسالک و اتوسل الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ' یا محمد! یا رسول اللہ! انی اتوسل بک الی ربی فی حاجتی لیقضیھا لی' اللھم شفعہ فی" (خدایا میں تیرے حضور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں' اے محمد! اے رسول اللہ! مَیں اپنی اِس ضرورت میں تجھے اپنے رب کے سامنے وسیلہ بناتا ہوں تاکہ وہ اِسے پُورا کردے۔ اے خدا میرے حق میں رسُول اللہ کی سفارش منظور کر) نیز ترمذی و ابن ماجہ میں عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک نابینا نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کرنے لگا دعا کیجے کہ خدا مجھے اچھا کردے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر کر جو تیرے حق میں زیادہ بہتر ہے؟ اُسنے کہا نہیں' دعا کیجے۔ چنانچہ آپنے اُسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے "اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ' یا رسول اللہ' یا محمد! انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی' اللھم فشفعہ فی" (خدایا مَیں تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے ذریعہ تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے رسول اللہ! اے محمدؐ میں تیرے واسطہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اِس ضرورت کیلئے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہوجائے۔ اے خدا میرے حق میں رسُول اللہ کی سفارش منظور کر۔) امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں یہی حدیث روایت کی ہے اور دعا اِس طرح نقل کی ہے کہ اندھے نے کہا "اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ' یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ فتقضی' اللھم فشفعنی فیہ و شفعہ فی" (خدایا میں تیرے نبی محمدؐ' نبی الرحمۃ کے ذریعہ اپنی اِس ضرورت میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہوجائے۔ اے خدا میری سفارش رسول اللہ کے حق میں اور رسول اللہ کی میرے حق میں قبول کر)۔

اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے

اِس حدیث میں آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ثابت ہے جس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ زندگی اور وفات ہر حالت میں آپ سے وسیلہ چاہنا جائز ہے اور یہ کہ نابینا اور صحابہؓ آپ کی زندگی میں آپ کی ذات سے وسیلہ چاہتے تھے، یعنی خدا کو آپ کی قسم دلاتے یا آپکی ذات کے حوالہ سے دعا کرتے تھے، اور یہ کہ آپ کو وسیلہ بنانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ بھی دعا کریں یا آپ کی اطاعت کی جائے، بلکہ اِن کے خیال میں خدا محض یہ کہہ دینے سے مراد پوری کر دیتا ہے کہ ہم رسول اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں عام اِس سے کہ آپ موجود ہوں یا وفات پا چکے ہوں، عام اِس سے کہ آپ دعا کریں یا نہ کریں، عام اس سے کہ آپ کی اطاعت کی جائے یا نہ کی جائے۔ حالانکہ یہ خیال باطل اور شریعت اور قانونِ قدرت دونوں کے مخالف ہے۔

پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ نابینا کا واقعہ ایک نظیر ہے اور اِس طرح کے تمام حالات میں حجت ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ اِن دونوں صورتوں میں شرعًا و عقلاً بڑا فرق ہے کہ نبی صلعم نے دعا کی یا نہیں کی، اگر دعا کی تو اسکا حکم دوسرا ہے اور اگر نہیں کی تو پھر اِسکا حکم کچھ اَور ہے، دونوں صورتیں ایک نہیں ہیں کہ ایک کو دوسری پر قیاس کر لیا جائے۔ نابینا والی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُسکے حق میں شفاعت کی تھی اور اِسی لئے اندھے کو دعا میں یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ "اللھم فشفعہ فی" (اے خدا رسول اللہ کی دعا میرے حق میں قبول فرما) پھر اِسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اُس سے فرمایا "ان شئت صبرت و ان شئت دعوت لک" (اگر تو چاہے تو صبر کر اور چاہے تو دعا کروں) اُس نے کہا بلکہ دعا کیجے۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ اُس نے آپ سے دعا کی درخواست کی تھی، آپ نے اُسے حکم دیا کہ نماز پڑھے اور خود بھی اپنے حق میں دعا کرے اور کہے: "فشفعہ فی" (میرے حق میں رسول اللہ کی دعا قبول کر) اِس سے صاف ثابت ہُوا کہ اُسکا دعا میں کہنا کہ "اسالک و اتوجہ الیک بنبیک محمد" (تیرے نبی محمدؐ کے واسطہ سے تجھ

سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں) کے معنی یہ تھے کہ تیرے نبی محمدؐ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتا ہوں۔ جیساکہ حضرت عمرؓ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ "اے خدا جب ہم قحط میں گرفتار ہوتے تھے تو تیرے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور سیراب کر دیتا تھا" پس یہ دونوں حدیثیں ایک ہی قسم کی ہیں اور ایک ہی معنی ظاہر کرتی ہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلعم کی حیات میں صحابہؓ آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ یہ نہ تھا کہ آپ کی ذات کو واسطہ قرار دیتے ہوں یا وفات کے بعد بھی آپ سے وسیلہ چاہتے ہوں۔ بلکہ وفات کے بعد وہ آپ کی جگہ اور لوگوں کو وسیلہ بناتے تھے۔ حالانکہ اگر زندگی اور موت دونوں صورتوں میں آپ سے وسیلہ برابر ہوتا اور آپ کے دعا کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہ ہوتا تو وہ کسی حال میں بھی آپ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف رجوع نہ کرتے۔ اسیطرح اگر وہ اندھا آپ کو وسیلہ بنائے جسکے لئے آپ نے دعا نہیں کی اُس اندھے کی طرح ہوتا جسکا ذکر حدیث میں ہے تو تمام نابینا صحابہؓ یا اُنمیں سے کوئی ایک ہی دو ایسا کرتے۔ لیکن جب اُن میں سے کسی نے بھی اِس طرح کی کوئی بات نہیں کی بلکہ اسکے برخلاف عمل کیا تو معلوم ہُوا کہ جس چیز کو اُنھوں نے ترک کر دیا وہ مشروع نہیں ہے اور جسپر عمل کیا وہ مشروع ہے، کیونکہ وہی لوگ سابقون الاوّلون ہیں، مہاجرون و انصار اور تابعون لھم باحسان ہیں، ہم سے زیادہ اللہ اور رسولؐ کی معرفت رکھتے تھے، ہم سے زیادہ اللہ اور رسولؐ کے حقوق جانتے تھے، اور ہم سے زیادہ سمجھتے تھے کہ کونسی دعا مشروع ہے، کونسی نافع ہے، کونسی غیر مشروع ہے اور کونسی غیر نافع ہے۔ حالانکہ وہ سخت سے سخت مصائب میں پڑے اور اُن سے مخلصی پانے کیلئے سب ہی جتن کئے مگر یہ بات کبھی نہ کی۔ اِسی لئے فقہاء نے اپنی کتابوں میں استسقا کے متعلق وہی لکھا ہے جو صحابہؓ نے کیا تھا اور جو اُنھوں نے نہیں کیا اُسکا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

اور یہ اسلئے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں آپ سے وسیلہ چاہنا آپ سے دعا کی التجا

صحابہؓ نے بعد وفات آپؐ سے دعا نہیں کی

کرنا تھا جو مشروع تھا۔ چنانچہ مسلمان آپکی زندگی میں ہمیشہ آپ سے دعا چاہا کرتے تھے لیکن جب آپ نے سفر آخرت اختیار کیا تو صحابہؓ نے آپ سے کبھی دعا کی درخواست نہیں کی نہ آپ کی قبر پر کھڑے ہوکر اور نہ کسی اَور کی قبر پر، جیساکہ بہت سے لوگ صالحین کی قبروں پر جاکر اپنی مرادیں مانگتے یا خدا کو اُنکی قسمیں دلاتے ہیں۔

ہر مومن سے دعا کی خواہش جائز ہے

بلکہ ہر مومن سے دعا طلب کرنا مشروع ہے حتیٰ کہ اگر حدیث صحیح ہو تو خود رسول اللہ صلعم نے حضرت عمرؓ سے جب وہ عمرہ کیلئے جانے لگے، فرمایا "لا تنسنا یا اخی من دعائک" (برادر! اپنی دعا میں ہمیں فراموش نہ کرنا) اسیطرح حکم دیا کہ اویسؓ قرنی سے مغفرت کی دعا چاہنا اگرچہ دعا چاہنے والا اویسؓ سے کہیں افضل تھا۔ بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ مرۃ صلی اللہ علیہ عشراً ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا درجۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ذٰلک العبد فمن سأل اللہ لی الوسیلۃ حلت علیہ شفاعتی یوم القیامۃ" (جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایکدفعہ درود بھیجتا ہے خدا اُسپر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک درجہ ہے اور اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندے کیلئے سزاوار ہے، مجھے امید ہے کہ وہ بندہ مَیں ہی ہوں، جسنے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی اُسکے لئے قیامت میں میری شفاعت حلال ہوگئی) حالانکہ آپ کا امت سے اپنے لئے دعا چاہنا مخلوق سے حاجت طلب کرنا نہ تھا بلکہ امت کو ایک تعلیم تھی جس سے اُسے دین میں فائدہ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ جب ہم ایک مرتبہ آپ پر درود بھیجتے ہیں تو خدا ہم پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اور اگر ہم آپ کیلئے "وسیلہ" کی دعا کرتے ہیں، قیامت کے دن آپ کی شفاعت ہمارے لئے حلال ہوجاتی ہے۔ پھر جتنا ثواب اپنی نیکیوں پر ہمیں حاصل ہوتا ہے

ٹھیک اتنا ہی آپکو بھی ملجاتا ہے بغیر اسکے کہ ہمارے اجر میں ذرا بھی کمی ہو، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے "من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه من غیر ان ینقص ذلك من اجورھم شیئا" (جس نے کسی ہدایت کی طرف بلایا تو اسے ان لوگوں کے ثوابوں کی طرح ثواب ملیگا جنھوں نے اسکی پیروی کی بغیر اسکے کہ خود ان کے ثوابوں میں کچھ بھی کمی کی جائے) اور ظاہر ہے آپ ہی نے امت کو ہر نیکی کی طرف دعوت اور ہر عمل صالح کی تعلیم دی ہے اس لئے آپکی امت جو کچھ بھی کرتی ہے اسکا ثواب اسی کے برابر آپ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ اور سلف صالح نہ اپنے اعمال کا ثواب آپ کو ہدیہ کرتے تھے نہ آپ کی طرف سے حج کرتے، صدقہ دیتے، قرآن پڑھتے تھے، کیونکہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو کچھ بھی مسلمان انجام دیتے ہیں، انھیں کے برابر انکا ثواب آپ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے عام اس سے کہ ہدیہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ لیکن والدین کا معاملہ دوسرا ہے، انھیں اپنی اولاد کے تمام اعمال کا ثواب حاصل نہیں ہوتا اسلئے انھیں ثواب بخشا جاتا ہے۔

سلف صالح کا حضورؐ کو ثواب نہ بخشنا

اور معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم اپنے رب کے اس حکم کے مطیع تھے کہ "فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ" (جب فارغ ہو جائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف رجوع کر) پس ظاہر ہے کہ آپ غیر اللہ کی طرف ہرگز رغبت نہ رکھیں گے۔ پھر صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا "یدخل من امتی سبعون الفا بغیر حساب: ھم الذین لا یسترقون، ولا یکتوون، ولا یتطیرون، وعلی ربھم یتوکلون" (میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائینگے: وہ، وہ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ داغواتے ہیں نہ شگون بد لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں) اس حدیث میں جنتیوں کا ایک وصف

حضورؐ کا امت سے دعا و تعویذ نہ کرانا

یہ بھی قرار دیا ہے کہ وہ جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور ظاہر ہے کہ جھاڑ پھونک دعا کی قسم سے ہے۔ اِسی لئے آپ اگرچہ خود اپنے اور دوسروں پر پھونک ڈالا کرتے تھے مگر کسی اور سے کبھی اِسکی خواہش نہ کرتے تھے۔ اِس سے یہ حقیقت صاف ہوجاتی ہے کہ آپ کا امت سے اپنے لئے دعا چاہنا، مخلوق کے مخلوق سے سوال کرنے کی قسم میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ سوال نہ کرنیوالا سوال کرنیوالے سے افضل ہے اور محمد صلعم تمام نوع انسانی کے سردار اور آقا ہیں، پھر آپ کیونکر مخلوق سے کوئی درخواست کریں گے۔

غیر حاضر کی غیر حاضر کیلئے دعا

غیر حاضر کی غیر حاضر کیلئے دعا زیادہ مقبول ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ اسمیں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے "اعظم الدعاء اجابة دعاء غائب لغائب" (سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا پیٹھ پیچھے کی دعا ہے) اور صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا "ما من رجل یدعو لاخیه بظهر الغیب بدعوة الا وکل الله ملکا کلما دعا لاخیه بدعوة قال الملك الموکل به: آمین! ولك بمثل" (جو کوئی اپنے بھائی کے حق میں اُسکے پیٹھ پیچھے کوئی دعا کرتا ہے تو خدا اُس کیلئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اپنے بھائی کیلئے اُسکی ہر دعا پر کہتا ہے آمین! اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو) اور یہ اِس بنا پر کہ مخلوق، مخلوق سے وہی چیز طلب کرسکتی ہے جسکی وہ قدرت رکھتی ہے اور ظاہر ہے مخلوق کو خدا سے دعا کرنے کی قدرت حاصل ہے، اِسی لئے اُس سے دعا چاہنا اور اُن چیزوں میں مخلوق سے مدد مانگنا جائز ہے جنکی اُسے قدرت حاصل ہے۔

کیا چیز مخلوق سے نہ مانگنا چاہیے؟

برخلاف اِسکے وہ چیزیں جنکی قدرت بجز خدا کے کسی کو نہیں تو اُنمیں صرف اُسی ذات برتر کی طرف رجوع کرنا چاہیے، انبیاء و ملائکہ وغیرہ کی طرف اُنمیں رجوع جائز نہیں۔ پس خدا کو چھوڑکر کسی مخلوق سے بھی یہ کہنا روا نہیں کہ ہمیں بخشدو، سیراب کرو، کافروں پر فتحیاب کرو، ہدایت دو کیونکہ یہ اور اِس طرح کی جو باتیں ہیں اُن کا اختیار صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی کو حاصل ہے۔ اِسی بنا پر طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے کہ عہدِ نبوی

میں ایک منافق مومنوں کو بہت تکلیف پہنچایا کرتا تھا، ایکدن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تنگ آکر کہا "چلو اِس منافق کے شر سے رسول اللہؐ کی پناہ حاصل کریں"۔ آپ نے سُنا تو فرمایا:
"انہ لا یستغاث بی وانما یستغاث باللہ" (مجھ سے پناہ مانگنا روا نہیں، پناہ صرف خدا سے مانگی جاتی ہے) قرآن میں ہے کہ:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ" (۹ : ۱۵)	جب تم اپنے رب سے پناہ مانگتے تھے تو خدا نے تمہاری سُن لی۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا میں ہے " اللّٰھم لک الحمد، والیک المشتکی، والیک المستعان، وبک المستغاث، وعلیک التکلان، ولا حول ولا قوۃ الا بک " (الٰہی تمام ستائشیں تیرے لئے ہیں، تجھی سے ہر طرح کا شکوہ ہے، تجھی سے مدد مانگی جاتی ہے، تیری ہی دہائی دی جاتی ہے، تجھی پر بھروسہ ہے، اور تجھی سے ہر طرح کی طاقت و قوت ہے) ابویزید بسطامیؒ کا قول ہے" مخلوق کا مخلوق سے پناہ مانگنا ایسا ہی ہے جیسے ڈوبتا ڈوبتے سے پناہ مانگے" ابوعبداللہ القرشی کا مقولہ ہے" مخلوق کا مخلوق سے پناہ مانگنا ویسا ہے جیسا قیدی، قیدی سے فریاد کرے"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا، اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا" (۱۵ : ۶)	اے پیغمبر کہدے کہ اُنھیں پکارو جنھیں خدا کے سوا سمجھے بیٹھے ہو، وہ تم سے تکلیف دور کرنیکی قدرت ہی نہیں رکھتے، جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ چاہتے ہیں کہ اُن میں سے کون زیادہ مقرب ہے اور اُسکی رحمت کی اُمید کرتے اور اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

ایک جماعتِ سلف نے اِس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ لوگ ملائکہ و انبیاء کو پکارتے

تھے، اس پر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جنھیں تم پکارتے ہو میرے ہی بندے ہیں، تمھاری طرح وہ بھی میری رحمت کی امید کرتے، میرے عذاب سے ڈرتے اور مجھ سے تقرب کی آرزو رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ملائکہ و انبیاء کے پکارنے اور اُن سے دعا طلب کرنے سے منع کردیا ہے۔ حالانکہ خود اُسی نے ہمیں یہ خبر بھی دیدی ہے کہ ملائکہ ہمارے لئے دعائیں کرتے اور مغفرت چاہتے ہیں، مگر باوجود اسکے ہمارے لئے روا نہیں رکھا کہ اُن سے اسکی درخواست کریں۔ اسیطرح انبیاء و صالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہی کیوں نہ ہوں، اگرچہ زندوں کے حق میں دعا کیوں نہ کرتے ہوں، اگرچہ اس بارے میں کتنے ہی آثار و اقوال موجود کیوں نہ ہوں، لیکن کسی کیلئے جائز نہیں کہ اُن سے یہ چیز طلب کرے، خصوصًا جبکہ سلف صالح میں سے کسی ایک شخص نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اُن کے شرک اور اُنکی عبادت کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ برخلاف اسکے اُنکی زندگی میں اُن سے اس طرح کی التجا کرنے سے شرک کا اندیشہ نہیں ہے، اور اسلئے وہ جائز ہے۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ملائکہ یا انبیاء و صالحین اپنی موت کے بعد زندوں کیلئے جو کچھ دعائیں کرتے ہیں تو قانونِ قدرت کے ماتحت کرتے ہیں اور برابر کرتے رہینگے، عام اس سے کہ اُن سے دعا کی درخواست کی جائے یا نہ کی جائے۔ سائل کی درخواست اُن پر بالکل غیر مؤثر ہے، کیونکہ سائل کی غرض پوری کرنے کا حکم اس دار التکلیف میں ہے جس سے مر جانے کے بعد وہ قدرتًا مستثنیٰ ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا

یہ کسی بشر کی بھی شان سے نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکم اور نبوت بخشے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ لیکن یہ کہیگا کہ ربانی بنو کیونکہ تم کتاب سکھاتے اور پڑھتے ہو، اور

كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا، اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (۳ : ۱۶)

نہ یہ حکم دیگا کہ ملائکہ اور انبیاء کو معبود ٹھیراؤ، کیا وہ اسلام لانے کے بعد تمھیں کفر کا حکم دیگا ؟

اِس آیت میں خدا نے صاف فرمادیا ہے کہ جو کوئی ملائکہ اور انبیاء کو ارباب ٹھیرائیگا وہ کافر ہے۔ اور فرمایا :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ" (۲۲ : ۹)

اے رسول کہدے کہ اُنھیں پکارو جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر سمجھے بیٹھے ہو، وہ آسمانوں میں نہ زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور نہ اُنکی اُن میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اسکا پشت پناہ ہے۔ اللہ کے ہاں شفاعت اُسی کیلئے سودمند ہوگی جسکے حق میں وہ شفاعت کی اجازت دیگا۔

اور فرمایا :

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" (۳ : ۲)

اُسکے ہاں بغیر اُسکی اجازت کے کون شفاعت کر سکتا ہے ؟

اور :

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ" (۱۱ : ۶)

اُسکی اجازت سے پہلے کوئی بھی شفیع نہیں۔

اور :

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ" (۲۱ : ۱۴)

اُسکے علاوہ تمہارا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفیع۔

اور :

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ

وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ، قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ، سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" (۱۱ : ۷)

انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع - اور کہتے ہیں یہ لوگ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہونگے - اے رسولؐ کہدے کہ کیا تم خدا کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، وہ ذات برتر اُنکے شرک سے پاک اور برتر ہے -

اور صاحب یٰس کی زبانی کہلوایا :

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؛ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ - اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ" (۲۳ : ۱)

مجھے کیا ہوگیا ہے کہ اُسکی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جسکی طرف تمھیں لوٹ کر جانا ہے - کیا اُس معبود کے سوا دوسرے معبود اختیار کر لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اُنکی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ مجھے بچا سکیں - اگر میں ایسا کروں تو کھلی گمراہی میں ہوں - پس میری سنو کہ مَیں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں -

شفاعت کی دو قسمیں

شفاعت دو قسم کی ہے : ایک وہ ہے جسکی خدا نے تردید کی ہے اور وہ وہی ہے جسکے مشرکینِ عرب قائل تھے اور جسے اس امت کے جاہل مانتے ہیں - اور دوسری شفاعت وہ ہے جو شفیع خدا کے حکم سے کرتا ہے اور یہ اللہ کے نیک بندوں کیلئے ثابت ہے - چنانچہ جب سید الشفعاء صلعم سے قیامت کے دن مخلوق شفاعت کیلئے درخواست کریگی تو آپ رب العالمین کے حضور حاضر ہونگے اور سجدہ میں گر پڑینگے - فرمایا " فاحمد

ربی بمحامد یفتحها علی لا احسنها الآن، فیقال: ای محمد ارفع رأسك، وقل یسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع " (مَیں اپنے رب کی ایسی صفتوں سے ستائش کرونگا جو اِس وقت

مجھے نہیں آتیں، اُسی وقت مُجھ پر کھول دی جائینگی، پھر کہا جائیگا اے محمدؐ، اپنا سر اُٹھا اور کہہ سُنا جائیگا، مانگ دیا جائیگا، شفاعت کر قبول کی جائیگی) چنانچہ جب اجازت ملیگی تو آپ شفاعت کرینگے (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما)۔

اِس قول کے قائل کہتے ہیں کہ آپ کو وسیلہ بنانے اور آپ سے شفاعت چاہنے یعنی سائل کے حق میں آپ کی دعا کے جواز سے لازم نہیں آتا کہ آپ کی وفات کے بعد یا غیر موجودگی میں بھی یہ بات (یعنی آپ کو وسیلہ بنانا یا آپ سے دعا کی درخواست کرنا) جائز ہو جائے حالانکہ آپ نے سائل کیلئے دعا نہیں کی بلکہ اُس نے خدا کو آپ کی قسم دلائی یا آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کی ہے، حالانکہ صحابہؓ نے اِن دونوں صورتوں میں تفریق کی ہے۔ اور یہ اِسلئے کہ آپ کی زندگی میں جو کوئی آپسے وسیلہ چاہتا تھا آپ اُسکے حق میں دعا کرتے تھے، اور معلوم ہے کہ آپ کی دعا تمام دعاؤں سے افضل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہیں، پس جسکے حق میں آپ نے دعا و شفاعت کی اُسے وہ افضل سے افضل دعا حاصل ہو گئی جو مخلوق، مخلوق کیلئے کر سکتی ہے، اور وہ کسی طرح بھی اُسکے برابر نہیں ہو سکتا جسکے حق میں آپ نے دعا و شفاعت نہیں کی ہے۔ جو کوئی اِن دونوں کو برابر سمجھتا اور آپ کی زندگی میں وسیلہ چاہنے اور وفات کے بعد وسیلہ چاہنے کو یکساں قرار دیتا ہے وہ سخت گمراہ ہے۔

آپکی وفات کے بعد آپ سے دعا نہیں مانگی جاسکتی

پھر یہ کہ آپ کی حیات میں آپسے دعا طلب کرتے، آپ کی دعا سے وسیلہ چاہنے اور خود آپ کے دعا کرنے سے کسی مضرت و شرک کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ وہ سراسر خیر ہی خیر ہے، کیونکہ کوئی نبی بھی اپنی زندگی اور موجودگی میں پُوجا نہیں گیا بلکہ ہر نبی برابر شرک کی جڑ کاٹتا اور اپنی عبادت اور درجۂ شرک تک پہنچنے والی تعظیم سے منع کرتا رہا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے آنحضرت صلعم کو سجدہ کیا تو آپ نے فوراً منع کر دیا۔ نیز ایک اور موقعہ پر فرمایا "لا تقولوا ما شاء اللہ و شاء محمد، ولکن قولوا: ما شاء اللہ ثم شاء

محمد" (یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور محمدؐ چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور پھر محمد چاہے)۔

لیکن آپ کی وفات کے بعد فتنہ اور شرک کا اندیشہ ہے جیسا کہ مسیحؑ اور عُزیرؑ وغیرہ کے باب میں ہو چکا ہے۔ اِسی لئے فرما دیا "لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم فانما انا عبدٌ فقولوا: عبد اللہ ورسولہ" (مجھے اُس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو بڑھا دیا ہے، مَیں تو محض ایک بندہ ہوں، لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور رسُول کہا کرو) اور فرمایا "اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد" (خُدایا! میری قبر کو بُت نہ کیجیو کہ پُوجی جائے) اور فرمایا "لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد - یحذر ما صنعوا" (یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت کہ اُنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد ٹھیرالیا - (راوی کہتا ہے) ایسا کرنے سے آپ نے منع کیا ہے)۔

دو عظیم الشان اصول

غرض ہمارے پاس دو عظیم الشان اصول ہیں جو دین کی بنیاد ہیں: ایک یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور دوسرے یہ کہ اُسکی عبادت صرف اُسی طور پر کریں جس طور پر خود اُس نے قرار دی ہے، یعنی کوئی بدعی اور من گھڑت عبادت نہ کریں۔ یہی دونوں بنیادیں ہیں جنھیں کلمہ "لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" استوار کرتا ہے۔ فضیل بن عیاضؒ نے ایک مرتبہ کہا "اخلصہ واصوبہ" (سب سے زیادہ خالص اور سب سے زیادہ درست) لوگوں نے پوچھا "اے حضرت، یہ "اخلصہ واصوبہ" کیا ہے؟" فرمایا "اگر عمل خالص ہُوا اور صواب (درست) نہ ہُوا تو غیر مقبول ہے، اور اگر صواب ہُوا مگر خالص نہ ہُوا تو بھی غیر مقبول ہے۔ عمل اُسی وقت مقبول ہوتا ہے جب بیک وقت خالص اور صواب ہو۔ خالص کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ کیلئے ہو اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ سنّتِ نبویؐ کے مطابق ہو" یہی معنی ہیں اِس آیت کے:

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا" (۱۸ : ۳)

جو اپنے رب کی ملاقات چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اُسکی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ رکھے۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ دعا مانگا کرتے تھے " اللھم اجعل عملی کلہ صالحاً واجعلہ لوجھك خالصاً ولا تجعل لاحد فیہ شیئا " (الٰہی میرے پورے عمل کو صالح کردے اور اُسے خاص اپنے لئے خالص کرلے اور اُسمیں کسی اور کا کوئی حصہ بھی نہ رہنے دے) اور قرآن میں ہے :

اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ ؕ (۴۲ : ۲۱)

کیا اُنکے ایسے شریک ہیں جنھوں نے اُن کیلئے ایسا دین مقرر کیا ہے جسکی خدا نے اجازت نہیں دی ؟

بدعت کی تعریف

اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا : " من احدث فی امرنا ھذا لیس منہ فھو رد " (جس نے ہمارے معاملہ (دین) میں کوئی ایسی بات پیدا کی جو اُسمیں نہیں ہے تو وہ بات مردود ہے) دوسری روایت بخاری میں ہے " من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد " (جس کسی نے ایسا کام کیا جسپر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ کام مردود ہے) اور بخاری وغیرہ کتب صحاح میں ہے کہ فرمایا : " انا اغنی الشرکاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فیہ غیری فانا منہ بریٔ وھو کلہ للذی اشرك " (میں شرکت سے سب سے زیادہ مستغنی ہوں ، جس کسی نے اپنے عمل میں میرے سوا کسی کو شریک کیا تو میں اُس سے بری ہوں اور وہ پورا کا پورا اُس کیلئے ہے جسے شریک بنایا گیا ہے) اِسی لئے فقہا نے کہا ہے کہ عبادات کی بنیاد توقیف پر ہے یعنی جو اور جس طریقہ پر عبادت رکھی گئی ہے اُسی پر رہنا چاہئے ۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے

حضرت عمرؓ کا حجر اسود سے خطاب

حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا : " واللہ انی لاعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولولا

انی رایت رسول اللہ صلعم یقبلك لما قبلتك "۔ (بخدا میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول اللہ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا) اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اُسکے رسول کی پیروی، اطاعت، محبت، موالات سے اپنے دل معمور کریں اور یہ کہ اللہ اور اُسکا رسول ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ نیز وعدہ کیا ہے کہ رسول کی طاعت و محبت سے ہمیں اللہ کی محبت و کرامت حاصل ہوگی۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ" (۳ : ۱۲)	اے پیغمبر کہدو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ بخشدیگا۔

اور فرمایا: ۔۔

اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا" (۱۸ : ۱۳)	اگر رسول کی اطاعت کروگے، ہدایت پاؤ گے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ" (۴ : ۱۳)	جس نے اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کی تو ایسوں کو جنت میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں، اُنمیں وہ ہمیشہ رہینگے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

وغیرہ بکثرت آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔

اِس بارے میں کسی کیلئے جائز نہیں کہ اُس دائرہ سے تجاوز کرے جو شریعت اور کتاب وسنت نے بنا دیا ہے اور جسپر سلف صالح برابر قائم رہے۔ نیز ہر شخص کو وہی کہنا چاہیئے جسکا علم رکھتا ہے اور جو نہیں جانتا اُسپر خاموش رہنا چاہیئے، خدا کے باب میں بغیر علم کچھ کہنا روا نہیں، کیونکہ اُسنے یہ سب باتیں حرام کردی ہیں۔

احادیث صحیحہ میں اُن چیزوں کا ذکر وارد ہے جنکے حوالہ سے نبی صلعم دعا کرتے تھے مثلاً ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ فرمایا " اللھم انی اسألك بان لك الحمد لا اله الا انت المنان بدیع السموات والارض یا ذا الجلال والاکرام یا حی یا قیوم " (میں تجھ سے اسلئے مانگتا ہوں کہ تیرے لئے ہر طرح کی تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تُو احسان کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے اے جلالت ومنزلت والے، اے حیؔ، اے قیوم!) نیز ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا: اللھم انی اسالك بانی اشھد انك انت الله لا اله الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد " (میں تجھ سے اسلئے مانگتا ہوں کہ میں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تُو واحد و احد ہے، بے نیاز ہے کہ جس نے نہ کسی کو جنا ہے نہ اُسے کسی نے جنا ہے اور جسکی کوئی نظیر نہیں) -

تمام علماء متفق ہیں کہ بجز خدا کے کسی کی قسم کھانا درست نہیں- چنانچہ اگر کسی نے مخلوقات مثلاً کعبہ، ملائکہ یا کسی پیر یا بادشاہ کی قسم کھائی تو وہ قسم لغو ہوگی اور اُسے تحریم یا تنزیہہ کی بنا پر ممنوع قرار دیا جائیگا- کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: " من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت " (جسے قسم کھانی ہو تو خدا کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے) ترمذی میں ہے کہ فرمایا " من حلف بغیر الله فقد اشرك " (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا) علماء متقدمین میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ مخلوق کی قسم درست ہے- البتہ رسول اللہ صلعم کی قسم کی بابت امام احمدؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ درست[۱] ہے -لیکن یہ ایک

[۱] اِس سے مراد یہ نہیں ہے کہ نبی صلعم کی قسم کھانا چاہیے بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھالی تو وہ " قسم " تسلیم کرلی جائیگی یعنی لغو نہ ہوگی- لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے آگے بیان کیا ہے (مترجم)

ضعیف اور شاذ قول ہے اور ہمارے علم میں کوئی عالم بھی اُسکا قائل نہیں - بلکہ جمہور علماء مثلاً مالکؒ و شافعیؒ و ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ وہ قسم درست نہیں جیساکہ امام احمدؒ سے بھی ایک دوسری روایت میں مذکور ہے، اور یہی صحیح ہے -

غیر اللہ سے پناہ مانگنا

اِسیطرح مخلوقات سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں - پناہ صرف اللہ اور اُس کے اسماء و صفات ہی سے مانگنی چاہیئے - اِسی لئے امام احمدؒ وغیرہ علماء سلف نے کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے پر منجملہ اُور دلائل کے ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ رسول اللہ صلعم نے "اعوذ بکلمات اللہ التامات" (اللہ کے کلمات تامات کی پناہ مانگتا ہوں) فرماکر کلام اللہ سے پناہ مانگی ہے حالانکہ مخلوقات سے پناہ مانگنا جائز نہیں - حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا "لا باس بالرقی مالم یکن شرکاء" (اگر شرک نہ ہو تو جھاڑ پھونک میں مضائقہ نہیں) اس سے اُس جھاڑ پھونک کی ممانعت نکلتی ہے جسمیں شرک ہو مثلاً جنمیں جنوں اور شیطانوں وغیرہ سے پناہ مانگی جاتی ہے جیساکہ قرآن میں ہے:

"وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا" (۲۹ : ۱۱)	انسانوں میں کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، اس نے جنوں کو اور بھی مغرور کردیا -

اِسی لئے علماء نے اُن تمام مشرکانہ ٹونوں ٹوٹکوں اور گنڈوں سے منع کردیا ہے جو مرگی یا دوسری بیماریوں میں لوگ استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسے تمام گنڈوں سے بھی منع کیا ہے جنکے معنی سمجھے نہ جاتے ہوں کیونکہ ممکن ہے اُن میں شرک موجود ہو - پس واضح ہوا کہ بجز خدا کے کسی کی بھی قسم کھانا یا دلانا جائز نہیں -

وسیلہ یا بحق فلاں کا کیا مطلب ہے

اور جو کوئی خدا سے کسی مخلوق کے ذریعہ سوال کرتا ہے تو اسکا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ یا تو اُسے مخلوق کی قسم دے رہا ہے، یا اُس مخلوق کی دعا سے وسیلہ چاہتا ہے

یا خود مخلوق کی ذات کو واسطہ قرار دیتا ہے۔ پہلی صورت یعنی خدا کو مخلوق کی قسم دینا ناجائز ہے۔ دوسری صورت یعنی انبیاء و صالحین کی زندگی میں اُن کی دعا سے وسیلہ چاہنا جائز ہے، نیز ہر ایسے سبب کو دعا میں وسیلہ بنانا جائز ہے جو قبولیتِ دعا کا ذریعہ ہے، جیساکہ غار والے تین شخصوں نے اپنے اپنے نیک عمل وسیلہ بنائے تھے اور جیسا کہ رسول اللہ صلعم پر ایمان، آپ کی اطاعت و محبت و موالات کو جو اجابتِ دعا کا ذریعہ ہے۔ رہی تیسری صورت یعنی انبیاء و صالحین کی ذات کے حوالہ سے دعا تو یہ غیر مشروع ہے۔ بہت سے علماء نے اِس سے منع کیا ہے اگرچہ بعض نے اجازت بھی دی ہے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیساکہ مذکور ہُوا۔ اور یہ اِس لئے کہ مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا، ایک ایسی بنیاد پر دعا ہے جو قبولیت کا سبب نہیں۔ برخلاف اِسکے سائل کا اپنے اعمالِ صالحہ کی بنا پر دعا کرنا یا صالحین کی دعا کو وسیلہ قرار دینا قبولیت کا سبب ہے اور جائز ہے جیساکہ فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ‘‘ (۶ : ۱۰)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُسکی طرف وسیلہ کی جستجو کرو۔

اور فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ‘‘ (۱۵ : ۶)	جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔

اور ’’وسیلہ‘‘، ’’اعمالِ صالحہ‘‘ ہی کا دوسرا نام ہے۔

لیکن اگر ہم اپنے اعمال یا صالحین کی دعاؤں کو وسیلہ بنانے کے بجائے خود اُنکی ذات کو وسیلہ قرار دیتے ہیں تو ظاہر ہے یہ وسیلہ ہمارے لئے کچھ بھی سودمند نہ ہوگا کیونکہ وہ اجابتِ دعا کا سبب ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چیز نہ صحیح طور پر نبی صلعم سے منقول ہے اور نہ سلف صالح سے۔ البتہ منسک المروزی میں امام احمدؒ سے ایک دعا منقول ہے

جسمیں نبی صلعم کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے۔ مگر ممکن ہے اُس سے مقصود آپ کی قسم کا جواز ہو جیسا کہ اُن سے ایک روایت میں منقول ہے۔ لیکن اعظم ترین علماءِ امت اِسی طرف گئے ہیں کہ خدا کو مخلوق کی قسم دلانا یا مخلوق کی ذات کو وسیلہ قرار دینا ممنوع ہے۔

انبیاء کی عزت سے کس طرح نفع ہوسکتا ہے؟

بلاشبہ انبیاء کا درجہ خدا کے ہاں بہت بلند ہے جیسا کہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے متعلق آیات گزر چکیں، لیکن اُن کے درجات کی بلندی خود اُن کیلئے ہے نہ کہ ہمارے لئے، اُس سے اُنھیں نفع ہے نہ کہ ہمیں۔ ہاں ہمیں اُن کی قدر ومنزلت سے اُس وقت نفع پہنچ سکتا ہے جب ہم اُنکی اطاعت کریں اور اُن سے محبت رکھیں۔ چنانچہ اگر ہم اللہ سے اُس کے نبیؐ پر اپنے ایمان اور اُسکی محبت وموالات واتباع کے طفیل دعا کریں تو یہ قبولیتِ دعا کا اعظم ترین سبب ہے۔ لیکن ایمان واطاعت کو چھوڑ کر صرف اُن کی ذات کو وسیلہ بنانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ حقیقت میں وسیلہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ انسان جب کسی کو کسی کے پاس وسیلہ بناتا ہے تو اُسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یا تو اُس سے سفارش چاہتا ہے، مثلاً جس سے غرض اٹکی ہے اُسکے باپ، بھائی، دوست سے کہتا ہے کہ میری سفارش کردو، اور یہ جائز ہے۔ اور یا وسیلہ بنانے سے مقصود قسم دلانا ہوتا ہے اور معلوم ہے کہ خدا کو مخلوق کی قسم بلکہ مخلوق کو مخلوق کی قسم دینا بھی ناجائز ہے۔ اور یا پھر وسیلہ ایسے سبب کو بناتا ہے جو حصولِ مطلب کا ذریعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ" (۴: ۱۲)	اور ڈرو اللہ سے جسکے نام سے مانگتے ہو آپسمیں اور قرابت کے نام سے۔

جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔

یہ واضح ہو چکا ہے کہ خدا کو مخلوق کی قسم دینا یا خود مخلوق کی قسم کھانا قطعاً ناجائز ہے۔ رہا اُن لوگوں کی شفاعت کو وسیلہ بنانا جنھیں شفاعت کی اجازت دیگئی ہے تو

جائز ہے۔ نابینا نے آنحضرت صلعم سے وہی درخواست کی تھی جو صحابہؓ استسقا وغیرہ میں کیا کرتے تھے، یعنی دعا چاہی تھی، اسی لئے حدیث کے آخر میں ہے "اللھم فشفعہ فی" (خدایا! میرے حق میں رسول اللہ کی شفاعت قبول کر) پس حدیث میں جو کچھ ہے اُس کے جواز پر تمام علما متفق ہیں اور وہ ہماری بحث سے غیر متعلق ہے۔

ایک آیت کی تفسیر

رہی آیت " وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ " (۴ : ۱۲) تو اس کی قرأت میں اختلاف ہے۔ جمہور قرا نے "ارحام" کو منصوب (زبر سے) پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ " اللہ کا خوف کرو جسکے نام پر باہم سوال کرتے ہو اور رشتہ داری کا خیال کرو" خدا کے نام پر سوال کرنے میں خدا کی قسم دلانا اور اُسکے نام پر عہد کرنا داخل ہے۔ لیکن بعض قرا نے "ارحام" کو مجرور (زیر سے) پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ " خدا سے ڈرو جسکے اور رشتہ داری کے نام پر باہم سوال کرتے ہو" اس قرأت کی بنا پر ایک جماعتِ سلف نے کہا ہے کہ عرب، باہم ایک دوسرے کو خدا اور رشتہ کا واسطہ دیا کرتے تھے، آیت میں اسی واقعہ کی خبر دیگئی ہے۔ بنا بریں کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں رشتہ داری سے سوال کرنے کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اگر بفرض تسلیم کر لیا جائے کہ اُسکے جواز پر دلیل ہے تو " اسألك بالرحم" (میں تجھے رشتہ کا واسطہ دیتا ہوں) کہنے سے قسم لازم نہیں آتی بلکہ سرے سے یہاں قسم کے معنی ہی نہیں کھپتے۔ ہاں رشتہ داری کے حقوق کی یاد دہانی نکلتی ہے اور یہ جائز ہے کیونکہ رشتہ داروں کے انسان پر حقوق ہوتے ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب (جیسا کہ مروی ہے) سے جب اُن کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر، اپنے باپ اور اُن کے بھائی جعفر کا حق یاد دلا کر کچھ مانگتے تو آپ فوراً دے دیتے تھے کیونکہ جعفر کے آپ پر حقوق تھے جن کا ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن اس میں قسم دلانا نہیں ہے، کیونکہ اگر عبد اللہ کا مقصود قسم دلانا ہوتا تو جعفر کے بجائے

خدا کی قسم دلاتے۔

ایک دعا کی تحقیق

اِسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے ابن ماجہ نے ابو سعیدؓ کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے نماز کے لئے جاتے وقت یہ دعا بتائی تھی: "اللھم انی اسألك بحق السائلین علیك، وبحق ممشای ھذا فانی لم اخرج اشرًا ولا بطرًا ولا ریاءً ولا سمعۃً، ولکن خرجت اتقاء سخطك، وابتغاء مرضاتك، اسألك ان تنقذنی من النار، وان تغفر لی ذنوبی، فانہ لا یغفر الذنوب الا انت" (خدایا! میں تجھ سے اُس حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلوں کا ہے اور اپنے اِس چلنے کے حق سے، کیونکہ میں نہ بدنیتی سے نکلا ہوں نہ سرکشی سے، نہ ریا اور شہرت کے خیال سے بلکہ اِس لئے نکلا ہوں کہ تیرے غصّہ سے بچوں اور تیری خوشنودی حاصل کروں، مَیں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے بچا، میرے گناہ معاف کر دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں) اِس حدیث کی اسناد میں عطیۃ الکوفی راوی موجود ہے جو محدّثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہو تو اِسکی دو توجیہیں ہیں: ایک یہ کہ اُس میں سائلوں کے حق اور طاعت الٰہی کی راہ میں چلنے والوں کے حق سے سوال کیا گیا ہے جو روا ہے کیونکہ سائلوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ اُن کی مراد پوری کرے اور اُسکی راہ میں چلنے والوں کا حق یہ ہے کہ اُنھیں ثواب عطا فرمائے۔ اور یہ حق وہ ہے جسے خود اُس ذاتِ برتر نے اپنے اوپر واجب کیا ہے کیونکہ کسی مخلوق کو بھی یہ منصب حاصل نہیں کہ خدا پر کوئی بات فرض کر سکے۔

خود قرآن میں ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ" (۷: ۱۲)	تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔

اور:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (۲۱: ۸)	ہم پر مومنین کی نصرت فرض ہے۔

اور :

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ (۱۱ : ۳)	اُسکا وعدہ ہے سچا توراۃ اور انجیل اور قرآن میں، اور خدا سے بڑھکر اپنے عہد کا کون پورا کرنے والا ہوگا۔

اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر

اور صحیح بخاری میں ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: حق اللہ علی عبادہ ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاً، وحق العباد علی اللہ اذا فعلوا ذلک ان لا یعذبھم" (خدا کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اُسکی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں، اور بندوں کا خدا پر یہ حق ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو اُنھیں عذاب نہ دے) اور حدیث قدسی میں ہے" یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی، وجعلتہ بینکم محرماً فلا تظالموا" (اے میرے بندو میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کرلیا ہے اور اُسے تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے، لہذا آپسمیں ظلم نہ کرو) پس جبکہ سائلوں اور عابدوں کا حق یہ ہے کہ اُنکی دعا قبول ہو اور اُنھیں ثواب ملے تو ایسے حق کے حوالہ سے دعا کرنا جائز اور مفید ہے۔ اسیطرح اِس حدیث میں نبی صلعم کا پناہ مانگنا ہے کہ" اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک، واعوذ بک منک، لا احصی ثناء علیک، انت کما اثنیت علی نفسک" (تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی اور تیری سزا سے تیری درگزر کی پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تیری تعریف کا شمار نہیں کرسکتا، تو ویسا ہے جیسی تونے خود اپنی تعریف کی ہے) پس جس طرح خدا کی معافی سے کہ جو خود اُسی کا فعل ہے پناہ مانگنا درست ہے، اُسی طرح اُس کے دوسرے فعل یعنی ثواب کے حوالہ سے دعا کرنا بھی درست ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور خاص اُسی کی خوشنودی کیلئے عمل کرنا بندے کی مراد پوری ہونے کا سبب و ذریعہ ہے۔ پس وہ بالکل نبی صلعم اور

صالحینِ امت کی دعاؤں سے وسیلہ چاہنے کی طرح ہے۔ اور یہ اوپر مفصّل گزر چکا ہے کہ نبی صلعم یا صالحین کو ذریعہ بنانے سے مقصود یا تو خدا کو اُنکی قسم دینا ہوگا یا اُنھیں سبب قرار دینا ہوگا۔ بنابریں اگر حدیث کے لفظ "بحق السائلین علیک" (اُس حق سے سوال کرتا ہوں جو سائلوں کا تجھپر ہے) سے غرض قسم دینا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر خدا کو کسی کی قسم دینا جائز ہے تو وہ خود اُسی کی قسم ہے۔ لیکن اگر اُس سے مقصود اُس حق کو اجابتِ دعا کا سبب قرار دینا ہے تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ خود خدا ہی نے اُسے سبب قرار دیدیا ہے اور وہ سبب یہی ہے کہ اُس سے دعا کی جائے اور اُسکی عبادت کی جائے۔ اِس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام صورتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور اُن میں سے کسی ایک میں بھی مخلوق کے ذریعہ بغیر اُسکی دعا اور ہمارے عمل صالح کے سوال کرنا ثابت نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور جواب

اگر سائل کیلئے یہ کہنا روا ہے کہ میں تجھ سے ملائکہ کے حق یا انبیاء کے حق یا صالحین کے حق سے سوال کرتا ہوں، تو پھر اُس کے لئے یہ کہنا بھی روا ہوگا کہ میں اِن لوگوں کے حق کی تجھے قسم دیتا ہوں۔ لیکن اگر وہ اسے جائز نہیں رکھتا کہ مخلوق کو مخلوق کی قسم دلائے تو پھر خدا کی جناب میں اِس طرح کی قسمیں کیونکر جائز رکھتا ہے؟ اگر وہ کہے کہ اِس قول سے میری مراد قسم دینا نہیں بلکہ اُن کے حق کو اجابتِ دعا کا سبب بنانا ہے۔ تو اُس سے کہا جائیگا کہ اِن بزرگوں کی شخصیتوں میں کوئی ایسا سبب موجود نہیں ہے جو تیری حاجت روائی کا ذریعہ ہوسکے۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ اُن کے وسیلہ سے فائدہ اُٹھائے تو اُسکی صورت صرف یہی ہے کہ یا تو اپنے اندر بھی وہ بات پیدا کر جو قبولیتِ دعا کا سبب ہے مثلاً ملائکہ و انبیاء پر ایمان لا، اور یا پھر اِسکے ساتھ خود اُنکی طرف سے تیرے حق میں کوئی ایسی بات صادر ہو جو سوال پورے ہونے کا ذریعہ ہے مثلاً وہ تیرے لئے دعا کریں۔ لیکن بہت سے لوگ بزرگوں کی ذات کو وسیلہ بنانے یا خدا کو اُنکی قسم دلانے

کس طرح کا سوال درست ہے؟

اور خود کھانے کے عادی ہوگئے ہیں چنانچہ اُنکی زبانوں پر اِس طرح کی قسمیں چڑھی ہوئی ہیں کہ "وحقك على الله!" - "وحق هذه الشيبة على الله!" (خدا پر تیرے حق کی قسم! خدا پر اِس سفیدی (بڑھاپے) کے حق کی قسم!) -

جب سائل کہتا ہے "اسألك بحق فلان او بجاهه" (فلاں کے حق یا جاہ سے التجا کرتا ہوں) اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اُس پر اپنے ایمان اور اُسکی محبت کی بنا پر سوال کرتا ہوں تو یہ درست ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی یہ نیت نہیں ہوتی - سائل کا اِس طرح دعا کرنا کہ اے خدا میں تجھ پر اور تیرے رسُول پر اپنے ایمان اور محبت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں، نہایت بہتر دعا ہے جیسا کہ قرآن میں مومنین کی دعا بتائی گئی ہے کہ:

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ" (۳ : ۱۱)	اے ہمارے رب ہم نے ایمان کے مُنَادِ کو سنا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ سو ہم ایمان لے آئے - پس اے رب، ہمارے گناہ معاف کردے، ہماری بُرائیاں دُور کردے اور ہمیں ابرار کے زمرہ میں وفات دے -

اور فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" - (۳ : ۱۰)	جو کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لائے پس ہمارے گناہ بخشدے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا -

اور:

"اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ" (۱۸ : ۶)	میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے رب ہم ایمان لائے ہیں، پس ہماری مغفرت کر، ہم پر رحم کر، تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے -

اور :

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ" (۳ : ۱۲)	اے رب ہم اُسپر ایمان لے آئے جو تُو نے اُتارا ہے اور ہم نے رسُول کی پیروی کی، لہذا تُو ہمیں شہادت دینے والوں میں لکھ ۔

ابن مسعودؓ دعا کیا کرتے تھے "اللهم امرتنی فاطعت، ودعوتنی فاجبت، وهذا سحر فاغفر لی" (الٰہی! تو نے حکم دیا مَیں نے تعمیل کی، تو نے بُلایا مَیں نے لبیک کہی، یہ سحر کا وقت ہے لہذا مجھے بخشدے) اِسی قبیل سے اُن تین ساتھیوں کا بھی قصہ ہے جو بارش سے بچنے کیلئے غار میں چلے گئے تھے، مگر اُس کے منہ پر چٹان آگئی اور واپسی ناممکن ہوگئی اُسوقت اُنھوں نے اپنے اعمال صالحہ کی بنا پر دعا کی اور خدا نے قبول فرمالی ۔

ایک انصاریہ کا واقعہ

ابوبکرؒ بن ابی الدنیا نے اپنے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انسؓ نے کہا "ہم ایک انصاری کی عیادت کیلئے گئے جو نہایت بیمار تھا، ہماری موجودگی ہی میں اُس نے دم توڑ دیا، ہم نے اُسپر چادر پھیلادی اور اُسکی بوڑھی ماں سے گھوم کر کہا "اے بی بی! اپنی مصیبت پر صبر کر!" اُس نے بدحواس ہوکر پُوچھا "کیا میرا بچہ مرگیا؟" جواب ملا "ہاں!" اور زیادہ مضطرب ہوکر بولی "کیا تم سچ کہتے ہو؟" ہم نے کہا "ہاں، ہاں" اُس نے فوراً ہاتھ اُٹھا دئے اور دعا کرنے لگی "الٰہی! تو جانتا ہے مَیں اسلام لائی اور تیرے رسُول کی طرف ہجرت کرکے آئی تاکہ تُو ہر مشکل میں میری دستگیری کرے، اے میرے مولا! یہ مصیبت مجھ پر نہ ڈال!" پھر اُس نے چادر اُلٹ دی اور وہ زندہ و تندرست ہوگیا یہانتک کہ ہم اُس کے ساتھ کھا پی کے گھر لوٹے"۔

(۱) حضرت داؤدؑ کی دعا

ابونعیمؒ نے اپنی کتاب "الحلیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے دعا میں کہا: میں اپنے باپ دادا: ابراہیم واسحٰق ویعقوب رضؑ کے حق کا تجھے واسطہ دیتا ہوں، اِسپر خدا نے

وحی کی کہ اے داؤد تیرے باپ دادا کا مجھ پر کیا حق ہے جو تو مجھے یاد دلاتا ہے - یہ چیز اگرچہ دلیل شرعی نہیں اور نہ اسرائیلیات قابلِ اعتماد ہیں مگر اُن سے مدد لینا درست ہے -

سنّتِ نبوی سے ثابت ہے کہ زندہ آدمی سے جس طرح اُن تمام چیزوں کی طلب جائز ہے جنکی وہ قدرت رکھتا ہے، اُسی طرح اُس سے دعا کی بھی خواہش جائز ہے، لیکن غیر حاضر یا مُردہ سے کچھ مانگنا درست نہیں - نبی صلعم کو "وسیلہ" بنانے اور آپ کے "ذریعہ" سے خدا سے دعا کرنے کے الفاظ میں اجمال و اشکال ہے - صحابہؓ کی زبان میں تو اس کے معنی یہ تھے کہ آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کرتے اور آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ و ذریعہ بناتے تھے - اور معلوم ہے کہ یہ ذریعہ اعظم ترین ذریعہ ہے - لیکن بہت سے لوگوں نے اپنی اصطلاح الگ بنالی ہے، وہ اِن الفاظ کو اُن معانی میں استعمال نہیں کرتے جن میں صحابہؓ کرتے تھے بلکہ اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ خدا کو آنحضرت صلعم کی قسم دلائیں اور آپ کی ذات کو وسیلہ قرار دیں - حالانکہ خدا کو مخلوقات میں سے کسی کی بھی قسم دلانا جائز نہیں بلکہ خود مخلوق کیلئے بھی اُنکی قسم کھانا جائز نہیں ہے - بنا بریں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اے خدا میں تجھے تیرے ملائکہ کی یا تیرے کعبہ کی یا تیرے صالح بندوں کی قسم دلاتا ہوں، جیساکہ خود کسی انسان کے لئے بھی اِنکی قسم کھانا درست نہ ہوگا - کیونکہ قسم صرف اللہ اور اُس کے اسماء و صفات ہی کی کھائی جا سکتی ہے - اسی لئے سُنّت یہ ہے کہ خدا سے دعا اُسکے اسماء و صفات کے حوالہ و واسطہ سے کی جائے مثلاً کہا جائے "اسألك بان لك الحمد لا اله الا انت المنّان بديع السموات و الارض، يا ذا الجلال والاكرام، يا حيّ يا قيوم، واسألك بانك انت الله الاحد الصمد الذى لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد"۔ اِسی طرح

صحابہؓ کی اصطلاح

یہ دعا ہے "اللھم انی اسألک بمعاقد العز من عرشک، ومنتھی الرحمۃ من کتابک، وباسمک الاعظم، وجدک الاعلیٰ، وبکلماتک التامات" (خدایا میں تجھ سے تیرے عرش پُر عزت کی گرہوں، تیری کتاب میں سے منتہائے رحمت، اور تیرے اسم اعظم اور تیرے مرتبۂ اعلیٰ اور تیرے کلماتِ تامات کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں)
لیکن اِس دعا کے جواز میں بھی علما کا اختلاف ہے۔ شیخ ابوالحسن قدوری اپنی کتاب "شرح الکرخی" میں لکھتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ نے کہا "کسی کیلئے جائز نہیں کہ دعا میں بجز خدا کے کسی کو بھی وسیلہ قرار دے اور میرے نزدیک یہ کہنا مکروہ ہے کہ "بمعاقد العز من عرشک او بحق خلقک" (تیرے عرش میں سے عزت کی گرہوں یا تیری مخلوق کے حق کے واسطہ سے مانگتا ہوں) ابویوسفؒ کہتے ہیں چونکہ "معقد العز من عرشہ" خود خدا ہے اسلئے میں اسمیں کوئی حرج نہیں دیکھتا البتہ انبیاء، کعبہ، مشعر الحرام وغیرہ کے حق سے دعا کو مکروہ سمجھتا ہوں" قدوری کہتے ہیں "مخلوق کے حوالہ سے دعا ناجائز ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق ہی نہیں ہے" اس سے واضح ہوا کہ ابوحنیفہؒ و ابویوسفؒ وغیرہ علماء ماسوی اللہ کے حوالہ سے دعا کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کا مسلک

اگر سوال کیا جائے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے تو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مخلوق کو مخلوق کی قسم نہیں کھانا چاہئے یہ کیوں نہ جائز ہو کہ خدا کو اُسکی مخلوقات کی قسم دی جائے؟ تو اِسکا جواب یہ ہے کہ خدا نے مخلوقات کی جو قسمیں کھائی ہیں تو اِس سے اُس کی تعریف و ثنا اور اُسکی نشانیوں کی یاد دہانی مقصود ہے۔ لیکن ہمارا اُسے مخلوقات کی قسم دلانا شرک ہے اگر ہم اِس ذریعہ سے کچھ لینا یا روکنا یا خبر کی تصدیق یا تکذیب چاہتے ہیں۔ اور جو کوئی کسی مخلوق کے حوالہ سے کسی سے سوال کرتا ہے تو اِس سے مقصود یا قسم دینا ہوگا جو ناجائز ہے اور کفارہ، قسم دینے والے پر ہے نہ اُسپر جسے قسم دی گئی جیسا کہ ائمہ فقہ نے تصریح کی ہے اور یا مقصود قسم نہ ہوگی تو اس صورت میں وہ محض

خدا نے مخلوق کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟

ایک سوال ہوگا اور کفارہ کسی پر بھی عائد نہ ہوگا۔

اِس سے واضح ہؤا کہ مخلوق کے حوالہ سے دعا کرنے والا یا تو مخلوق کی قسم کھاتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ یا مخلوق کو محض ذریعہ و وسیلہ بناتا ہے، جسکی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اگر کوئی کہے "باللہ افعل کذا" توکسی پر بھی کفارہ نہیں۔ لیکن اگر کہے "مَیں تجھے یہ کرنے کی قسم دلاتا ہوں" یا "بخدا تجھے یہ کرنا ہوگا" تو اگر مخاطب اسکی قسم پوری نہ کرے تو کہنے والے پر کفارۂ قسم ہے۔ رہا خدا کو ویسی قسم دلانا جیسی حضرت براءؓ بن مالکؓ وغیرہ صحابہ دلایا کرتے، مثلاً "اے رب! مَیں تجھے ایسا کرنے کی قسم دیتا ہوں" تو یہ ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "رب اشعث اغبر ذی طمرین مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ" (کتنے ہی میلے کچیلے حقیر آدمی پھٹے پُرانے کپڑے پہننے والے ایسے ہیں کہ اگر خدا کو قسم دلاویں تو وہ اُنکی قسم پُوری کر دے) نیز انسؓ بن النضیر اور ربیعؓ کے قصہ میں ہے کہ فرمایا "ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ" (اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اگر خدا کو قسم دلاویں تو وہ پوری کر دے) لیکن یہ محض قسم ہی قسم ہے اِس میں اُس ذاتِ برتر کو کسی مخلوق کی قسم دینا نہیں ہے۔

مخلوق کو چاہیئے کہ صرف وہ شرعی دعائیں مانگا کرے جو کتاب وسنّت سے ثابت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ اُن کی افضلیت مسلّم ہے اور یہی اُن لوگوں کا صراط مستقیم ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے گروہ میں خدا کی نعمتوں سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ عوام الناس جو یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ "جب تمھیں کوئی ضرورت پیش آئے تو میرے جاہ وحرمت کے حوالہ سے دعا کرو" تو ایک سراسر باطل حدیث ہے، نہ کسی اہلِ علم نے اُسے روایت کیا ہے اور نہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے۔ البتہ ہر دعا میں آپ پر درود پڑھنا ضرور مشروع ہے۔ اسی لئے علماء نے جب استسقاء وغیرہ کی دعا ذکر کی تو ساتھ ساتھ آپ پر درود کا بھی ذکر کرتے گئے لیکن یہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں

کیا کہ درود کی طرح ہر دعا میں آپ کو وسیلہ ٹھیرانا بھی ضروری ہے، یا یہ کہ غیر اللہ سے دعا کرنا یا امداد طلب کرنا چاہیئے۔ سلف صالح اور ائمہ علم میں سے کسی کے متعلق مروی نہیں کہ اُسنے مُردوں یا غیر حاضر زندوں سے دعا مانگی ہو یا اِسکی اجازت دی ہو۔ ہاں بعض متاخرین سے یہ مروی ہے مگر وہ ائمہ علم مجتہدین میں سے نہیں کہ اُن کا قول و فعل قابلِ اعتناء ہو۔ نیز بعض متقدمین سے بھی منقول ہے کہ وہ نبی صلعم کے جاہ یا حق کے حوالہ سے دعا کرتے تھے مگر یہ بات نہ تو اُس زمانہ میں مشہور تھی نہ سنت ہی سے اُس کی تائید ہوتی ہے بلکہ سنت میں اس کے خلاف دلائل موجود ہیں جیساکہ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ وغیرہ سے منقول ہے۔

ابو محمد بن عبد السلام کا قول

ابو محمد بن عبد السلام فقیہ کے فتاوی میں ہے "خدا کے حضور کسی مخلوق کو بھی وسیلہ بنانا جائز نہیں، بجز نبی صلعم کے اگر نابینا والی حدیث صحیح ثابت ہو جائے" لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو نابینا والی حدیث سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ خدا کو مخلوق کی قسم دینا یا رسول اللہ صلعم کی ذات کو وسیلہ ٹھیرانا جائز ہے بلکہ اسمیں صرف آپ کی دعا سے وسیلہ چاہنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر دعا کے مشروع و ماموربہ طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے دعا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ نبی صلعم پر درود، قبولیتِ دعا کا اعظم ترین سبب ہے اور کتاب و سنت و اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

درود کا نفع

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (۲۲ : ۴)	اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو، تم بھی اُس پر درود اور سلام بھیجو۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا "من صلی علی مرۃ صلی اللہ علیہ عشرا" (جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا خدا اُس پر دس دفعہ درود بھیجیگا) اور فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے ایک شخص کو اللہ کی حمد اور اُسکے رسولؐ پر درود بھیجے بغیر دعا کرتے دیکھا تو فرمایا "عجل ھذا" (اِسنے جلدی کی) پھر اُسے بُلایا اور اُس سے یا کسی دوسرے سے

فرمایا " اذا صلی احدکم فلیبدأ بحمد ربه ثم یصل علی النبی ثم یدعو بعدہ بماشاء " (جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اپنے رب کی تعریف سے شروع کرے پھر نبی پر درود بھیجے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے) یہ حدیث احمد و ابوداؤد و نسائی و ترمذی نے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا " اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فان من صلی علی صلاۃ صلی اللہ علیه عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلة فانها درجة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو فمن سأل اللہ لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة " (جب مؤذن کو سنو تو جیسا وہ کہتا ہے ویسا ہی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے خدا اُس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک ایسا درجہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندے کیلئے سزاوار ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی، اُس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی) سنن ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ مؤذن ہم سے زیادہ فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا " قل کما یقولون فاذا انتھت سل تعطه " (جیسا وہ کہتے ہیں تو بھی کہہ، جب اذان ختم ہوجائے تو دعا کر قبول ہوگی) مسند احمد میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جس نے اذان سُنکر کہا " اللھم رب ھذہ الدعوۃ القائمة والصلاۃ النافعة صل علی محمد وارض عنه رضاء لا سخط بعدہ " (اے خدا رب اِس دعوۃ قائمہ اور صلاۃ نافعہ کے، محمدؐ پر درود بھیج اور اِس سے ایسا راضی ہو کہ پھر کبھی ناراضی نہ آئے) تو خدا اُسکی دعا قبول کریگا " احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں حضرت انس رضی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا " الدعاء لا یرد بین الاذان والاقامة " (اذان اور اقامت کے مابین دعا رد نہیں کی جاتی) ابوداؤد میں سہل بن سعد رضی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم

نے فرمایا "ساعتان تفتح فیہما ابواب السماء، قل ما ترد علی داع دعوتہ: عند حضور الداء والصف فی سبیل اللہ" (دو وقت ایسے ہیں جنہیں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بہت کم کسی کی دعا رد کی جاتی ہے: بیماری کے وقت اور راہِ خدا میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے کے وقت) مسند احمدؒ و ترمذی وغیرہ میں ابیؓ بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو آنحضرت اُٹھتے اور فرماتے "یا ایہا الناس اذکروا اللہ، جاءت الراجفۃ تتبعہا الرادفہ، جاء الموت بما فیہ" (اے لوگو، اللہ کو یاد کرو، زلزلہ آگیا اور اُس کے پیچھے دوسرا زلزلہ ہے، موت اپنی سب حالتوں کے ساتھ آگئی!) ابیؓ بن کعبؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ مَیں آپ پر بہت صلوۃ بھیجتا ہوں، فرمایئے اپنی صلاتوں میں سے کتنی آپ کیلئے کردوں؟ فرمایا "ما شئت" (جتنی چاہو) مَیں نے کہا "چوتھائی؟" فرمایا "ما شئت وان زدت فھو خیر لک" (جتنی چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے حق میں بہتر ہے) مَیں نے کہا "تو آدھی؟" فرمایا "ما شئت و ان زدت فھو خیر لک" (جتنی چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمھارے حق میں بہتر ہے) مَیں نے کہا "اچھا تین حصے؟" فرمایا "ما شئت وان زدت فھو خیر لک" (جتنی چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمھارے حق میں بہتر ہے) اِسپر مَیں نے عرض کی تو مَیں اپنی تمام صلاتیں آپ ہی کیلئے خاص کئے دیتا ہوں۔ فرمانے لگے "اذاً یکفیک اللہ ما اھمک من امر دنیاک و اٰخرتک" (تو پھر خدا تجھے دین دنیا کے افکار سے سبکدوش کردے گا) دوسری روایت میں ہے کہ یہ الفاظ فرمائے "اذاً یکفیک ھمک و یغفر ذنبک" (تو پھر تجھے بیفکر اور تیرے گناہ معاف کردے گا) "صلوۃ" کے معنی ہیں ہو دعا۔ قرآن میں ہے:

وَصَلِّ عَلَیْہِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ" (۱۱ : ۲) — اُن کے حق میں دعا کر (کیونکہ تیری دعا اُن کے لئے تسکین ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اللھم صل علیٰ اٰل ابی اوفیٰ" (اے خدا ابو اوفیٰ

کے خاندان پر تیرا درود ہو) ایک عورت نے عرض کی: "اے رسول اللہ میرے اور میرے شوہر کیلئے دعا کیجئے"۔ فرمایا "صلی اللہ علیک و علی زوجك" (تجھ پر اور تیرے شوہر پر اللہ کا درود)۔ ابیّ والی حدیث میں چونکہ سائل کا مقصود یہ تھا کہ میں جلبِ خیر اور دفعِ شر کیلئے دعائیں مانگا کرتا ہوں، بتائیے اُن میں سے آپ کیلئے کتنی کر دوں؟ اس لئے آپ برابر یہی فرماتے رہے کہ جتنی چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے چنانچہ جب اُس نے کہا کہ میں اپنی تمام دعائیں آپ ہی کے لئے خاص کئے دیتا ہوں تو فرمایا "تو خدا تجھے دین و دنیا کے اندیشوں سے بے فکر کر دے گا" اور ظاہر ہے یہ وہ بڑی سے بڑی اور زیادہ سے زیادہ چیز ہے جسکے لئے دعا کی جاسکتی ہے۔

علماءِ اسلام نے شرعی دعائیں بیان کر دی ہیں اور بدعی دعاؤں سے اعراض کیا ہے لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ اُنکے نقشِ قدم پر چلیں۔

پہلا درجہ

اس باب میں تین درجے ہیں: ایک یہ کہ غیر اللہ کو پکارا جائے جو مر چکا ہے یا غیر حاضر ہے عام اس سے کہ کوئی نبی ہو یا ولی۔ مثلاً کہے "اے فلاں! مجھے پناہ دے، یا تیری دُہائی ہے، یا دشمن کو زیر کر دے۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ اُس سے مغفرت و توبہ چاہے جیسا کہ بہت سے جاہل مشرک کہتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ اُسکی قبر کو سجدہ کرے یا اُسکی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور سمجھے کہ یہ نماز قبلہ رُو نماز سے افضل ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یہ قبر، خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ، عوام کا قبلہ! اور یہ کہ اُس کی زیارت کیلئے سفر، حج کے سفر کے برابر ہے، اور یہ کہ اُسکی زیارت کے لئے چند مرتبہ کا سفر ایک حج کا ثواب رکھتا ہے بلکہ بعض غالی تو ایک مرتبہ کی زیارت کو متعدد حجوں سے بھی افضل بتاتے ہیں! یہ چیز صاف شرک ہے اگرچہ بہت سے لوگ اُسکے مرتکب کیوں نہ ہوں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ انبیاء یا صالحین میں سے جو مر گئے ہیں یا غیر حاضر ہیں اُن

سے کہا جائے: خدا سے میرے لئے دعا کرو، یا اپنے رب سے ہمارے حق میں التجا کرو۔ جیسا کہ عیسائی مریم وغیرہ سے درخواستیں کرتے ہیں۔ اس چیز میں کسی عالم کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز ہے اور ایک ایسی بدعت ہے جسے سلفِ امت میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ ہاں اہلِ قبور پر سلام بھیجنا اور اُنھیں مخاطب کرنا جائز ہے۔ چنانچہ نبی صلعم صحابہؓ کو تعلیم دیتے تھے کہ جب قبروں پر جائیں تو کہیں "السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون، یغفر اللہ لنا ولکم، نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ، اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم، واغفرلنا ولھم" (تم پر سلام اے اس جگہ کے بسنے والو، ہم انشاءاللہ تم سے ملجانے والے ہیں، خدا ہمیں اور تمھیں بخشے، ہم اللہ سے اپنے اور تمھارے لئے عافیت چاہتے ہیں۔ اے خدا ہمیں اِنکے اجر سے محروم نہ کرنا اور انکے بعد فتنہ میں نہ ڈالنا اور ہمیں اور اُنھیں بخشدینا) ابوعمر بن عبدالبرؒ نے نبی صلعم سے روایت کی ہے کہ فرمایا "ما من رجل یمر بقبر الرجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام" (جب آدمی کسی ایسے شخص کی قبر پر سے گزرتا ہے جسے دنیا میں جانتا تھا اور اُسے سلام کرتا ہے تو خدا اُس کی روح اُسے لوٹا دیتا ہے تاکہ اُس کے سلام کا جواب دیدے) سنن ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا "ما من مسلم یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام" (جو مسلمان بھی مجھپر سلام بھیجیگا تو خدا میری روح لوٹا دے گا تاکہ اُس کے سلام کا جواب دے سکوں) یہ مشروع ہے لیکن مردہ سے دعا چاہنا یا اور کوئی خواہش کرنا مشروع نہیں۔ مؤطا مالکؒ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب روضۂ مبارک پر جاتے تو یہ کہکر فوراً ہٹ جاتے "السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابہ"

(اے رسول اللہ آپ پر سلام، اے ابو بکر آپ پر سلام، اے باپ آپ پر سلام۔)
عبد اللہ بن دینارؓ سے مروی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ حجرہ میں کھڑے ہیں اور نبی صلعم پر صلوٰۃ اور ابو بکر و عمرؓ کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت انسؓ وغیرہ کی بابت منقول ہے کہ وہ نبی صلعم پر سلام بھیجتے اور جب دعا کرنا چاہتے تو قبلہ رُو ہو جاتے تھے۔ کسی ایک صحابی کے متعلق بھی مروی نہیں کہ اُس نے حجرہ کی طرف رُخ کر کے دعا مانگی ہو۔ بلاشبہ بعد کے بہت سے فقہاء، وصوفیہ اور عوام نے اِس معاملے میں لغزش کھائی مگر کوئی ایک ایسا امام بھی اسطرف نہیں گیا جسکی رائے مانی جاتی ہو اور جسے اُمت میں عام مقبولیت حاصل ہو۔

ائمۂ اربعہ کا مذہب

ائمہ اربعہ: مالکؒ و ابو حنیفہؒ و شافعیؒ و احمدؒ اور دوسرے ائمۂ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ زائر جب نبی صلعم کو سلام کر چکے اور اپنے لئے دعا کرنا چاہے تو قبلہ رُو ہو جائے۔ پھر سلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس طرح کیا جائے۔ مالکؒ و شافعی و احمد کا مذہب ہے کہ حجرہ کی طرف منہ کر کے سلام کرنا چاہیئے اور ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ سلام کے وقت حجرہ کی طرف منہ بھی نہ کرے۔ پھر اس بارے میں اُن کے مذہب میں دو قول ہیں کہ آیا حجرہ کو پشت دے کر سلام کرے یا بائیں جانب رکھے یہ سلام کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے مگر دعا میں سب یک لخت متفق ہیں کہ قبلہ رخ ہونا چاہیئے۔

امام مالک والی حکایت

رہی وہ حکایت جو امام مالکؒ کی نسبت بیان کی جاتی ہے کہ اُن سے جب خلیفہ منصور نے حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگنے کی بابت پوچھا تو اُنھوں نے اِس کی اجازت دی اور کہا "ھو وسیلتک و وسیلۃ ابیک آدم" (وہ (رسول اللہ صلعم) تیرا اور تیرے باپ آدم کا وسیلہ ہیں) تو یہ امام مالکؒ پر ایک بہتان ہے۔ اِس کا سلسلۂ روایت مجہول ہے اور وہ اُن کے مذہب کی کتابوں اور اُن سے مستند

روایتوں کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ اسمٰعیل بن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے ۔
چنانچہ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ جب اُن سے اُن لوگوں کے بارے میں سوال
کیا گیا جو حجرہ کے سامنے دیر تک کھڑے ہوتے اور اپنے لئے دعا کرتے ہیں تو
اُنھوں نے اِس فعل کی سخت مذمت کی اور کہا یہ ایک ایسی بدعت ہے جسے سلفِ
امت : صحابہؓ وتابعین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا اور فرمایا "لا یصلح اٰخر
ھذہ الامۃ الّا ما اصلح اولھا" (اِس امت کا آخر بھی اُسی سے درست ہوگا
جس سے اُسکا اوّل درست ہوا ہے) ۔

امام مالکؒ نے جو کچھ کہا ہے وہی درست ہے کیونکہ صحابہؓ وتابعین کی تاریخ بتاتی
ہے کہ یہ چیز اُن میں نہ تھی حالانکہ اگر دعا کے وقت حجرہ کی طرف متوجہ ہونا جائز ہوتا
تو وہ اِس سے ضرور واقف ہوتے اور اِس پر سب سے پہلے عمل کرتے ۔ دعا صرف
خدا ہی سے کی جاتی ہے اِس لئے دعا کے وقت حجرہ کی طرف رُخ کرنا اُسی طرح ممنوع
قرار دیا گیا جس طرح نماز کے وقت حجرہ یا قبر کی طرف رخ کرنا ممنوع ہے جیسا کہ
صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا "لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا
الیھا" (نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُن کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھو) لہذا اِس حدیث
صحیح کے بموجب قبروں کی طرف رُخ کرکے نہ نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ دعا کرنا،
قبروں میں کوئی تخصیص یا امتیاز نہیں، انبیاء اور غیر انبیاء سب کی قبریں اِس حکم میں
یکساں طور پر داخل ہیں ۔

امت کا اجماع

اِس بارے میں تمام مسلمان متفق ہیں کہ نماز کے لئے قبر پر جانا اور قبر کی
طرف رُخ کرکے ادا کرنا جائز نہیں بلکہ یہ ایک سخت بدعت و معصیت ہے ۔ اِسی
طرح دعا کے لئے قبروں پر جانا عام اِس سے کہ انبیاء کی قبریں ہوں یا صالحین کی
جائز نہیں ۔ پس جب قبر کی طرف نماز اور قبر کے پاس دعا ناروا ہے تو خود میّت اور

صاحب قبر سے دعا مانگنا یا چاہنا بدرجۂ اولیٰ ناروا ہوگا ۔ بنا بریں مردہ سے اس طرح کی درخواستیں کرنا کہ خدا سے دعا کر دیا یہ مانگو اور وہ مانگو نا جائز ہے اور کسی حال میں بھی اس کی اجازت نہیں ۔ بلا شبہ اگر وہ زندہ ہوتا تو یہ بات جائز ہوتی کیونکہ زندگی میں وہ مکلّف تھا اور اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے سائل کا سوال پورا کرنے کے لئے مستعد ہو سکتا تھا مگر موت کے بعد مکلّف نہیں رہا بلکہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو گیا ۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں یا یہ کہ شب معراج میں انبیاءؑ نے نبی صلعم کے پیچھے نماز ادا کی یا یہ کہ اُس عالم میں بھی صالحین ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کے مکلّف ہیں، بلکہ محض اپنے جی اور تقدیرِ الٰہی سے کرتے ہیں تاکہ اُن کی رُوح لطف و مسرّت حاصل کرے ۔

بنا بریں میّت سے درخواست کرنا بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ وہ اُس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا، جو کچھ خدا نے مقدّر کر دیا ہے اُس پر مُردے عمل کرتے ہیں اور جو نہیں کیا اُس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے، عام اِس سے کہ اُنھیں کتنا ہی گلا پھاڑ پھاڑ کے پکارا جائے ۔ جیسا کہ فرشتوں کے متعلق ہے کہ صرف حکمِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں ۔ فرمایا :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ، لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲ : ۱۷)	کافروں نے کہا کہ خدا کے بیٹا ہے، پاک ہے اُسکی ذات، بلکہ وہ عزت والے بندے ہیں، خدا کے آگے پیشقدمی کر کے بول نہیں سکتے اور اُسکے حکم پر عمل کرتے ہیں ۔

نبی صلعم کی زندگی میں کسی چیز کے جائز ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ وفات کے بعد بھی جائز ہو، کیونکہ مثلاً آپ کے گھر میں نماز پڑھنا مشروع تھا، اُسے مسجد بنانا

جو آنحضرت کی حیات میں جائز تھا، وہ وفات کے بعد بھی جائز ہو ضروری نہیں

جائز تھا۔ لیکن وفات کے بعد جب آپ اُس میں دفن ہو گئے تو ایسا کرنا حرام ہو گیا چنانچہ فرمایا "لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ یحذر ما فعلوا" و لولا ذالک لابرز قبرہ ولکن کرہ ان یتخذ مسجدا" (یہود و نصارٰی پر خدا کی لعنت کہ اُنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد ٹھیرا لیا۔ (راوی کہتا ہے) آپ نے ایسا کرنے سے ڈرایا ہے، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلی جگہ میں بنائی جاتی مگر یہ ناپسند کیا گیا کہ وہ مسجد قرار دے لی جائے) اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ فرمایا "ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد، الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھا کم عن ذالک" (تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد ٹھیرا لیا کرتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ ٹھیرانا، میں تمھیں اِسکی ممانعت کرتا ہوں) یا مثلاً یہ کہ آپ کی حیات میں، آپ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز بلکہ افضل ترین عمل تھا۔ لیکن وفات کے بعد جائز نہیں کہ آپ کی قبر کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اِسی طرح زندگی میں آپ سے درخواست کی جاسکتی تھی کہ حکم دیں، فتوٰی صادر کریں، فیصلہ کریں۔ لیکن اب وصال کے بعد یہ روا نہیں رہا۔

امام مالکؒ اور قبر نبوی کی زیارت

امام مالکؒ وغیرہ علمار نے تو اس بارے میں یہانتک کہہ دیا ہے کہ یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ "میں نے قبر نبوی کی "زیارت" کی" کیونکہ یہ لفظ وارد نہیں ہے اور قبر مبارک کی زیارت کے متعلق جتنی حدیثیں بھی روایت کی گئی ہیں سب کی سب ضعیف بلکہ سراسر باطل اور جھوٹی ہیں۔ پھر یہ لفظ (یعنی "زیارت") متاخرین کے عرف میں دو معنی کے لئے استعمال ہونے لگا ہے اور اِس سے اکثر "بدعی زیارت" مراد لی جاتی ہے جو شرک کی قسم سے ہے مثلاً اِس ارادہ سے قبر کی زیارت کہ خود اُس سے دعا کی جائے یا اُس کے واسطہ سے خدا سے دعا کی جائے یا اُس کے پاس دعا کرنے کو افضل سمجھا جائے۔

اور شرعی زیارت یہ ہے کہ نماز جنازہ کی طرح میت کی قبر پر خالصۃً لوجہ اللہ جائے،

اُس پر سلام بھیجے، اُس کے حق میں دعا کرے ۔ یہی زیارت مشروع ہے لیکن چونکہ بہت سے لوگ لفظ زیارت سے پہلے معنیٰ ' یعنی بدعی زیارت ' مراد لیتے ہیں اِس لئے امام مالکؒ نے یہ کہنا ہی مکروہ قرار دیا کہ "مَیں نے قبرِ نبویؐ کی زیارت کی" کیونکہ اِس میں ابہام و اشتباہ ہے اور وہ معنی بھی نکلتے ہیں جو اہلِ بدعت و شرک میں مقبول ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مثلاً اِس طرح دعا کرے "اے خدا مَیں تجھ سے فلاں شخص کے ذریعہ سے یا اُس کی جاہ و حرمت کے واسطہ سے التجا کرتا ہوں" (یا اِسی قسم کے الفاظ) تو اس کے متعلق اوپر گزر چکا ہے کہ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک ممنوع ہے نیز یہ بھی مذکور ہو چکا کہ یہ چیز صحابہؓ میں مشہور نہ تھی بلکہ اُنھوں نے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ کے بجائے حضرت عباسؓ اور دوسرے لوگوں کی دعاؤں کو وسیلہ بنایا تھا۔

اب واضح ہوگیا کہ لفظ "توسّل، و، توجّہ" دو معنی میں مشترک ہے: ایک وہ جو صحابہؓ مراد لیتے تھے اور ایک وہ جو صحابہؓ مراد نہیں لیتے تھے۔ اُس کے معنی اُن کی بول چال میں یہی تھے کہ آنحضرت صلعم کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنایا جائے۔ اور اِسی پر قیاس کر کے ہر مومن کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

دو معنی

رہی وہ حدیث جو بہت سے مشائخ اپنے معتقدوں سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "اذا اعتیکم الامور فعلیکم باھل القبور (او) فاستعینوا باھل القبور" (جب کسی مشکل میں پھنسو تو اہلِ قبور کی طرف رجوع کرو (یا فرمایا) اہلِ قبور سے مدد مانگو۔) تو یہ ایک باطل اور جھوٹی حدیث ہے، تمام علماءِ حدیث کا اِس پر اتفاق ہے، نہ کسی محدّث نے اِسے روایت کیا ہے اور نہ یہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے۔ بلکہ اُس کا بطلان بداہۃً ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

ایک جھوٹی حدیث

وَتَوَکَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ۔ اُس زندہ جاوید پر توکّل کر جو کبھی نہیں مرے گا

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا " (۱۹ : ۳)	اور اُسکی ستائش کی تسبیح کر اور اپنے بندوں کے گناہوں سے اُسکا باخبر ہونا بس کرتا ہے ۔

بلکہ نبی صلعم نے وہ چیز بھی ممنوع قرار دے دی ہے جو اس سے قریب تھی یعنی قبروں کا مسجد قرار دینا اور وہاں دعا وغیرہ کے لئے جانا بلکہ اُس کے مرتکب پر لعنت کی ہے اور ایسے لوگوں کی مشابہت سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ بُت پرستی کی اصل اور بنیاد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا " (۲۹ : ۱۰)	اُنھوں نے کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا، نہ ود کو چھوڑنا، نہ سواع کو، نہ یغوث و یعوق و نسر کو ۔

یہ لوگ (ود، سواع، یعوق، یغوث، نسر) قوم نوح میں صالحین تھے، جب مرے تو مخلوق اُن کی قبروں کی تعظیم و تکریم کرنے لگی، پھر اُن کی تصویریں بنائیں اور اُس کے بعد اُنکے بت گھڑ کر پرستش میں لگ گئی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ وغیرہ علماء سلف کا قول اوپر گزر چکا ہے ۔

تمام انبیاء کا دین

یہ شرک جس سے نبی صلعم نے منع کیا ہے، دوسرے تمام انبیاء کے دینوں میں بھی ممنوع ہے ۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مردوں سے دعا کرنے اور شرک کی اور تمام قسموں سے منع کیا اور کہا اس سے خدا ناراض ہوتا اور سزا دیتا ہے ۔ اور یہ اس لئے کہ تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی ہے اگرچہ شریعتیں متعدد ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا "انا معشر الانبیاء دیننا واحد" (ہم نبیوں کا دین ایک ہی ہے) اور قرآن میں ہے :

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا	اُس نے تمھارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور اے رسول ہم نے

وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ" (۲۵ : ۳)

تیری طرف بھی اُسی کی وحی کی ہے اور ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو بھی اسی کا حکم دیا تھا کہ دین کو قائم کرنا اور اسمیں تفرقہ نہ ڈالنا، اور اے پیغمبر تو جس دین کی طرف مشرکین کو بلاتا ہے وہ اُن پر بہت ہی شاق گزرتا ہے۔

اور فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ، وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ، فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ" (۱۸ : ۴)

اے پیغمبرو، پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمھارے عملوں سے باخبر ہوں اور یہ تمھارا گروہ ایک ہی گروہ ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس مجھی سے ڈرو، پھر لوگوں نے آپس میں دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے، ہر فرقہ اپنے دین سے خوش ہے۔

اور فرمایا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ

دینِ حنیف پر استوار ہو جا جو فطرتِ الٰہی ہے کہ جس پر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہ دین بالکل صاف سیدھا ہے مگر اکثر لوگ بیخبر ہیں۔ ہاں ہر طرف سے کٹ کر خدا ہی کی طرف لوٹ پڑو، اُس سے ڈرو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ یعنی اُن میں سے جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے

حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۔ | ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور فرقے فرقے ہو کر ہر فرقہ اپنے طریقہ پر خوش ہے۔ (۲۱ : ۷)

یہی "اسلام" ہے اور یہی وہ دینِ فطرت ہے جس کے علاوہ اور کوئی دین خدا کو پسند نہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث دوسرے مقامات میں ہو چکی ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے جو بات (یعنی شرک) خاتم النبیین، سیّد الاوّلین و الآخرین، اشرف المخلوقات، افضل الشفعاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز نہیں رکھی، وہ آپ سے کم درجہ اولیاء و صالحین کے حق میں بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہو گی۔ چنانچہ کسی کو نہ خدا کے ساتھ شریک کیا جائے گا، نہ اُس کی قبر بُت بنا کر پُوجی جائے گی، نہ خدا کو چھوڑ کر اُسے جیتے جی اور مرے پیچھے پکارا جائے گا۔

بنا بریں کسی کے لئے روا نہیں کہ کسی ولی یا بزرگ کو اُس کی عدم موجودگی یا موت کے بعد پکارے اور کہے "اے میرے آقا! مجھے فتحیاب کر، میری دستگیری کر، مجھ سے مصیبت ٹال دے، مَیں تیری پناہ میں ہوں" وغیرہ امور جو شرک ہیں اور جنھیں اللہ اور اُس کے رسول نے حرام بتایا ہے، اور جن کی حُرمت، دینِ اسلام میں بداہتہً ظاہر و واضح ہے۔

شیطانی کام

رہے وہ مکاشفات و احوال جن کا ظہور قبر پرستوں پر قبروں کے پاس ہوتا ہے تو اُن سے کسی کو دھوکہ نہ کھانا چاہیئے، کیونکہ وہ اکثر من گھڑت اور افسانے ہوتے ہیں، اور اگر اُن میں کوئی واقعی ہوتا بھی ہے تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے - یہ اِس طرح کہ شیطان کبھی صاحب قبر کی صورت میں ظاہر ہوتا اور اِن گمراہوں کی گمراہی پختہ کرنے کے لئے اُن سے ہمکلام ہوتا اور اِن کی بعض ضرورتیں پُوری کر دیتا ہے۔ یہ سادہ لوح سمجھتے ہیں کہ وہ خود شیخ ہے جو اپنی کرامت سے اِس طرح زندہ ہو کر سامنے آ گیا ہے - حالانکہ وہ نہ شیخ ہوتا ہے نہ اُسکی کرامت بلکہ شیطان ہوتا ہے جو انکی گمراہی بڑھانے کیلئے یُوں روپ دھار کر آتا ہے - یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ شیطان اِسی طرح مشرکوں کو گمراہ کیا کرتا ہے، بُت پرستوں پر بھی ایسے ہی حالات ظاہر ہوتے ہیں جنھیں وہ اپنے بُتوں کی کرامت یقین کرتے ہیں - -

خود شیخ الاسلام کا واقعہ

مجھے اِس قسم کے بہت سے واقعات معلوم ہیں، چنانچہ میں نے خود اُن لوگوں کو دیکھا ہے جنھوں نے میری اور دوسرے مشائخ کی، ہماری عدم موجودگی میں، دہائی دی تھی - اُن کا بیان ہے کہ اُنھوں نے مجھے اور اُن مشائخ کو ہوا میں اُڑ کر آتے اور اُن کی مصیبت دُور کرتے دیکھا - لیکن مَیں نے اُنھیں بتا دیا کہ یہ سب شیطان کی شعبدہ بازیاں ہیں، وہی میری اور دوسرے بزرگوں کی صورت میں آیا تھا تاکہ غیر موجود یا متوفی مشائخ کے پکارنے میں اُنکی ہمت افزائی کرے اور گمراہی کو اَور زیادہ مضبوط کر دے - اِسی قسم کی وارداتیں عیسائیوں کو بھی پیش آتی ہیں جو اپنے بزرگوں کو پُکارتے اور اُن سے فریادیں کرتے ہیں - چنانچہ اُنھیں بھی نظر آتا ہے کہ اپنے جس بزرگ کو اُنھوں نے پکارا تھا، آ گیا اور اُنکی مراد پُوری کر گیا - حالانکہ یہ سب شیطان کے ہتکھنڈے ہوتے ہیں -

یہ لوگ جو متوفی انبیاءؑ، صالحینؒ، مشائخ اور اہل بیت وغیرہ سے رجوع کرتے

شیطان کی کارروائیاں

ہیں، اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِس قسم کے مکاشفات اُن پر بھی ہو جائیں۔ چنانچہ اگر کسی کو اِسمیں کامیابی ہو جاتی ہے تو اُسے اپنے اِس مشرکانہ فعل کی کرامت و معجزہ یقین کرنے لگتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو اُس شیخ کی قبر پر جسے وہ خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے کوئی آواز سُنائی دیتی یا کوئی صورت دکھائی دیتی یا اوپر سے کھانا یا روپیہ وغیرہ اُترتے نظر آتا ہے تو اِسے اُس شیخ کی ولایت و کرامت سمجھنے لگتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے غور نہیں کرتا کہ یہ سب شیطان کی کارروائی ہے جو اُسے گمراہ کرنے کی فکر میں ہے اور جس کے ذریعہ وہ بُت پرستی عام کر چکا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے دعا کی:

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ، رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (۱۴ : ۱۸)	مجھے اور میری اولاد کو اِس سے بچا کہ ہم بُتوں کی عبادت کریں، اے رب بُتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

حالانکہ معلوم ہے خود پتھر کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا، البتہ اُس کے ساتھ کوئی اور سبب موجود ہوتا ہے جو گمراہ کرتا ہے۔ کوئی بُت پرست بھی یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ بُتوں نے آسمان زمین پیدا کیے ہیں بلکہ وہ اُنھیں خدا کے ہاں اپنا فقط سفارشی اور وسیلہ یقین کرتے تھے۔ چنانچہ بعضوں نے انبیاء و صالحینؒ کی مُورتیں گھڑیں، بعضوں نے آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کے بُت بنائے، بعضوں نے فرشتوں کے اور بعضوں نے جنّوں کے مجسمے طیار کئے اور یہ سمجھ کر اُنکی پرستش کرنے لگے کہ اِس طرح وہ ملائکہ و انبیاء و صالحین یا آفتاب و ماہتاب کی پرستش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُنکا سراسر وہم تھا اور حقیقت میں وہ شیطان کی پرستش کرتے تھے۔ کیونکہ شیطان ہی اپنی پرستش سے خوش ہوتے اور طرح طرح کے حیلوں سے اُس کی ترغیب دیتے ہیں۔ رہے ملائکہ تو وہ ہرگز اِسے پسند نہیں کرتے۔ قرآن میں ہے:

نادانستہ شیطان پرستی

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰئِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ـ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝ (۲۲ : ۱۱)

اور جس دن ہم اُن سب کو جمع کرینگے پھر فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمھاری ہی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات تو ہی اُن کے سوا ہمارا دوست ہے بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے' انمیں سے اکثر انھیں پر ایمان رکھتے تھے۔

شیطانوں کا قاعدہ ہے کہ اگر عابد شیطان پرستی کو جائز نہیں سمجھتا تو پھر اُسے براہِ راست اسکی دعوت نہیں دیتے بلکہ انبیاء، صالحین اور ملائکہ وغیرہ مخلوقات کی عبادت کی طرف، کہ جن سے اُسے حُسن ظن ہوتا ہے' راغب کرتے اور اِس طرح بتدریج اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ چنانچہ فریب خوردہ انسان سمجھتا ہے کہ میں شیطان پرستی سے کوسوں دُور خدا کی نیک مخلوق کی تعظیم و تکریم و تقدیس میں مصروف ہوں۔ لیکن اصل میں وہ شیطان پرست ہی ہوتا ہے اور انبیاء و صالحین وغیرہ کے نام سے شیطان پوجتا ہے۔ برخلاف اِنکے جو لوگ شیطان پرستی جائز رکھتے ہیں تو اُن پر وُہ اوّل دن سے ہی کھُل جاتا اور اپنی حقیقت ظاہر کر دیتا ہے۔ انسان کا روپ بھر کر آنے والا شیطان کبھی اِس قسم کے مطالبے بھی کرتا ہے کہ اُسے سجدہ کیا جائے یا اُس سے بدفعلی کی جائے یا مُردار کھایا اور شراب پی جائے۔ اکثر دیکھنے والے اصلیت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یقین کرتے ہیں کہ جو صورتیں دکھائی دے رہی ہیں وہ یا فرشتے ہیں یا جنّات ہیں جو اُن سے باتیں کرنے کیلئے اُتر آئے ہیں۔ اِن لوگوں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ جو صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ اولیاء اللہ جنّاتوں کی ہیں جو نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں اور جن کا نام بقول اُن کے "رجال الغیب" ہے۔

حالانکہ وہ سب شیطان ہی ہوتے ہیں جو انسان یا دوسری مخلوقات کے بھیس میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

عرب میں جنات کا عقیدہ

عرب میں قاعدہ تھا کہ لوگ جنات کی دہائی دیا کرتے تھے۔ جب کوئی کسی ایسے علاقہ میں جاتا تھا جہاں کے باشندوں سے دوستی نہ ہوتی تو کہتا تھا "میں اس علاقہ کے سردارِ جنات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے بدمعاشوں کے شر سے محفوظ رکھے" اِس اعتقاد نے جنات کو اَور بھی حاوی کر دیا تھا اور وہ اُنھیں گمراہ کرنے میں اَور بھی زیادہ مستعد ہو گئے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

وَ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا " (۲۹ : ۱۱)	انسان سے لوگ جنات سے پناہ مانگا کرتے تھے اِس لئے اُنھوں نے جنات کو اَور بھی مغرور کر دیا۔

گنڈے

اِسی طرح عجمی گنڈے تعویذوں میں جنات کے نام آتے ہیں جن سے دعائیں اور فریادیں کی جاتی ہیں اور کبھی کبھی جنات اور شیطان اِن گنڈوں کی وجہ سے کچھ کام بھی آتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں سحر و شرک کی قسم سے ہیں اور شریعت میں ممنوع ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ	وہ اُس جنتر منتر کے پیچھے پڑ گئے جو شیاطین سلیمانؑ کے عہدِ سلطنت میں پڑھا کرتے تھے، حالانکہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اُس کے پیچھے لگ گئے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُتارا گیا تھا اور وہ کسی کو اُسکی تعلیم نہ دیتے تھے یہاں تک

فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

(۱ : ۱۲)

کہ پہلے کہدیتے کہ ہم "فتنہ" ہیں لہذا کفر نہ کرو، اِسکے بعد بھی وہ اُن سے وہ باتیں سیکھتے تھے جن سے میاں بی بی میں جدائی ڈالدیتے تھے، حالانکہ وہ بے حکم خدا اُن کے ذریعہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، وہ اُن سے ایسی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کیلئے مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ تھیں حالانکہ جان چکے تھے کہ جس آدمی نے اِن باتوں کو خریدا وہ آخرت میں بے نصیب ہے اور بہت ہی بُرا معاوضہ ہے جسکے بدلے اُنہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالے کاش وہ اِسے جانتے۔

شیطانی کرامتوں کی حقیقت

اِن کفریات پر اعتقاد و عمل رکھنے والے کبھی ہوا میں بھی اُڑتے ہیں، شیطان اُنھیں اُٹھا لیتے اور مکہ وغیرہ دُور دراز ملکوں تک اُڑا لے جاتے ہیں۔ لوگ اِسے کتنی ہی بڑی کرامت سمجھیں مگر ایسا شخص زندیق کافر ہی ہوتا ہے، نماز اور دوسرے فرائض سے اعراض و انکار کرتا ہے، اللہ اور رسُول کی حرام ٹھیرائی ہوئی باتوں کو حلال سمجھتا ہے اور ہر قسم کے مکروہات و منکرات سے آلودہ رہتا ہے۔ شیطان ایسے لوگوں کے ساتھ محض اُس کفر و فسوق کی وجہ سے ارتباط رکھتے ہیں جو اُن میں خفیہ یا علانیہ پایا جاتا ہے۔ لیکن جوں ہی وہ سچی توبہ کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسُول پر ایمان لاتے اور کتاب و سنّت کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں، فوراً شیطان کنارہ کش ہوجاتے ہیں اور اِس قسم کے تمام شیطانی مکاشفات و احوال و تاثیرات کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ مَیں بکثرت ایسے لوگوں سے واقف ہوں جو شام، مصر، حجاز اور یمن میں موجود ہیں۔ جزیرہ، عراق، خراسان

اور رُوم میں اُنکی تعداد اَور بھی زیادہ ہے۔ پھر مشرکین اور اہلِ کتاب کے مُلکوں میں وُہ بے شمار موجود ہیں اور اِس قسم کے شیطانی شعبدوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

شیطانی احوال کا سرچشمہ

یہ شیطانی احوال جن کا سرچشمہ کفر و فسوق میں ہے اپنے اسباب کی کمی بیشی اور قوّت و ضعف کی مناسبت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں ایمان و توحید کا ستون مضبوطی سے بلند ہوتا ہے، قرآن و سنّت کا آفتاب روشن ہوتا ہے، وہاں یہ احوال بھی بہت کم اور کمزور ہو جاتے ہیں اور جہاں کفر و فسق و عصیاں کا زور ہوتا ہے وہاں شیطان بھی اپنے کرتب بہت زور شور سے دکھاتے ہیں تاکہ گمراہی اَور بھی زیادہ ہو جائے۔ اِسی طرح جس شخص میں کفر و ایمان دونوں کے مادے جمع ہوتے ہیں تو اسپر الٰہی و شیطانی دونوں حالتیں طاری ہُوا کرتی ہیں۔ جس وقت جس مادہ کا زور و غلبہ ہوتا ہے اُس کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ خالص مشرکین جو اسلام و ایمان کی لذّت سے بالکل ناآشنا ہیں مثلاً بخشیہ، طُونیہ، بدی وغیرہ ترک ہند وخطا و ختن کے علماء مشرکین و مشائخ کفار کے فرقوں میں شیطانی احوال کا ظہور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ہَوا میں اُڑتے اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں، اُن کا دُف بھی اُڑتا اور اُن لوگوں کے سروں پر خود بخود پڑتا ہے جو اُن کے مقرّرہ طریقے کے خلاف جاتے ہیں۔ اِسی طرح جس جام میں وہ شراب پیتے ہیں وُہ بھی اِدھر اُدھر حرکت کرتا نظر آتا ہے اور اُس کا محرّک کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح اگر اُن میں سے کوئی غیر آباد جگہ میں ہوتا ہے اور مہمان آجاتے ہیں تو اُن کیلئے طرح طرح کے کھانے خود بخود اُترتے دکھائی دیتے ہیں اور قسم قسم کی شرابیں آموجود ہوتی ہیں۔ دیکھنے والے اِن باتوں پر تعجب کرتے اور اِن مشرکین کی کرامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سب شیطانوں کے ہاتھوں عمل میں آتا اور ظاہر ہوتا ہے جو قریب کی آبادیوں سے کھانا اور شراب وغیرہ چُرا لاتے ہیں۔ اِسی طرح نَومسلم

ترکوں میں بھی جو یا تو مشرک ہوتے ہیں یا ناقص الایمان، اس قسم کی باتیں اکثر دیکھنے میں آتی ہیں، رہے تاتاری جو سراسر کافر ہیں تو ان میں انکی اور بھی زیادہ گرم بازاری ہے۔

جاہل مسلمانوں پر شیطان کا قابو حاصل کر لینا آسان ہے

اسی طرح اُن مسلمانوں میں بھی جو تحقیقِ توحید سے بے بہرہ، اتباعِ رسول ؐ سے دُور اور مشائخ وغیرہ کو پکارتے اور اپنا قبلۂ حاجات بنلتے ہیں، شیطانی احوال پائے جاتے ہیں۔ جو کوئی شیطان کو جتنا زیادہ خوش رکھتا ہے اُتنا ہی زیادہ اُس پر اُسکا اثر ہوتا ہے۔ اِس گروہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن میں دین و عبادت پائی جاتی ہے مگر چونکہ جہل و غباوت کی تاریکیاں چھائی ہوتی ہیں اِس لئے شیطان کو اُن پر دسترس حاصل ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن میں سے کوئی اُڑ کر عرفات میں پہنچ جاتا اور اپنے آپ کو حاجیوں کے ساتھ کھڑا پاتا ہے۔ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اِسے کرامت و عمل صالح یقین کر کے خوش ہوتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتا کہ یہ نہ عبادت ہوئی نہ کرامت بلکہ محض شیطان کی ایک شعبدہ بازی ہوئی جس نے اُسپر غیر محسوس طریقہ سے قبضہ جما لیا ہے کیونکہ جس حج کے لئے نہ احرام باندھا گیا، نہ مزدلفہ میں قیام کیا گیا، نہ طوافِ افاضہ کیا گیا، اور نہ اور ارکان و شرائط پورے کئے گئے، وہ کسی مسلمان کے نزدیک بھی حج نہیں بلکہ ایک معصیت ہے اور ہرگز جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و صحابہؓ جو مشائخ و صوفیہ سے کہیں افضل تھے، اُن میں سے کسی ایک کو بھی اِس طرح کی کوئی صورت پیش نہیں آئی بلکہ وہ عام آدمیوں کی طرح سفر کی مشقتیں برداشت کر کے حج اور دوسری عبادتیں ادا کرتے رہے۔ اِس قسم کا واقعہ ایک شیخ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اسکندریہ سے اُڑ کر عرفات پہنچ گیا تھا۔ جہاں اُسنے دیکھا کہ فرشتے اُترتے ہیں اور حاجیوں کے نام لکھ رہے ہیں۔ اُس نے اُنسے پوچھا

تم نے میرا نام بھی لکھ لیا ہے ؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ نہیں، کیونکہ تو نہ ٹھکانہ اُس طور پر آیا جس طور پر تمام حاجی آئے ہیں، اس لئے تیرا حج ہی نہیں ہُوا۔ اِسی طرح بعض مشائخ کی بابت مروی ہے کہ اُن سے اِس قسم کے حج کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا، ایسے حج سے فرض ساقط نہیں ہُوا کیونکہ تم نے خدا و رسُول کے حکم کے بموجب حج نہیں کیا۔

دینِ اسلام کی بنیادیں

دینِ اسلام دو بنیادوں پر استوار ہے: ایک یہ کہ بلا شرکتِ غیر تنہا اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور دوسرے یہ کہ اُس طَور پر کی جائے جس طَور پر اُس نے اپنے نبی محمد صلعم کی زبانی مقرر کر دی ہے۔ یہی وہ دو اصل الاصول ہیں جنھیں کلمۂ اسلام و ایمان: "لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" پیش کرتا ہے۔ اور "اِلٰہ" کے معنی یہ ہیں کہ جسکی عبادت و محبت، تکریم و تعظیم، خوف و رجا، اجلال و اکرام دلوں کو گھیرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بندوں پر یہی حق ہے کہ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے۔ پس اُسی کو پکارا جائے، اُسی کی عبادت کی جائے، اُسی سے ڈرا جائے، اُسی سے امید رکھی جائے اور اُسی کی اطاعت کی جائے۔

رسول اللہ صلعم کا درجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے پہنچانے والے ہیں۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے اور دین وہی ہے، جو خود اُس نے مقرر کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلعم، اللہ اور اُس کی مخلوق کے مابین واسطہ ہیں جو اُس کے پیغام پہنچاتے، اُس کے حکموں سے آگاہ کرتے، اُس کے وعدہ و وعید کی خبر دیتے ہیں۔ رہا دعاؤں کا قبول کرنا، بلاؤں کا دُور کرنا، ہدایت سے سرفراز کرنا، دولت و نعمت سے مالا مال کرنا تو یہ سب صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی بندوں کی صدائیں سُنتا ہے، اُن کے ٹھکانے جانتا ہے، اُن کا ظاہر و باطن دیکھتا ہے، اُسی کے قبضۂ قدرت

میں ہے کہ جسپر چاہے بارانِ رحمت نازل کرے، جسکی مصیبتیں چاہے دُور کردے، جسے چاہے دنیا بھر کے خزانے دیدے - وہ اپنے بندوں کی حالت معلوم کرنے میں کسی کا بھی محتاج نہیں، اُنکی مرادیں پُوری کرنے میں کسی کی مدد کا بھی خواہشمند نہیں، کیونکہ وہ خود سمیع و علیم و قدیر ہے - اُسی نے وہ تمام اسباب و وسائل پیدا کئے ہیں جن سے حاجت روائی ہوتی اور مسرت و سعادت آتی ہے، وہ مسبب الاسباب ہے، تنہا و یگانہ ہے، غنی و بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ کوئی اُس کا بیٹا ہے، سب اُسکے بندے اور اُسکی مخلوق ہیں، نہ اُسکا کوئی ہمسر ہے نہ نظیر ہے نہ ساتھی ہے:

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ - (۲۷ : ۱۲)	آسمان و زمین میں جو بھی ہے سب اُس سے مانگتے ہیں، وہ ہر دن ایک نہ ایک کام میں رہتا ہے

پس آسمان والے بھی اُسی سے مانگتے ہیں، زمین والے بھی اُسی سے مانگتے ہیں، وہ سب کی صدائیں یکساں طور پر سُنتا اور سب کی بولیاں سمجھتا ہے - یہ نہیں ہوتا کہ ایک کی سُنتے وقت دوسرے کی نہ سُنے یا ایک کو دیتے وقت دوسرے کو نہ دے سکے، زبانوں کا اختلاف، بولیوں کی کثرت، سائلوں کا شور اُسے پریشان نہیں کرسکتا، اُسکے کان بیک وقت سب کیلئے کھُلے ہوتے اور اُس کے ہاتھ سب کو دیتے رہتے ہیں - بلکہ وہ سائلوں کی الحاح و زاری اور اصرار و تقاضا کو پسند کرتا ہے - چنانچہ جب صحابہؓ رسول اللہ صلعم سے احکام دریافت کرتے تھے تو خود اللہ برتر جواب دیتا تھا - مثلاً فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ - (۲ : ۸)	تجھ سے ہلال (چاند) کے متعلق پوچھتے ہیں، کہدے کہ وہ لوگوں اور حج کے اوقات ہیں -
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ (۲ : ۱۱)	پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہدو کہ عفو (یعنی جو مال ضرورت سے زائد ہو) -

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ" (۲ : ۱۱)	شہر حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں، کہدو کہ اس میں جنگ بہت بُری چیز ہے ۔

بلکہ جب خود اُس ذاتِ برتر کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا :

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (۲ : ۷)	جب میرے بندے میری بابت تجھ سے پوچھیں تو مَیں اُن سے قریب ہوں، مجھ سے دعا کرنیوالا جب مجھے پکارتا ہے تو مَیں اُسکی سُنتا اور قبول کرتا ہوں۔

اِس آیت میں یہ نہیں کہا کہ "کہدے ......" بلکہ براہِ راست خود ہی جواب دیدیا کہ مَیں تم سے بالکل نزدیک ہوں اور تمھاری دعائیں سُنتا اور قبول کرتا ہوں۔ بنا بریں خدا کے بندوں کو خدا ہی سے دعا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اُن سے بالکل قریب ہے۔ جیساکہ حدیث میں ہے کہ جب نبی صلعم نے صحابہؓ کو ذکر و دعا میں چلّاتے دیکھا تو یہ کہکر منع کیا "ایھا الناس اربعوا علیٰ انفسکم فانکم لا تدعون صم ولا غائباً انما تدعون سمیعا قریباً ان الذی تدعونہ اقرب الیٰ احدکم من عنق راحلتہ" (اے لوگو قابو میں رہو، تم کسی بہرے یا غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، تم سمیع و قریب کو پکار رہے ہو، جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے تمھاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے) اور فرمایا: "اذا قام احدکم الیٰ صلاتہ فلا یبصقن قبل وجھہ فان اللہ قبل وجھہ ولا عن یمینہ فان عن یمینہ ملکاً ولکن عن یسارہ وتحت قدمہ" (جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ اُس کے منہ کے سامنے ہے، نہ دائیں جانب تھوکے کیونکہ اُسکے دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے، لیکن ہاں بائیں جانب اور اپنے پَیروں کے نیچے تھوک لے) یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد وجوہ سے مروی ہے۔

ذاتِ الٰہی

وہ اعلیٰ و اجل آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر متمکن ہے، اپنی مخلوق سے الگ ہے، مخلوقات میں کوئی چیز بھی اُسکی ذات کا حصّہ نہیں اور نہ اُسکی ذات میں مخلوقات میں سے کوئی چیز داخل ہے۔ وہ غنی و حمید عرش و کرسی اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، کسی کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہی اپنی قدرت سے عرش اور اُس کے اٹھانے والوں اور تمام جہانوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔

اُس ذاتِ برتر نے کائنات کے درجے اور طبقے بنا دئے ہیں مگر نہ اعلیٰ کو ادنیٰ کا محتاج کیا ہے اور نہ ادنیٰ کو اعلیٰ کا۔ وہ خود سب سے بلند و ارفع ہے، ربّ السمٰوات والارض ہے اور ویسا ہے جیسا خود اُسنے اپنے متعلق فرمادیا ہے:

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" (۳۹ : ۶۷)

اُنھوں نے خدا کی ویسی قدر نہ کی جیسی کرنا چاہیے تھی حالانکہ قیامت کے دن یہ ساری زمین اُسکی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُسکے ہاتھ میں لپٹے ہونگے، اُسکی ذات اُن کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

وہ ذاتِ والا اِس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ اُسے کوئی اُٹھائے، سنبھالے، سہارا دے، مدد دے، بلکہ وہ فرد و یگانہ ہے، مستغنی و بے پروا ہے، نہ اُسے کسی نے جنا ہے نہ اُسنے کسی کو جنا ہے، وہ بے نظیر ہے، واحد و اَحد ہے، سب اُسکے محتاج ہیں، وہ کسی کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہ خود سب کا آقا اور سب کا دینے والا ہے۔

قولی و عملی توحید

یہ تمام مباحث دوسرے مقامات میں مفصّل گزر چکے ہیں جہاں محمد صلعم کی لائی ہوئی قولی و عملی توحید پر پوری طرح روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن یہاں بھی ایک اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ توحید قولی سورۂ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں موجود ہے اور توحید عملی سورۂ "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" میں یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم

یہ دونوں سورتیں نمازِ فجر اور سنتِ طواف وغیرہ میں پڑھا کرتے تھے۔ نیز اِن دونوں نمازوں میں ذیل کی آیتیں بھی اکثر تلاوت کرتے تھے۔ چنانچہ پہلی رکعت میں پڑھتے :

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝" (۱ : ۱۶)

کہدو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس چیز پر جو ہم پر اُتری ہے اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور اُنکی اولاد پر اُتری ہے اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ پر اور دوسرے نبیوں پر اُن کے رب کی طرف سے اُترا ہے، ہم اِن پیغمبروں میں سے کسی ایک کی بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اُس خدا کے فرمانبردار ہیں۔

اور دوسری رکعت میں پڑھتے :

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۳ : ۱۵)

اے پیغمبر کہدے کہ اے اہلِ کتاب اُس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے یعنی یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو بھی اُسکا شریک نہ بنائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ بنائے، اگر تم اِسے نہ مانو تو ان سے کہدو کہ گواہ رہو ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

پہلی آیتوں میں قولی ایمان اور اسلام بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیتوں میں اسلام اور عملی ایمان موجود ہے۔ اللہ کا اپنے بندوں پر جو احسان سب سے بڑا ہے وہ "اسلام و ایمان" ہے اور وہ اِن دونوں آیتوں میں بدرجۂ اَتم موجود ہے۔

یہ وُہ استفتاء اور اُس کا جواب ہے جسے مَیں نے یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھا کیونکہ اِس میں اختصار کے ساتھ اہم مقاصد، مفید قواعد اور توحید پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ توحید ہی قرآن اور ایمان کی تمام کتابوں کی جان ہے، اور بحث کی وسعت اور عبارتوں کی بوقلمونی نہایت اہم اور بندوں کے دینی و دنیاوی منافع کیلئے ازحد

کریمی پریس لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر

چھپوا کر

محمد عبدالعزیز خاں مہتمم الھلال بک ایجنسی لاہور
نے شائع کیا

(کتبہ حکیم محمد حسینؒ ایمن آبادی)

مطبوعاتِ الہلال بک ایجنسی لاہور

(تصانیف مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہٗ)

(۱) الفرقان بین اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان - دنیا کی دو متضاد قوتوں: خیر و شر، حق و باطل اور نور و ظلمت کے خصائص و اعمال اور اُن اعمال کے نتائج و عواقب کی حقیقت پر ایک تفصیلی بحث اور قرآنی آیات کو بطور ثبوت پیش کر کے اُنکی ایک جامع تفسیر بیان کی ہے - قیمت ۶ ر

(۲) ایلاء و تخییر - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ "ایلاء" آیت تخییر کا شان نزول اور سورۂ تحریم کی تفسیر وغیرہ، تفسیر، حدیث اور تاریخی مضامین پر ایک نہایت نفیس اور مشترک بحث ہے. خصوصاً مغربی تعلیم کے شیفتہ و دلدادہ نوجوانوں کیلئے ایک مستقل درس بصیرت و موعظت ہے اور دینی علوم حقہ کی رہنما ہے قیمت ۶ ر

(۳) حقیقت الصلوٰۃ - نماز جیسے اہم فرض کی حقیقت پر، جسکی پابندی میں ہر مسلم کو ہر روز پانچ مرتبہ خدائے برتر و توانا کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہوتا ہے، اسقدر مؤثر، اسقدر دلنشین اور اسقدر اچھوتی کوئی کتاب اسوقت تک شائع نہیں ہوئی - قیمت - - - ۴ ر

(۴) الحرب فی القرآن - یہ کتاب مبحث حرب پر قرآنی نقطۂ خیال سے نہایت بینظیر مرقع ہے - قرآن حکیم سے جنگ کی حقیقت نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح کیگئی ہے اور دکھلایا ہے کہ جاہلیت میں عرب جنگ کو کیا سمجھتے تھے اور اُنھوں نے اسکا کیسا نمونہ پیش کیا، پھر اسلام نے اُس کے تمام مفاسد و نقائص کو مٹا کر کس طرح اُسے ناگزیر مواقع پر نہایت درجہ کم مضرت رساں بنادیا؟ اِسی ضمن میں "جہاد" پر ایک حقیقت فرما بحث کی گئی ہے - قیمت - - - ۱۰ ر

(۵) اُسوۂ حسنہ ترجمۂ "ہدی الرسول" اختصار زاد المعاد فی ہدی خیر العباد صلعم - (تصنیف حافظ ابن قیمؒ) اسوۂ حسنہ کا ترجمہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی، مدیر "الجامعہ" کلکتہ نے نہایت سلیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے - رسول اللہ صلعم کی سوانحعمری پر ایک نہایت جامع اور بینظیر کتاب ہے - آپکا وجود مبارک "حیاتِ طیبہ" کا کامل نمونہ تھا، آپ ہادی و روحانی صلاح و سعادت کے اصول و قواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہٖ قرآنی اصول تھے، جنکی پیروی و پابندی سے سلف صالح، ترقی و تمدن، عظمت و شوکت کی معراج تک پہنچے، اور جنکے ترک و ہجران نے مسلمانوں کو آج اُس بلندی سے اِس پستی میں لا گرایا اور جہانگیری و جہانبانی کے بدلے اغیار کا محکوم و غلام بنادیا - آپکی سیرۃ میں نہ صرف جنگوں اور غزوات کے حالات، بلکہ آپکے اخلاقی، معاشرتی اور خانگی حالات کی تفصیل کر کے اسوۂ نبوی کو کھولکر اُمت کے سامنے رکھدیا گیا ہے تاکہ مسلمان پورے طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں شمع ہدایت کا کام لے سکیں. حجم ۲۲۰ صفحات - قیمت مجلد ۱۲ بلا جلد ۱۰

مطبوعاتِ الھلال بُک ایجنسی لاہور

(تصانیف حضرت امام ابن تیمیہؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۶) **العروۃ الوثقیٰ** ترجمہ **الواسطہ بین الحق والخلق** - خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ کی ضرورت، کتاب و سنت سے واسطہ کی حقیقت اور مطلوب و مفہوم کی تشریح، خالق و مخلوق اور بادشاہ و رعایا کے مابین واسطہ کا فرق، فضیلتِ شفاعت، اسلوب دعا، اسلام کی خالص توحید، کتاب و سنت کی شرک سوز تصریحات اور مسلمانوں کے عقاید و اعمال میں غیر اسلامی عناصر کی جو افسوسناک آمیزش ہوگئی ہے اُن کے معلوم کرنے اور دُور کرنے کیلئے اس بےنظیر رسالہ کی اشاعت کی شدید ضرورت تھی جو ہم نے پوری کردی - قیمت ۶ ر

(۷) **اصحابِ صُفّہ** ترجمہ رسالہ **اصحابِ صُفّہ** مترجمہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی، مدیر "الجامعہ" کلکتہ - اس رسالہ میں نہایت صحیح اور مستند روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ: اصحابِ صُفّہ تعداد میں کتنے تھے؟ ان کی وجہ معاش کیا تھی؟ اور یہ جو جہلا میں مشہور ہے کہ وہ تمام صحابہ سے افضل تھے، دف وغیرہ آلاتِ موسیقی یا تو الی کی آواز پر وجد کرتے تھے، تالیاں بجاتے اور ناچا کرتے تھے، یا انھوں نے مشرکین کے ساتھ ہوکر مومنین کے خلاف جنگ کی، تو ان روایات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز اولیاء اللہ، قطب، ابدال، قلندر، نذر، منت، رقص و سرود وغیرہ اہم مباحث کی نسبت نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے - قیمت ۱۰ ر

(۸) **سیرۃ ابن تیمیہؒ** - یہ کتاب حضرت امام کے نیازمند خصوصی مولنا چوہدری غلام رسول صاحب مہر (پھولپوری) بی-اے چیف ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور کے تراوشِ قلم کا نتیجہ ہے - کتاب سات ابواب پرشتمل ہے: باب اول "ولادت اور تعلیم و تربیت" باب دوم "تحریک تجدید کے آغاز اور ابتلا و مصیبتیں" باب سوئم "جہاد بالسیف" باب چہارم "مصر میں طلبی اور ابتلا کا دَور" باب پنجم "قیام دمشق، قید اور وفات" باب ششم "عام اخلاق اور تصانیف" باب ہفتم "حضرت امام اور بعد کا دَور" یہ کتاب تمامتر ردالوافر، تذکرۃ الحفاظ، کواکب الدریہ، قول الجلی، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین اور درر کامنہ بحوالہ مقالات مولانا شبلیؒ وغیرہ معتبر اور مستند کتابوں سے ماخوذ ہے - نہایت نادر اور بےنظیر تحفہ ہے - لکھائی چھپائی اعلیٰ، حجم ۷۶ صفحات کاغذ ولایتی وزنی ۲۸ پونڈ قیمت صرف نو آنہ - - - - - - (۹ ر)

ملنے کا پتہ:

الھلال بُک ایجنسی نمبر ۲-۴ دروازہ شیرانوالہ لاہور